National Press Urdu Literature Series No. 30

تاریخ ادب ہندی

مصنفہ

سید ظہیر الدین احمد علوی

ایم۔ اے (فارسی) ایم۔ اے (اردو) ال۔ ال۔ بی

شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

ناشر

لالہ رام نرائن لعل بکسیلر

الہ آباد

۱۹۵۳ء

بار دوم

قیمت ۶/۸

نیشنل پریس الہ آباد میں باہتمام منشی رمضان علی شاہ چھپی

بار اوّل ۱۹۴۲ء ـــــــ بار دوم ۱۹۵۳ء
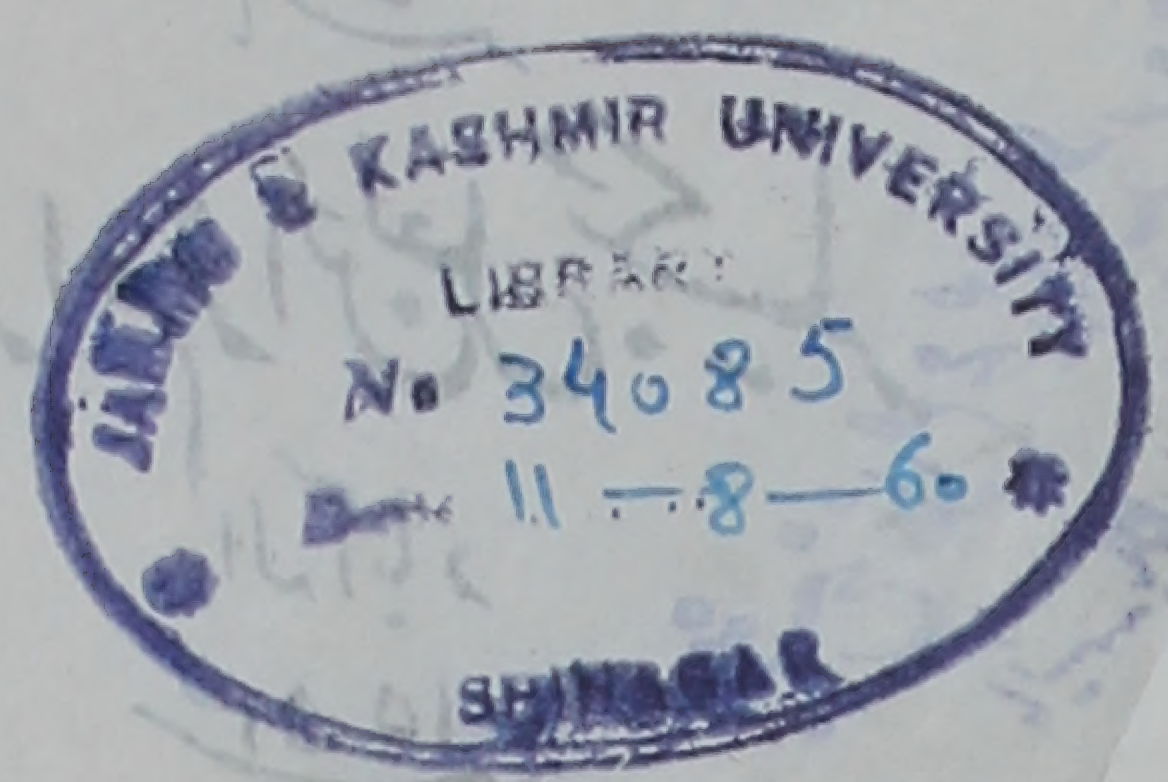
ا-م

لسانی نقشہ ہندوستان
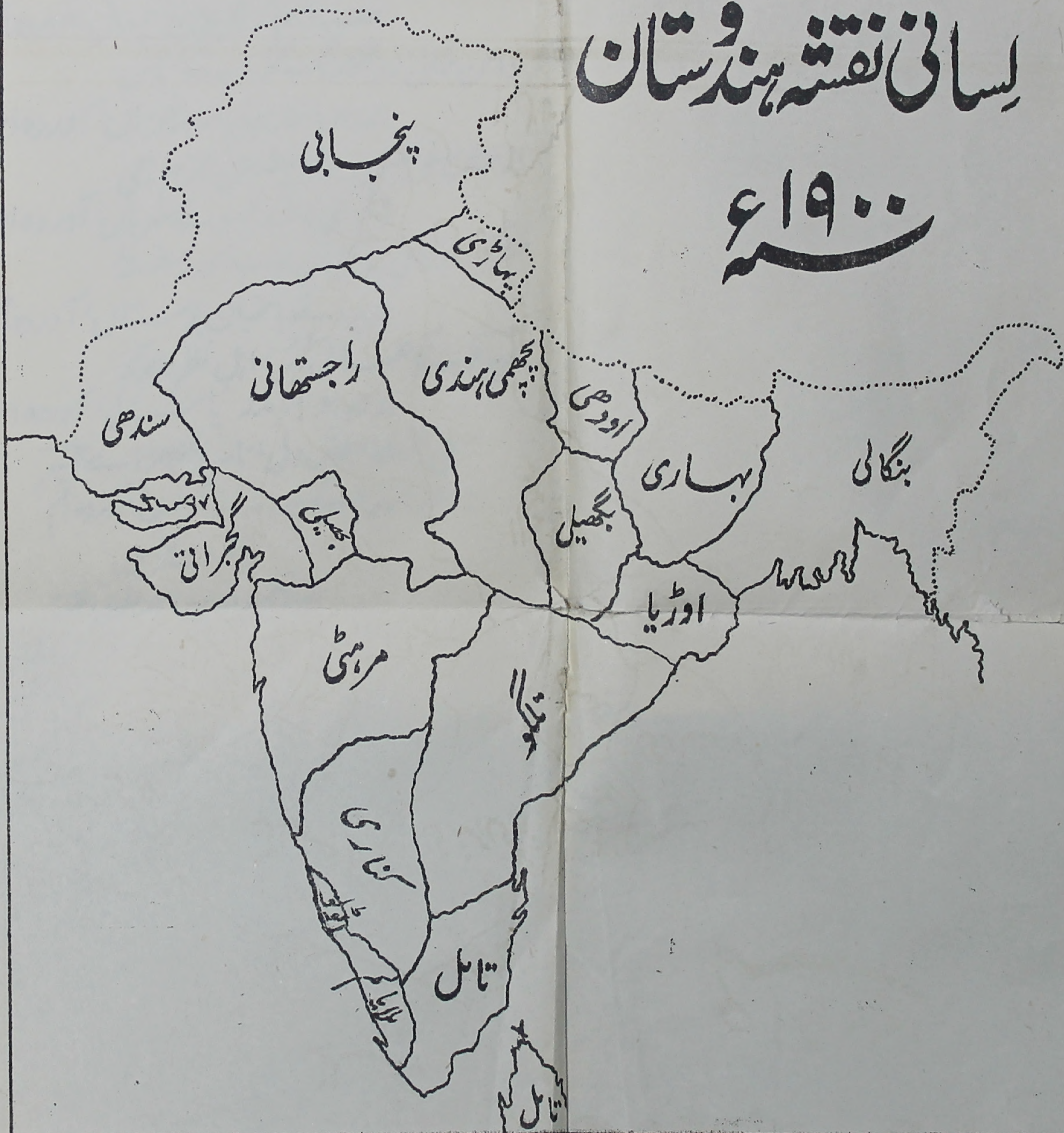
سنہ ۱۹۰۰ء

پنجابی
پہاڑی
راجستھانی
پچھمی ہندی
اودھی
سندھی
بہاری
بنگالی
بھیلی
بگھیلی
گجراتی
اوڑیا
مرہٹی
تلنگو
کناری
تامل
تامل

نذر ادب

(بملاحظہ حسن قبول محسن اردو ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو بالقابہ)

من دل درماں طلب را، ارمغاں آوردہ ام
لطف باشد، گر ہمی پرسی، چساں؟ آوردہ ام

دامن خالی، زرنگا رنگ گلہائے چمن
اندراں، خار بہارِ صد خزاں، آوردہ ام

از متاع خویشتن، بر خویشتن نازم ہمی
آنچہ می باشد بسوئے مہرباں، آوردہ ام

خشک اوراقِ پریشانِ ادب، در رشتۂ
از برائے باغبانِ بوستاں، آوردہ ام

سپروئے عالی گہر، اہلِ نظر والا ہمم
بر درِ او بہر نذر پاسباں، آوردہ ام

سعی ہمت، جوش دل، تابِ نگاہم اے ظہیر
دہ چہ ارزانے بہ انداز گراں، آوردہ ام

(عقیدت گزیں)

سید ظہیر الدین احمد علوی ظہیر

سید ظہیرالدین احمد علوی ایم-اے

مقدمہ

مصنّف اور تصنیف

ایک جرمن فاضل کی رائے ہے:۔

"اچھا مصنّف وہ ہے جس کو اپنی قابلیت کی نمائش مدِنظر نہ ہو بلکہ اس کے پیشِ نظر یہ رہے کہ ضرورت اور وقت کیا چاہتے ہیں اور ملک کس چیز کو پسند کرتا ہے"۔

(گاٹ ہولڈ لیسنگ)
۱۷۲۲ء یا ۱۷۸۱ء

کسی تصنیف پر اظہارِ خیال کرنے کے سلسلہ میں مصنّف اور اس کی خصوصیات، مساعیٔ تصنیف و ترتیب کا تفصیلی ذکر بھی خود تصنیف کی عظمت معلوم کرنے کے لئے ناگزیر ہوتا ہے۔ بالخصوص ایسے "شخصیت پرست" دور میں جس میں "من قالَ" (کس نے کہا؟) ہی معیار ہو "ما قالَ" (کیا کہا؟) کے جانچنے اور صحیح طور پر سمجھنے کا۔

ہم کو اس خیال سے بالکل اتفاق ہے کہ:۔

"باغ کی سرسبزی اور آراستگی، باغباں کے نام اور کام دونوں شہرتوں کی ذمّہ دار ہے"

مصنّف

ہمارے مسلک میں تصنیف کو سمجھنے کے لئے پہلے مصنّف کو سمجھنا چاہیئے۔ "تاریخ ادب ہندی" کے "مصنّف" مولوی سید ظہیر الدین احمد علوی ایم۔ اے (فارسی) ایم۔ اے (اُردو) ایل۔ ایل۔ بی (علیگ) اُستاد شعبۂ اُردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سب سے پہلے مشہور خاندان کے فرد مولوی سید زین العابدین مرحوم منصرم ججی کے چھوٹے بیٹے مولوی سید نصیر الدین احمد علوی مرحوم۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سب جج علی گڑھ، خوش گو شاعر کے چھوٹے بھائی اور مولوی حافظ عبدالرحیم مرحوم و مولانا عبدالحکیم جنید فاضل علوم عربیہ کے بھتیجے ہیں۔ یہ ہر دو بزرگ حضرت والدی شیخ الشیوخ مولانا محمد فاروق چریاکوٹی رح کے شاگرد تھے۔ ان کا قدیم وطن نیگو ضلع اعظم گڑھ ہے علوی صاحب خوش فکر، بلند خیال شاعر اور صاحبِ ذوقِ سلیم اور ادیب ہیں۔ سب سے زیادہ یہ کہ "مثالِ عمل"، محنتی۔ جفاکش۔ عزم راسخ رکھنے والے، دھن کے پکے "التسان" ہیں۔ اس لئے قلیل عرصہ عمر میں متعدد کتابوں کے مؤلف اور مرتب ہیں۔ ان کتابوں کا حسنِ قبول یہ ہے کہ ان میں سے اکثر کورس میں داخل ہو چکی ہیں۔

مصنّف کا ذوقِ ادب

التسان نام ہے دل اور دماغ کا اور ذوق کی صحت دل اور دماغ کی صحت زندگی ہے۔ علوی صاحب کی تمام ادبی کاوشیں اور ان کاوشوں

کا اہتمام اگر پیش نظر رکھ کر غور سے دیکھا جائے تو ان سب ذوق کا بلند معیار زندگی ملے گا۔ عام طور پر یہ غلط مشہور ہے کہ انتخاب مضامین نظم، نثر کورس کے لئے آسان چیز ہے لیکن حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے۔ مضامین کا انتخاب ہو یا اشعار کا، انتخاب کرنے والے کے فطری رجحان اور اس کے ذوق کی پستی اور بلندی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس اصول کو سامنے رکھ کر عام انتخابوں کو دیکھئے۔ خاص انتخاب ممتاز نظر آئے گا اگرچہ ان کی تعداد بہت کم بلکہ "الشاذ کالمعدوم" ہے۔

"تاریخ ادب ہندی" پر تو آگے چل کر گفتگو ہوگی لیکن اس کتاب میں جو چیز ہمارے لئے جاذبِ ذوق و نظر ہوئی ہے وہ مصنّف کے انتخاب اشعار کا سلیقہ ہے۔

مصنّف کتاب علوی صاحب نے ادوار قائم کر کے ہر دَور کے شعراء کا انتخاب کلام نمونے کے طور پر جس قدر پیش کیا ہے اس کی یہ خوبی اس ذوق کی بلندی کی گواہ ہے کہ ایک دو شعروں سے شاعر کی تمام شاعری کا اصلی خط و خال معلوم ہو جاتا ہے اور یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ شاعر کا رنگ اور طرز کیا ہے۔ یہ امتیاز نمایاں امتیاز ہے۔ ہماری رائے میں یہ بات غیر شاعر اور اس کے ساتھ ہی غیر لطافتِ طبع کو مشکل سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی خصوصیتِ رسائی کہ، علوی صاحب کے ذوقِ شعر و ادب

کے لئے کافی ہوتی اگر دوسری خصوصیات بھی میسّر نہ ہوتیں۔

ذوق ہندی

دریائے ذوق کسی خاص ساحل کا پابند یا کار بند نہیں ہوتا" یہ ایک نظریہ ہے۔ وسعت ذوق کی تائید میں۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ ذوقِ ادب کو محدود اور پابند کرنا اپنی اور ذوق کی تنگ نظری اور مذموم حد بندی ہے۔

اُردو کے شاعر اور ادیب کے لئے ہندی زبان اور اُس کی شاعری اتنی ہی ضروری ہے جتنی نظر کے لئے آسمان کی بلندی اور ذوق نظر کے لئے باغ اور تصویر بہار۔ پھول اور کلیاں اور اُن کی رنگا رنگی۔ شاید یہ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ:۔

اکثر مشہور اساتذہ شعرائے اُردو۔ ہندی شاعری بالخصوص اس کے تغزّل سے متاثر نظر آتے ہیں "خدائے غزل" میر تقی میر اس سے خود متکیّف تھے اور ان کی غزلیں متاثر ہیں۔ یہ ایک علیحدہ بحث ہے جو سلسلہ میں آگئی ہے۔ ہم نے خود اس کی طلب اور جستجو میں کافی وقت صرف کیا ہے۔ اسی طلب اور جستجو کے اثناء میں عزیز دوست مولوی منظور الحق کلیم اعظمی نے بھی اپنی توجہ ادھر مبذول کی اور ہندی شاعری کے مشہور مضمون نگار ہو گئے۔

علوی صاحب چند مسلمان ہندی پسند اربابِ ذوق میں سے ایک ہیں۔ ان کے ذوق نے صحیح طور پر ہندی کی ضرورت محسوس

کی اور اپنے ذوق ادب و شاعری میں اس کو شامل کر لیا۔
علوی صاحب اردو اور فارسی کے ایم۔ اے ہیں۔ انگریزی کے متعلق کچھ کہتا نہیں۔ ہندی نے مل کر ان کے ذوق کو مجمع الانجار بنا دیا ہے۔ ان کی کوشش چاہے تو ان دریاؤں کی گہرائی سے اور زیادہ قیمتی موتی نکال سکتی ہے۔

راہ کوشش کی سختیاں اور اُس کی منزل

لیلائے کامیابی کی منزل دور تھی اور راہ دشوار گذار لیکن علوی صاحب اوّل قدم سے لے کر آخر تک اس کے طالب اور جویا رہے۔ ع

"شرط اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی"

کسی مستقل اور جامع کتاب کی ترتیب اور تصنیف کے لئے تشنہ کاموں کو جس قدر "ھل من مزید" کی طلب ہوتی ہے اور اس طلب کی راہ میں جتنی مشقتیں اور دشواریاں خار و سنگ راہ ہوتی ہیں علوی صاحب کو سب پیش آئیں لیکن علوی صاحب سالک کی طرح راہ و رسم منزل سے بے خبر نہ تھے۔

تصوّف کا ایک مسلک یہ بھی ہے کہ راہ کا ہر کانٹا پاؤں کے لئے زخم و آبلہ اور دل کے لئے کیف و حال بن جاتا ہے۔ اس کا نام ہے "ذوق طلب اور طلب ذوق"۔ سالک اس جگہ پہنچ کر راہ اور منزل دونوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ یہ ہے دل کا مقام۔

راہ اُمید و بیم میں یہ آخری منزل اور یہی آخری درجہ ہے۔ علوی صاحب کی جستجو علوی صاحب کو اسی راہ سے بنارس ہندو یونیورسٹی بھی لے گئی۔ وہاں پندرہ بیس روز تک ہندی لائبریری کی کتابوں میں ڈوبے رہے۔ علوی صاحب کا بیان ہے کہ "مجھے صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن یکسوئی مشغولیت نے محسوس نہ ہونے دیا۔" علوی صاحب نے جن صاحب سے مسودہ صاف کرایا ہے وہ کہتے ہیں کہ "اُن کے انتخاب کی بلندی نے مجھے بہت پریشان کیا کیونکہ وہ سیکڑوں اشعار میں سے صرف ایک شعر منتخب کرتے تھے اور مجھے دُکھ ہوتا تھا۔"

ہندو یونیورسٹی کی لائبریری کے علاوہ مشہور متعدد اداروں اور ذاتی کتب خانوں کے مالکوں کے دروازے بھی کھٹکھٹائے۔

کتابیں بزم والے گلدستوں کے پھولوں کا تناسب اور لطافتِ انتخاب کیا جانیں۔ اس کی صنعت کو اس مالی سے پوچھئے جو ہر پھول کو اپنی نظروں سے سینچتا ہے اور نظروں میں رکھتا ہے۔

علوی صاحب کی پیاس صرف ہندی کی کتابوں سے نہیں بجھی بلکہ مشہور مصنّفوں کی انگریزی کتابوں سے سیراب ہوئے ہیں۔ اور اس طرح اوراق منتشر کی شیرازہ بندی کی ہے۔

لائے وہاں سے یوں دلِ صد پارہ ڈھونڈھ کر
پایا اگر کہیں کوئی ٹکڑا اُٹھا لیا

وقت اور فرصت ہر کام کے لئے فرصت ضروری لیکن تالیف اور تصنیف کے لئے لازمی ہے۔ اس کے اس لزوم کے ساتھ اور بھی لوازم ہیں۔

علوی صاحب مسلم یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے استاد ہیں، وقت کی پابندی کے ساتھ فرائض کی انجام دہی تعلیم کے ساتھ امتحانات کی ذمہ داری اور اس کے تمام جزویات کی نگرانی سے عہدہ برآ ہو کر تالیف اور تصنیف میں انہماک، غیر معمولی ذوق اور ہمت و محنت کا کام ہے۔ ان ستمگاروں سے دامن چھڑا کر دوستوں کو داد وفا دینے اور اُن سے داد وفا لینے کا موقع تلاش کر لینا صرف عشق ہی کی سخت جانی ہو سکتی ہے۔

کچھ اور بھی اُردو کے ساتھ فارسی کا ذوق صحیح اُردو دانی اور اُردو کے ادبیات کے لئے ایسا ہی ہے جیسے لفظ کے لئے معنی۔ کوئی اُردو اس وقت تک بلند نہیں ہو سکتی جب تک اُس میں فارسی ترکیبوں کے آئینے نہ ہوں۔ غالبؔ اور اقبالؔ نے اس کو منوا کر چھوڑا۔ اُردو کی ترکیب اس طرح ہے کہ اس کے اسماء اکثر عربی اور اُردو کے افعال اور مصادر ہندی کے ہوتے ہیں لیکن ترکیبیں فارسی کی ہیں۔ علوی صاحب نے اس کو سمجھا ہے اس لئے فارسی سے دلچسپی اور ہماری سے ذوق ہے۔ اُردو کے ساتھ ان کو محبت ہے۔ اس لئے اُردو کی کامیاب خدمتیں کی ہیں۔ طالبانِ اُردو ان کو عزیز ہیں۔ اُردو اُدارے ان کے ذوق سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اُردو اہلِ قلم اُن کے دوست

ہیں اور وہ خود صاحبانِ ذوق کے نیاز مند ہیں۔ اپنے ہم چشموں میں اُردو کے ساتھ شغف رکھنے کی وجہ سے نمایاں رہتے ہیں۔

تصانیف اُردو چالیس سال کی عمر میں متعدد کتابوں کی ترتیب، تالیف اور تصنیف "حسن حصول" اور "فتح غیب" ہے۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں۔ (۱) گلدستۂ سخن (۲) گنجینۂ نثر (۳) سیاحی کے کرشمے (۴) نامور ہستیاں (۵) عملی قواعد حصہ اول۔ دوئم۔ سوئم (۶) اشک و رشک غالب (۷) تاریخ ادب ہندی (۸) نصائح دو۔

اُردو نگارش اُردو صحیح اور سلیس و رواں لکھتے ہیں اور اس میں ادب کی شیرینی اور چاشنی شامل ہوتی ہے۔ اسی لئے اکثر رسائل و اخبارات مضامین کے طلبگار رہتے ہیں۔ تاریخ ادب ہندی کا انداز بیان اور زبان موضوع کی طلب کے عین مطابق ہے۔

سر تیج بہادر سپرو کے نام انتساب علوی صاحب کی نگاہ انتخاب کا یہ تیر بھی ٹھیک نشانہ پر پڑا ہے کہ انھوں نے اپنا یہ ادبی کارنامہ محسن ادب اُردو نواز سر تیج بہادر سپرو کے نام منتسب یا ڈیڈیکیٹ (Dedicate) کیا ہے۔ اس نام نے کتاب کی خوبیوں کو المضاعف کر دیا۔

سر تیج بہادر کی اس خصوصیت کو علم ادب کی دنیا جانتی ہے کہ وہ ادیب بھی ہیں اور ادب پرور بھی۔ اُردو کے سحر نگار انشا پرداز بھی ہیں اور سرپرست بھی۔ اس کے علاوہ فارسی زبان کے ماہر ہیں اور اُن کی مہارت

مسلّم بھی ہے۔ اس کو دنیا جانتی ہے لیکن اس خصوصیت سے ہماری طرح چند مخصوص افراد واقف ہیں کہ ان کا قلم ایک طرف سحر فشاں اور ان کا دامن دوسری طرف زر پاش رہتا ہے۔

کیا یہ تصنیف ہے

ہم نے تاریخ ادب ہندی کی ترتیب کو تصنیف اور مرتّب کو "مصنّف" کہا ہے باوجودیکہ ہم کو تالیف ترتیب اور تصنیف کا فرق معلوم ہے۔ تالیف نام ہے کسی موضوع خاص کی تحت میں مواد فراہم کرکے کسی خاص صورت میں لانے کا مؤلف کی رائے کے ساتھ۔ ترتیب میں مرتّب کی رائے نہیں ہوتی۔ اور نہ وہ مواد فراہم کرتا ہے بلکہ فراہم شدہ مواد کو مرتّب و مدوّن کردیتا ہے۔ مصنّف مضمون کا موجد اور خلّاق ہوتا ہے۔

"تاریخ ادب ہندی" اگرچہ تالیف ہے لیکن ایسی تالیف ہے کہ اس میں، اکثر اور بیشتر مقامات پر تصنیف کی پوری شان موجود ہے۔ تفصیلی بیان مقدمہ کو طویل کردے گا ورنہ اس کے متعلق بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔

"تصنیف"

ہمارے موضوع مقدمہ کا دوسرا باب یا دوسرا ٹکڑا "تصنیف" یا تاریخ ادب ہندی پر ایک اجمالی بحث ہے۔ تاریخ ادب ہندی کی خصوصیات کی بابت "مصنّف" نے خود جو کچھ کہا ہے اُس کا ذکر زیادہ

مناسب ہے :-

ع - تصنیف را مصنّف نیکو کند بیان

مصنّف نے اپنے دیباچہ میں لکھا ہے کہ :-

۱- ”میرا مقصد اس کتاب کی تالیف سے یہ ہے کہ اُردو داں طبقے کو ہندی ادب کی تعریف اور تدریجی ترقی سے روشناس کیا جائے“۔

بیان مقصد کے بعد کتاب کی خصوصیات کے متعلق لکھتے ہیں کہ :-

۲- ”ہندی ادب کے ادوار قائم کرنے کے بعد ہر دور کی خصوصیت اور تبدیلیوں پر بحث کی گئی ہے“۔

محنت اور کاوش کی نسبت لکھا ہے کہ :-

۳- ”یہ کتاب میری دو سال کی محنت کا نتیجہ ہے“۔

اس مقصد خصوصیت اور محنت و کاوش میں جو چیز پیش کی ہے وہ تاریخ ادب ہندی ہے۔ اس کی تفصیل کیا ہے آیندہ اس کا بیان ہوگا، لیکن اس کے بیان سے پہلے خود ہندی زبان اور ہندی شاعری کو سمجھ لینا چاہیے۔

ہندی زبان

ہندی زبان اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ جب مراد لی جاتی ہے تو برج بھاشا یعنی متھرا کی زبان سمجھی جاتی ہے۔ جس طرح اُردو سے ”اُردوئے معلّیٰ“ مراد لیتے ہیں گویا برج بھاشا ہندی کی اُردوئے معلّیٰ یا دہلی اور لکھنؤ کی ٹکسالی زبان ہے۔

ہندی زبان ملک کے مختلف حصّوں میں بولی جاتی ہے جیسا کہ

"تاریخ زبان ہندی" کے مصنف نے لکھا ہے لیکن قابل سند برج بھاشا ہی ہے۔ ہندی بھی پراکرت سے نکلی اور پراکرت سنسکرت سے (ملاحظہ ہو نقشہ صفحہ ۳، تاریخ ادب ہندی)۔

ہندی زبان کی خصوصیات

ہندی زبان کی سب سے ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ طبقۂ عام طبقۂ خاص کی ایک زبان ہے، لکھنے والوں نے اسی میں گلکاریاں کی ہیں۔ رئیس المتغزلین سورداس کی غزلوں کی یہی زبان ہے بعض جگہ جو سنسکرت کے ثقیل الفاظ آ گئے ہیں وہ بالقصد کسی خاص اہتمام اور خاص ضرورت کی تحت میں لائے گئے ہیں۔

اس زبان کی دوسری خصوصیتوں میں، اس کی سادگی، شیرینی، بے ساختگی اور جذبات فطرت کی صحیح ترجمانی ہے۔

کھڑی بولی

ہر زبان کی سب سے بڑی خوبی الفاظ کا تناسب ہے۔ مثلاً ایک مرکب ہے "ست بچن" اگر اس کی جگہ راست بچن یا "سُست گو" کہیں تو تناسب باقی نہیں رہتا، "کھڑی بولی" نے اس تناسب کو برباد کر دیا ہے، تاریخ ادب ہندی صفحہ ۱۲۰ میں بچن شاعر نے لکھا ہے:-

ع "بادل بن بن آئے ساقی"

ایک لفظ ساقی نے پورے مصرعہ کو اردو ترکیب میں ڈھال دیا ہے، حالانکہ ساقی کے لئے "مدھ مالا" کا لفظ موجود ہے۔ اس کے علاوہ "بادل" کی جگہ "بدرا" "بدروا" اور "بادر" برج بھاشا (ہندی) کے الفاظ سورداس نے

اور ان کے متبعین نے استعمال کیئے ہیں۔ اُردو میں بھی آتش لگانا۔ آگ لگانے کی جگہ اور "آگ زنی"۔ "آتش زنی" کی جگہ غیر متناسب ترکیبیں اور الفاظ ہیں۔

ہندی شاعری

ہندی شاعری میں تمام اصناف ہیں لیکن سب سے زیادہ قابل ذکر صنف غزل ہے مصنف "تاریخ ادب ہندی" نے زیادہ تر نظموں اور دوہوں کے نمونے دئیے ہیں۔ دوہے فارسی اور اُردو کی رباعیوں کی طرح اخلاقیات کے حامل ہوتے ہیں، دوسرے مضامین بھی پائے جاتے ہیں لیکن کم، مصنف نے انتخاب میں وہ اشعار زیادہ پیش نظر رکھے ہیں جن میں اخلاقیات۔ زبان و محاورات کی خصوصیات، حُسن و عشق کے معاملات سے زیادہ ہیں مصنف کی نظر انتخاب ضرورت کے لحاظ سے قابل پسند بھی ہے اور قابل داد بھی۔

ہندی غزلیں

ہندی غزلوں کو جو پائیں اثر و تاثیر کی حاصل ہیں وہ دنیا کی کسی غزل کی زبان کو حاصل نہیں۔ مثلاً ہر ہندی غزل مضمون کے اعتبار سے جن جذبات یا دل کی کیفیت سے متاثر ہوتی ہے اس کو "بھاؤ" کہتے ہیں "بھاؤ" کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ "استھائی" یعنی دائمی۔ ۲۔ "وگہ چارن" یعنی عارضی۔ عارضی کی نو قسمیں ہیں۔ اسی طرح دائمی کی قسمیں سمجھنی چاہئے۔ "بھاؤ" کا حاصل رس ہوتا ہے اس کے معنی مزے اور کیفیت کے ہیں۔ اس کی بھی حسب ذیل نو قسمیں ہیں:۔

۱۔ سرنگار (عشق)۔ ۲۔ کرونا (نرم دلی) ۳۔ ویر (ہمت)

۴۔ہاسیہ (حسرت) ۵۔راودر (غصّہ) ۶۔بھیانک (خوف) ۷۔وبھتس (نفرت) ۸۔ادبھوت (تعجب) ۹۔شانت (سکون) اور تمام جذبات انھیں کے تحت میں ہیں۔

عشق یا لطافت جذبات

ہندی غزل کا دل میں اُتر جانے والا مضمون عشق یا بنیاد غزل

صنف نازک کا عاشق ہونا اور مرد کا معشوق ہونا ہے یعنی مغرور اور خوددار حُسن، عشق، مجبور و عاجز کے قدموں پر جُھک جاتا ہے، کیوں اس لئے کہ:۔

ہندو شوہر اپنی بیوی کا دیوتا، دونوں جہان کا حاصل ہے۔ اُس کا عشق، ایمان اور فرماں برداری عبادت ہے، اس خصوصیت نے اُس کی غزل کا معیار بلند کر دیا ہے۔ عورت کا گھر "میکا یا نیہر" اس کا نہیں بلکہ ماں باپ کا گھر ہے، شوہر کا گھر اُس کا گھر ہی نہیں بلکہ اس کی جبین نیاز کے لئے آستانِ حرم ہے۔

اظہار جذبات عشق کے لئے عورت کی میٹھی زبان، حیا کے ساتھ محبت کی بیخودی، ساز حسن و عشق کا چھیڑا ہوا تار خاموش و لرزاں ہے۔ حسن کی بہار پر عشق کا شوخ رنگ ہندی شاعری کا ایسا دلفریب باغ ہے جس کے پھولوں کی مہک روح کو وجد میں لاتی ہے۔

راگ راگنی اور دوسری چیزیں

ہندی غزل کے لئے وقت اور موسم کی تقسیم دنیائے غزل میں ایک انوکھی بات، شباب آور اور کیف آفریں سامان ہے۔ اس کا پپیہا

اور کوئل بلبل سے زیادہ ترجمان عشق، اس کے تفاول کا کوا "غراب البین" جُدائی کے کوّے سے زیادہ یاکار، ہندوستان کی فضا گنگا اور جمنا کا پانی، کنویں، تالاب اور گھاٹ اپنے اندر تغزل کے خزانے رکھتے ہیں۔ اس کا برہمن عشق و عاشقی کا ممد و معاون ہے۔ واعظ اور شیخ صرف آلۂ تمسخر و مذاق ہے، رقیب کے مقابلہ میں ہندی غزل کی "سوت" نمایاں فرق رکھتی ہے۔

ہمنشیں اور ہمصفیر کے موازنے میں سکھی، آلی، اور گوئیاں کا پلہ بھاری ہے۔ "دیور" شوہر کا چھوٹا بھائی زخم عشق کے لیئے چھیڑ ہے اور "نند" شوہر کی بہن مرہم ہے لیکن نمک سے بھرا ہوا۔ کہاں تک تفصیل بیان کی جائے۔

تصوّف اس کی دو شاخیں ہیں۔ ایک گروہ شری کرشن جی کا بھگت ہے اور دوسرا شری رام چندر جی کا پرستار۔ کرشن جی کی پیدائش، پرورش، متھرا کا قیام، گوالوں کے ساتھ گایوں کا چرانا، جنگلوں اور چراگاہوں میں پھرنا یا بنسری بجانا، سانولی صورت کا دلکش اور مرجع خلائق ہونا پھر اس کے متعلقات، ایک کبڑی عورت کی طرف ان کی توجہ کا مبذول ہونا اور کبڑی کا محسود ہونا، عشق اور تصوّف کے سرمائے اور شری کرشن کی تعلیم دین اور ایمان سب کچھ ہے۔

جو لوگ رام چندر جی کے پرستار ہیں وہ ان کے تمام خصوصیات عادات۔ حالات کو معجزہ سمجھتے ہیں، ان کے حالات کے ایک ایک جزو اور ان اجزاء کو شیرازہ بند حیات ایمانی جانتے ہیں۔

اس سلسلے میں دنیا کی بے ثباتی اور دوسرے اخلاقی لوازم کا بیان تصوف کی شاعری کے اسباق ہیں۔ کرشن جی کے بھگت سورداس نے سور ساگر میں اور رام چندر کے پرستار تلسی داس نے رامائن میں جو کچھ لکھا ہے، تصوف، حسن و عشق اور اخلاق کے بلند مقامات ہیں، ان دونوں گروہوں کے پیرو اپنے پیش روؤں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

"تاریخ ادب ہندی" کی تفصیل کے یہ مبادیات ہیں، خود کتاب میں کیا ہے؟ ہماری رائے کے مطابق یہ ہے۔

تاریخ ادب ہندی

تاریخ ادب ہندی کا مقصد اردو کی دنیا کو ہندی زبان کی تاریخ، ادب اور اس کی شاعری سے روشناس کرنا ہے، اس میں شبہہ نہیں کہ علوی صاحب نے اپنا فرض ادا کیا اور خوش اسلوبی اور محنت سے ادا کیا لیکن ادائیگی فرض میں کچھ ندرتیں بھی پیش کی ہیں۔

عام تالیف اور اس کتاب کا فرق

عام طور پر تالیفوں اور کورس کے لئے انتخابات کا یہ عالم ہے کہ مؤلفوں اور انتخاب کرنے والوں کے سامنے سابق انتخابات اور تالیفیں موجود ہوتی ہیں، ان سے وہی چیزیں لیتے ہیں اور صرف ترتیب بدل کر اپنے نام اور اپنی محنت سے منسوب کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ نہ کچھ کرنا چاہتے ہیں اور نہ اس کا سلیقہ رکھتے ہیں، مثلاً مضامین نثر میں سرسید،

نذیر احمد یا اور چند متعارف اور معروف افراد کے نام بار بار لیے جاتے ہیں۔ نظم میں حالی۔ اسمٰعیل، غالب، میر، اقبال ہر جگہ آتے رہتے ہیں اس پر حد بندی یہ کہ وہی عنوانات، وہی مضامین، وہی نظمیں اور وہی غزلیں۔ اور وہی سب کچھ۔ ان لوگوں کے خیال اور علم میں انھیں شعرا اور ارباب نثر کے دوسرے مضامین اور نظم و غزل قابلِ ذکر نہیں ہوتے اور نہ دوسرے شعرا اور اصحاب علم لائق اعتبار۔

اس کا سبب محنت اور ذوق کی کمی ہے، انتخاب کرنے والے زیادہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو نہ ذوق ادب ہوتا ہے اور نہ شعور علم۔

جو لوگ ان کتابوں کو چھپوا کر مقصد تجارت پورا کرتے ہیں اُن سے زیادہ موردِ الزام وہ ہیں جو اِن کو منظور اور قبول کرتے ہیں، اس عمل نے ادب کے صحیح ذوق کو برباد کر کے صرف تجارت کو فروغ دینے کا تہیا کر لیا ہے۔ "تاریخ ادب ہندی" اپنی نوعیت کی اُردو میں پہلی کتاب ہے، اس لیے یہ سوال خود بخود ساقط ہو جاتا ہے کہ مصنف کو اس قسم کی کسی آسانی سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ مصنف نے تاریخ ادب ہندی میں جو کچھ کیا ہے اُن کی ذاتی رائے، ذاتی کاوش اور ذاتی محنت ہے اور یہ کُل چیزیں تحت میں ہیں مصنف کے ذوق سلیم کے۔ ہم نے تاریخ ادب ہندی کو جن بنیادوں پر تصنیف کیا ہے اُن میں ایک یہ بھی ہے۔

یہ کتاب "تاریخ ادب ہندی" مشتمل ہے ایک دیباچہ، دو نقشوں اور سات عنوانوں یا ابواب پر، اس کی تفصیل یہ ہے۔

دیباچہ و نقشے دیباچہ میں مصنّف نے کتاب کے متعلق جو کچھ کہا ہے، اس کا مختصر بیان ہے، اس بیان میں نہ تو خاکساری نما تعلّی ہے اور نہ کتاب کو اہم بنانے اور بتانے کا اہتمام لایعنی، زبان میں سادگی، بیان میں سلاست ہے، اظہار اور طرز ادا میں وہی باتیں ہیں جو بالکل ضروری ہیں۔

دونوں نقشوں میں ایک نقشہ شروع میں لسانی نقشہ سنہ ۱۹۰۰ء کے نام سے درج ہے اس میں پراکرت سے نکلی ہوئی تمام السنہ ملک کا ذکر ہے، بیک نظر پورا موضوع سمجھ میں آجاتا ہے۔

دوسرا نقشہ اسی عنوان کے تحت میں سنہ ۱۹۳۱ء تک کا آخر میں ہے، دونوں نقشوں کے دیکھنے سے ۳۲ سال کی تاریخ اور لسانی عروج و زوال معلوم ہوتا ہے۔

اس کے بعد مضامین اور عنوانوں کی ترتیب حسب ذیل ہے:۔

زبان اور اس کی ابتداء مصنّف نے اس باب میں اس سے ابتدا کی ہے:۔

"محققین لسان اس پر متفق ہیں کہ تمام زبانوں کا مبدا، وسط ایشیا کا وہ پہلا خطہ ہے جو یورپ کی سرحد پر واقع ہے"۔ عربی، فارسی اور انگریزی کے مورخین اور ماہر لسانیات کا بیان اس سے ملتا ہوا ہے، تاریخ یہود اور سامی زبانوں کے محققین ایک حد تک اس کے ہم آہنگ ہیں۔

جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ دنیا کی سب سے قدیم زبان عبرانی

ہے وہ بھی اور جو عربی اور سُریانی کو بتاتے ہیں وہ بھی اس رائے سے اختلاف نہیں کرتے ہیں کہ زبان قدیم کا مولد ایشیا ہے۔

اس باب میں مصنّف نے یہ بھی بتایا ہے کہ زبانیں قوم اور ملک کے اثرات سے بدلیں اس لئے ان کے نام بھی بدلے۔ اس عنوان کے تحت میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہندوستان کے پہلے فاتح ایرین جو ہند میں آکر انڈو ایرین کہلائے، ہند کی تاریخ کا سراغ اسی قوم سے ملتا ہے، اس کی زبان سنسکرت تھی، سنسکرت سے پراکرت اور پراکرت سے متعدد زبانیں پیدا ہوئیں، اس کو سمجھنے کے لئے مصنّف نے صفحہ ۳ پر زبان کا شجرہ بھی دے دیا ہے۔

ہندوستان اور اس کی زبانیں اس باب میں بھی محنت اور سلیقہ سے مفید اور منتشر معلومات یکجا کی گئی ہیں جو ترتیب کی خوش سلیقگی کی وجہ سے ازبس مفید اور دلچسپی کی چیزیں بن گئی ہیں۔

اس باب میں زبانوں کے تاثر اور تاثیر، تغیر و تبدّل کے اسباب تاریخ اور اس کا فلسفہ بیان کیا ہے۔ ہندوستان کے مختلف جہتوں اور متعدد حصّوں میں جو زبانیں پیدا ہوئیں ان کی تحقیق کی ہے، ماخذ اور منبع بتایا ہے۔ ان زبانوں میں پچھمی اور پوربی ہندی، برج بھاشا اور پالی زبانیں قابل توجہ ہیں۔

برج بھاشا سور داس کی غزلوں اور تلسی داس کی رامائن کی زبان

ہونے کی وجہ سے پوربی اور پچھمی ہندی وسعت اثر کے اعتبار سے اور
پالی بُدھ مذہب کی مذہبی زبان ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔ پالی
زبان کے متعلق صفحہ ۵ پر ہے کہ :۔

"دوبرہمنوں نے مہاتما بُدھ سے سوال کیا کہ مذہبی تبلیغ
سنسکرت میں کیوں نہ کی جائے اس پر مہاتما بُدھ نے کہا کہ پالی
کے سوا کسی زبان میں تبلیغ کرنے والا داخل جہنّم ہوگا۔"

اس باب میں اُردو، ریختہ، ہندوستانی کا ذکر اور ان کے نمونے
نظم اور نثر دونوں میں موجود ہیں اور "کھڑی بولی" کی تخلیق اور تولید اور
اس کے گھر کا پتہ بھی بتایا ہے۔

صفحہ ۲۱ پر ویدبھاشا کا شجرہ دیا ہے اور صفحہ ۲۲ پر تمام حصص
ملک میں جو زبانیں بولی جاتی ہیں اور ان میں جو ادنیٰ تغیر ہے اُس کا
نمونہ دے کر اپنی تحقیق و دلیل کو مبرہن کیا ہے۔

ہندی ادب کا سرسری جائزہ

یہ بھی ایک دلچسپ اور
پُراز معلومات باب ہے۔
اگرچہ صرف چار صفحوں پر تمام ہوگیا ہے، لیکن اس کوزے میں دریا
سمونے کی مناسب کوشش کی ہے۔ مثلاً مسلمان بادشاہوں کے
حملوں اور ہندوستان میں حکومت کا بیان ہے اور یہ بھی دکھایا ہے
کہ مسلمانوں سے پہلے زبان اور ادب ہندی کا کیا رنگ تھا، مسلمان
بادشاہوں کی حکومت اور مسلمانوں کے تمدّن نے زبان پر کیا اثر ڈالا،

اور مسلمانوں نے ہندی ادب کی کس حد تک سرپرستی کی، عام مسلمانوں کا رجحان اس کی طرف کس قدر تھا؟ اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ انگریزی حکومت کا اثر ہندی پر کہاں تک ہوا، اور اس کے کیا اسباب تھے۔ ان معلومات کے حاصل کرنے میں سنہ ۱۱۷۵ء سے انیسویں صدی تک کا جائزہ لیا ہے، اس میں مختلف مذہبی فرقوں اور ان کی زبان اور ادب کا بھی ذکر آ گیا ہے۔

ہندی ادب کے ادوار

ہندی تذکرہ نویسوں کی تقسیم کے مطابق "تاریخ ادب ہندی" کے مصنّف نے بھی چار دَور قائم کیے ہیں:—

۱۔ پہلا دَور ویرگاتھا کال از سنہ ۹۹۴ء تا سنہ ۱۳۱۹ء
۲۔ دوسرا دَور بھگتی کال از سنہ ۱۳۱۹ء تا سنہ ۱۶۴۴ء
۳۔ تیسرا دَور ریت کال از سنہ ۱۶۴۴ء تا سنہ ۱۸۴۴ء
۴۔ چوتھا دَور گدیہ کال از سنہ ۱۸۴۴ء تا حال

یہ اجمال ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مصنّف نے ہر دور کا حال تقسیم کے مطابق اس طرح بیان کیا ہے کہ تمام جزئیات دَور بھی اس میں آ گئے ہیں اور ادب اور زبان کی کل چیزیں متعلقہ دَور مذکور آ گئی ہیں۔ بیان اس قدر سُلجھا ہوا ہے کہ لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے "مُساوات" کا لطف رکھتا ہے۔

ہر دَور کا علیحدہ علیحدہ اجمالی بیان اس طرح ہو سکتا ہے:—

پہلا دور ویرگا تھا کال یا آدکال

بقول مصنف "یہ دور بہادروں کی تاریخ کا ہے"

اس کا سبب یہ ہے کہ "ہندوستان بیرونی حملوں کا لیے در پے شکار ہو رہا تھا" (صفحہ ۲۸)۔ اس سے کسی کو انکار نہیں کہ شاعری زبان ملک وفضا ہوتی ہے یا یوں سمجھیے کہ شاعری زبان ہے اور ملک و قوم دل، دل میں درد ہو یا مسرت زبان پر بے ساختہ آجاتی ہے۔ ملک چونکہ میدانِ جنگ بن گیا تھا اس لئے شاعری اس کا نقیب بھی مصنف نے لکھا ہے کہ "اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ ہندی شاعری کی پرورش میدان جنگ میں ہوئی اور اس لئے اس زمانے کے شعراء کا کلام شجاعت اور بہادری کے جذبات و مضامین سے لبریز ہے" (صفحہ ۲۹) شجاعت اور بہادری کے کارنامہ ہائے خونریزی کا اُس وقت تک رنگ شوخ نہیں ہوتا جب تک اُس میں حسن و عشق کی شوخی اور حجاب نہ ہو مصنف نے لکھا ہے کہ "اس لئے کہیں کہیں شعراء کے کلام میں عشقیہ خیالات کی جھلک بھی پائی جاتی ہے" (صفحہ ۳۰)۔ اس دور میں اکثر لڑائیاں عورتوں کی وجہ سے ہوئی ہیں۔ اس دور کی جنگی نظمیں منظوں اور گیتوں میں پائی جاتی ہیں۔ حسب تحقیق مصنف اس دور کے مسلمان شاعروں میں مسعود قطب علی اکرم، فیض بھی مشہور ہیں لیکن اس دور کا سب سے مشہور شاعر چند بر دائی اور اس کا ادبی کارنامہ "پرتھی راج راسا" نظم میں اور ۶۹ جلدوں میں ہے مصنف نے صفحات چالیس۔ اکتالیس و بیالیس

ایک فہرست دے دی ہے جس میں اس دور کے مشہور شعراء بقید نام و سنہ یکجا ہو گئے ہیں۔ اس فہرست سے ان شعراء کے خصوصیات اور تصنیفات کا بھی حال معلوم ہو جاتا ہے۔

اس دور کی ہندی شاعری فارسی اور عربی کے الفاظ سے اچھی طرح متاثر معلوم ہوتی ہے کیونکہ مسلمانوں کے قدم ہندوستان میں آ چکے تھے اور ان کے اثرات پھیل چکے تھے۔

سری دھر نے اپنے منظوم جنگ نامے میں ذیل کے الفاظ بے تکلف استعمال کئے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اس مدح کا ممدوح بھی مسلمان مرتضیٰ خاں نام کا ہے :- روج = روز، دیوان کھاس = دیوان خاص۔ مرتجا کھاں = مرتضیٰ خاں - پھرمایو = فرمایو (صفحہ ۴۶)۔

دوسرا دور بھگتی کال اس دور میں شاعری پر فلسفہ۔ مذہب اور تصوف کا اثر غالب نظر آتا ہے۔ بکثرت مذہب اور مسلک پیدا ہو گئے تھے۔ گرو نانک اور کبیر نے اپنے اپنے عقائد کے مطابق نیا مذہب جاری کیا۔ ان دونوں اور اکثر دوسرے مذاہب میں کسی حد تک توحید مشترک نظر آتی ہے۔

شاعری کے اعتبار سے میرابائی۔ کبیر داس۔ ملک محمد جائسی اور سور داس بڑے ممتاز اور مشہور شعرا گذرے ہیں۔ تلسی داس اور ان کی معروف عام و خاص کتاب رامائن اسی دور کی پیداوار ہے۔ مصنف نے اس عہد کی عام خصوصیات میں اس دور کا خلاصہ پیش کیا ہے جو

از بس مفید و کار آمد ہے۔

تیسرا دور ریت کال

اس دور میں امن و امان کے آغوش اور حکمرانوں کی سرپرستی میں ادب ہندی اور شاعری نے بہت ترقی کی۔ اکبر۔ شاہجہاں۔ عالمگیر نے اپنے اپنے عہد میں دلسوزی کے ساتھ اس کی سرپرستی کی۔ اکبر کے درباری امیر عبدالرحیم خانخاناں نے ہندی شاعری کی نہ صرف سرپرستی کی بلکہ اس زبان میں وہ اپنے عہد کے "جگت گرو یا جہان استاد" شاعر مانا گیا ہے۔ ہندی زبان اردو و فارسی سے کافی متاثر ہوئی۔ عربی کے ضروری اور بلند معانی الفاظ نے بھی اس کے سنوارنے میں شرکت کی۔ فارسی کے خیالات اور تشبیہات و استعارات نے زبان کو بلند تر اور لذت آفریں بنا دیا۔

اس دور میں مصنف نے شاعروں اور ان کی شاعری کے بیان کے متعدد نمونے دے کر اہل ذوق کی تلاش و جستجو کو مطمئن کر دیا ہے۔ اس دور میں ہندی نثر قابل توجہ بن کر سامنے آئی۔

چوتھا دور گدیہ کال

چوتھے دور میں ہندی ادب یعنی نظم و نثر دونوں اچھی طرح بار آور ہوئیں مغربی زبانوں بالخصوص انگریزی لٹریچر نے اس زبان کو بخوبی متاثر کیا۔ فورٹ ولیم کالج نے اس زبان بالخصوص نثر کی بنیاد مستحکم کی۔ راجہ شیو پرشاد نے اس کو اسکولوں تک پہنچا دیا۔ چند دنوں کے اندر یہ زبان ہر قسم کے ادبیات کا خزانہ بن گئی۔ اس کے بعد علوم و فنون کے

ترجمہ اس زبان میں ہونے لگے۔ ملک کے مختلف حصّوں میں اس کے
ادارے قائم ہو گئے اور ان اداروں نے سب کچھ کیا اور کر رہے ہیں
جو زبان کی ترقی اور ترویج کے لئے ضروری ہے۔ جس کی وجہ سے
بڑے بڑے اہل قلم پیدا ہو گئے۔

اس جگہ یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندی کی وہ خوبی اور شیرینی جو
اس زبان کی خصوصیت تھی اس میں بہت کمی آگئی۔ نئی نئی اور بے جوڑ ترکیبوں
نے اس کی فطرت اصلی کو بدل دیا۔ سادگی میں بناوٹ آگئی اور بے ساختگی
میں رکاوٹ۔ ملک کے ادیبوں کا فرض ہے کہ اس چیز کو سمجھیں کہ کوئی
زبان اپنے کو کھو کر اگر بہت کچھ پاتی ہے تو کچھ نہیں پاتی۔

جدید ہندی کی موجودہ روش

مصنّف نے ہندی کی موجودہ روش کو
ناپسند کرتے ہوئے اپنے جن جذبات
کا اظہار کیا ہے اس کے متعلق ہم کو بھی اصولی طور پر کچھ کہنا ہے۔

علم الالسنہ کے ماہرین کا خیال ہے کہ ہر زبان کو یہ حق ہے کہ بقدر
ضرورت دوسری زبانوں پر قبضہ کر لے لیکن اس کے لئے کسی طرح جائز
نہیں کہ کسی زبان کا مقاطعہ (بائیکاٹ) کر دے۔ دنیا میں جتنی زبانیں
برسرکار ہیں وہ عملاً دوسری زبانوں سے نہ صرف متاثر ہیں بلکہ مالا مال ہیں
اور یہی اس کی وسعت اور ہمہ گیری کا حسن قبول اور کامیابی ہے۔ یورپ
کی زبانیں باہم ایک دوسرے سے لین دین کرتی ہیں اور یہ سودا نہ گراں
سمجھا جاتا ہے اور نہ متاعِ زیاں" انگریزی میں کثرت سے فرانسیسی۔

لاطینی ۔ جرمنی ۔ اطالوی ۔ یونانی زبانوں کے الفاظ شامل ہیں لیکن انگریز ان سے کراہیت نہیں کرتے بلکہ ادبیات میں اکثر یہ دخیل الفاظ اصل زبان سے زیادہ فصیح اور بلیغ بن جاتے ہیں ۔

عربی اور فارسی

عربی زبان جو بعض محققین کے نزدیک قدیم ترین زبان ہے، عبرانی، سُریانی، فینیقی، حبشی اور دوسری زبانوں سے مالامال ہے اور اس کی فصاحت و بلاغت میں فرق نہیں آتا۔

فارسی بھی اور زبانوں کی طرح مستقل زبان ہے ۔ لیکن عربوں اور عربی کے میل جول سے فارسی زبان نصف عربی معلوم ہوتی ہے ۔ اساتذہ فارسی ۔ سعدی ۔ حافظ ۔ جامی وغیرہم کا کلام اس کی شہادت ہے ۔

ایرانیوں نے اس میں یہاں تک اہتمام کیا کہ جو الفاظ ان کی زبان میں پہلے سے موجود تھے ان کی جگہ عربی الفاظ لائے اور ان کو فصیح بھی سمجھا اور بلیغ بھی ۔ جن کی چند مثالیں یہ ہیں:—

فارسی	عربی
خامہ	قلم
واژہ	لفظ
نامہ	مکتوب
سوگند	قسم
نبی	قرآن
چم	معنی
وخشور	نبی

ہندوستانی یا اُردو

اُردو کی زندگی ترکیب سے قائم ہے۔ اہل زبان نے جب اس کو وسیع کرنا چاہا تو عربی۔ فارسی۔ ہندی کے پُر معنی الفاظ اس میں شامل کیئے۔ یہ الفاظ زبان زد ہوتے ہوتے طبقۂ خاص سے گذر کر عوام کی ملکیت ہو گئے۔ مثلاً:—

صبر۔ دل۔ جان۔ محبت۔ عشق۔ تقدیر۔ قسمت۔ ایمان وغیرہ۔ ان الفاظ کو ہندو اور مسلمان دونوں سمجھتے ہیں۔ اگر ان الفاظ کو خارج کر دیا جائے تو زبان کا اشتراک مجروح ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ عربی اور فارسی کے ایسے مرکب اور مفرد الفاظ بھی ہیں جن کا اخراج محل اور موقع کو ساقط کر دیتا ہے۔ مثلاً جانباز۔ دلچسپ۔ ایماندار وغیرہ مرکب الفاظ اور جان۔ دل۔ ایمان۔ مفرد الفاظ۔

اس کے علاوہ بعض الفاظ ایسے ہیں جو بظاہر ہم معنی ہیں لیکن ان میں معنوی فرق موجود ہے۔ مثلاً صبر۔ سکون۔ تسلی۔ تشفی۔ تسکین۔ دلدہی۔ اگر ان کی جگہ کوئی لفظ سنسکرت کا لایا جائے تو مفہوم غلط ہو جائے۔ بعض الفاظ ایسے بھی ہیں کہ اُن کا قائم مقام مشکل ہے۔ مثلاً حسن۔ صبح وعلیٰ ہذا القیاس۔ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کے قائم مقام الفاظ ذم کے پہلو رکھتے ہیں۔ مثلاً منتخب اور چیدہ کی جگہ ”چھینٹا“ کا لفظ حالانکہ چھینٹا صفت ہے بدمعاش کی۔

اسی طرح لڑاکا جہاز ”جہاز لڑاکا“ نہیں ہوتا بلکہ بعض کھٹیاریاں

ہوتی ہیں۔ انتخاب کا ترجمہ "چناؤ" بالکل غلط ہے۔ چناؤ اینٹوں کا ہوتا ہے یا کپڑے کا۔

مدعی کا ترجمہ جھگڑو اور مقدمہ کا جھگڑا سراسر غلط ہے۔ ان دونوں لفظوں میں جھگڑے کے مفہوم کا شائبہ بھی نہیں۔ ضمنی سوال کا ترجمہ مدھم سوال کیسا مضحکہ خیز ہے۔ سوال عربی ہے مگر بدستور ہے۔ بعض ارباب قلم نے عام الفاظ میں بھی تصرف کر دیا ہے۔ مثلاً ٹکر کی جگہ ٹکراؤ نیا لفظ ہے اور بے محل نہ اردو ہے نہ ہندی۔ اگر اسی کا نام ہندوستانی ہے اور اسی کو اردو کی جگہ رائج کرنا چاہتے ہیں تو افسوس ہے زبان کا اور حیرت ہے ذوق زبان پر۔

ایک حسرت ناک پہلو

اس تخریب قدیم اور تعمیر جدید سے نہ صرف اردو زبان کی تباہی ہے بلکہ ہندی کی مٹی بھی پلید ہو رہی ہے۔ ان دونوں زبانوں سے ہندو اور مسلمان دونوں کو مشترک ہمدردی کی ضرورت ہے۔ ہندی اور اردو دونوں زبانیں ہندو اور مسلمان دونوں کی ہیں۔ مصنف نے صفحہ ۲۴۱ پر تخریب الفاظ کی فہرست دی ہے۔ اس کو دیکھ کر ذوق تعمیر پر تعجب ہوتا ہے اس سے زیادہ تکلیف کی چیز صفحہ ۲۴۲ کے الفاظ ہیں یعنی کیفیت۔ علم اور نام کا بھی ترجمہ کر ڈالا گیا ہے۔ انتہا ہو گئی۔

یہ مختصر گفتگو صرف الفاظ کے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ ترکیب۔ محاورہ۔ زبان۔ اصطلاح وغیرہ کی بحث ایک مستقل موضوع کی خواہاں ہے۔

انتخاب اشعار

مصنّف نے "تاریخ ادب ہندی" میں ہندی کے جو منتخب اشعار بطور نمونہ پیش کئے ہیں اُن پر بھی نظر کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔

(۱)

سائیں اپنے چیت کی بھول نہ کہئے کوئے
جب لگ من میں راکھئے جب لگ کارج ہوئے

پہلے دور کے شاعر گردھر کا شعر ہے۔ شاعر رازِ دل چھپانے کی ترغیب دیتا ہوا کہتا ہے کہ:۔

اپنے دل کی بات کسی سے اس وقت تک نہ کہنا چاہئے جب تک وہ بات عمل کی صورت اختیار نہ کر لے۔ یا جب تک کام نہ ہو جائے۔ فارسی اور عربی میں بھی اس موضوع پر بکثرت مقولے موجود ہیں۔ گلستانِ سعدی میں اُس کا نتیجۂ بد اِس طرح بتایا گیا ہے کہ "یکے نقصانِ مایہ ودیگر شماتت ہمسایہ"۔

مصنّف نے اس قسم کے اشعار منتخب کر کے اخلاقِ بلند کی تعلیم دی ہے۔

(۲)

گُن گوبند گایو نہیں جنم اکارت کین
نانک کھیج رے ہر بھجو جہ بدھ جل کو مین

"تم نے گوبند کا گن نہیں گایا (تعریف اور مدح نہیں کی) تو گویا ساری زندگی برباد کر دی۔ اے نانک ہر کو دل سے اس طرح یاد کر جیسے پانی سے باہر مچھلی پانی کو یاد کر کے تڑپتی ہے"۔

دوسرے دور کا شعر ہے۔ نانک سکھ مذہب کے بانی نے کہا ہے۔ تصوّف کا مضمون ہے۔ طرز ادا دلنشین اور تشبیہہ بہت پیاری ہے۔

(۳)

جھار اچھارت سیس پہ کہو رحیم کہہ کاج
جہ رج مُن نینی تری ترکھوجت گج راج

تیسرے دور کا شعر ہے۔ عبدالرحیم خانخاناں اس کے شاعر ہیں۔ مضمون کی بلندی اور تلاش نے شعر کو مرتبہ کمال پہ پہنچا دیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ :۔

اے رحیم یہ بتاؤ کہ ہاتھی اپنے سر پہ خاک کیوں اُڑاتا ہے۔ خود ہی جواب دیتا ہے کہ ہاں معلوم ہو گیا۔ ہاتھی پائے معشوق کی خاک تلاش کرتا ہے۔

(۴)

مسلمان اور ہندو ہیں دو ایک مگر ان کا پیالا
ایک مگر ان کا مدرالیہ ایک مگر ان کی بالا

چوتھے دور کے شاعر بچّن کا شعر ہے۔ غزل کی قسم خمریات میں ہے۔ سیاست اور قومیت کا رنگ جھلک رہا ہے لیکن زبان کے

اعتبار سے اگلے ادوار کی بات کہاں ۔ شاعر کہتا ہے کہ :۔

مسلمان اور ہندو دو مختلف مذہب ہیں لیکن مشرب قومیت
میکدہ اور ساقی دونوں کا ایک ہے ۔

مصنف اور ہم

مصنف نے جب ترکیب کتاب کی تکمیل کر لی اور ہم کو اس کی خبر ہوئی تو اپنے ذوق ہندی کے تقاضہ پر اس کا مقدمہ لکھنے کی ہم نے خود خواہش کی چنانچہ باوجود کثرت افکار ہم نے اس کے لئے فرصت تلاش کر کے جو کچھ لکھا اور جو کچھ کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہے ۔ ہم کو افسوس ہے کہ اکثر مسائل ادب و زبان تشنہ رہ گئے ۔ اس کا سبب محدود مقدمہ کی عدم وسعت ہے ورنہ شوق یہی کہتا رہا :۔

ع "شب بسر رفت و نگر قصۂ زلفش باقیست"

علی گڈھ
۳۰ مارچ سنہ ۱۹۴۲ء

کیفی چریا کوٹی
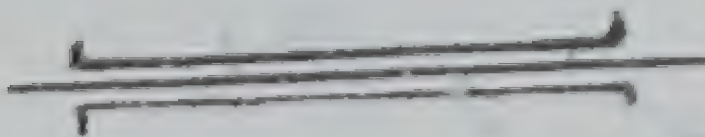
تقریظ

از فاضل گرامی عالیجناب مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایم۔ اے و فاضل دیوبند مدیر "برہان" دہلی

اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کے اتحاد اور اتفاق کی کوئی تحریک خاطر خواہ طور پر اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ دونوں قومیں ایک دوسرے کی معاشرت۔ آداب زندگی اور زبان ادب سے واقف نہ ہوں اور انسانیت و اخوت وطنی کے احساس کی بنیاد پر دونوں ایک دوسرے کے کلچر کا احترام کرنا نہ سیکھیں۔ اس بناء پر یہ نہایت ضروری ہے کہ اُردو داں طبقہ ہندی زبان و ادب سے واقفیت حاصل کرے اور ہندی بولنے والے اُردو ادبیات سے شناسا ہوں، اس اہم سیاسی اور معاشرتی ضرورت سے قطع نظر ہندی شاعری میں یوں بھی ایک خاص قسم کی شیرینی اور لوچ پایا جاتا ہے۔ اگر اُردو زبان کے ادباء اور شعراء ہندی زبان کے محاورات، کہاوتوں اور تشبیہات

واستعارات سے واقف ہو کر آسان اور عام فہم ہندی الفاظ استعمال کرنے کے خوگر ہو جائیں تو میرا خیال ہے کہ اس طرح وہ اپنی ادبی عبارتوں میں زیادہ جاذبیت اور کشش پیدا کر سکتے ہیں۔ بہر حال اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اردو داں طبقہ ہندی ادب سے واقف ہو۔

جہاں تک مجھ کو معلوم ہے ہندی شاعری سے تعارف کرانے کے لئے اردو زبان میں کئی ایک کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اب تک کوئی کتاب ایسی نہیں لکھی گئی جس میں ہندی زبان و ادب کی پوری تاریخ قلمبند کی گئی ہو۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے مشہور فاضل اُستاد سید ظہیر الدین صاحب علوی نہ صرف خاص طبقے اور ادارہ کی طرف سے بلکہ تمام اُردو بولنے اور پڑھنے والے مردوں اور عورتوں کی طرف سے دلی شکریہ کے مستحق ہیں کہ آپ نے "تاریخ ادب ہندی" نامی کتاب تصنیف فرما کر اُردو لٹریچر میں ایک قابل قدر اور قیمتی اضافہ کیا ہے۔ جناب موصوف اُردو اور ہندی دونوں زبانوں کے بلند پایہ ادیب اور وسیع النظر عالم ہیں۔ پھر مسلم یونیورسٹی میں آپ ایک مدت سے اُردو اور ہندی زبان و ادب کے فاضل اُستاد ہیں۔ ادبی ذوق نہایت شستہ اور مذاق تنقید بہت سنجیدہ اور اعلیٰ ہے۔ اس لئے یہ ظاہر ہے کہ تاریخ ادب ہندی کے موضوع پر اُردو زبان میں کتاب لکھنے کا حق

آپ سے زیادہ اور کس کو ہو سکتا تھا۔ عنوانات بحث کی جامعیت۔ زبان و بیان کی شگفتگی۔ مستند معلومات کی فراہمی اور حسن انتخاب کی موزونیت یہ وہ اوصاف ہیں جنھوں نے کتاب کی معنوی حیثیت کہیں زیادہ بلند کر دی ہے۔ "عیاں راچہ بیاں" ارباب ذوق خود اس کی قدر کریں گے اور وہ بیّن طور پر محسوس کریں گے کہ یہ کتاب جس طرح ہر سنجیدہ لائبریری کی زینت بننے کی مستحق ہے اسی طرح ضروری ہے کہ اس کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اردو نصاب درس میں داخل کیا جائے۔

کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ شروع میں فاضل مصنّف نے ہندی زبان کی تاریخ بیان کی ہے یعنی یہ بتایا ہے کہ یہ زبان کب اور کس طرح پیدا ہوئی اور اس میں عہد بہ عہد کیا کیا تبدیلیاں اور ترقّیاں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد آپ نے ہندی ادب کے مختلف ادوار ان کی لسانی اور ادبی خصوصیات اور ان ادوار کے نامی گرامی شعراء اور ادبار کے حالات و سوانح بیان کیے ہیں۔ صفحہ ۱۳۴ سے دَور جدید کا آغاز ہوتا ہے۔ اس ذیل میں آپ نے اس عہد کی نثر اور نظم دونوں کے نمونے پیش کیے ہیں اور شاعروں اور ناثروں کے کلام پر تبصرہ کیا ہے۔ آخر کے دو ابواب میں ہندی کے ادبی اداروں اور ہندی زبان کے موجودہ رجحانات کا فاضلانہ تذکرہ ہے غرض یہ کتاب شروع سے آخر تک موضوع بحث کے تمام پہلوؤں پر

حادی ہے۔ جو کچھ لکھا گیا ہے بہت محنت اور تلاش و جستجو سے بصیرت کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔ اس بناء پر کتاب دلچسپ کی دلچسپ اور معلومات کے لحاظ سے بیش از بیش مفید ہے۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ فاضل مصنف کی یہ سعی بلیغ تمام اہل زبان کی طرف سے دلی شکریہ کی بجا طور پر مستحق اور سزاوار ہے۔ "جوہر شناس خود جوہر کی قدر کریں گے ان کے لئے کسی کی سفارش کی کیا ضرورت ہے"۔

۱۹ مارچ ۱۹۴۲ء

سعید احمد اکبر آبادی

شکریۂ خصوصی

میرے پاس الفاظ نہیں کہ جن سے میں اپنے مخدوم و مکرم بزرگ علامۂ کیفی چریاکوٹی مدظلہ العالی کی خدمتِ اقدس میں بصد ادب و احترام ہدیۂ تشکر پیش کروں کہ موصوف نے اپنے گوناگوں مشاغل کے باوجود میری اس حقیر تالیف کو اپنے گراں بہا اور فاضلانہ مقدمے سے زینت بخشی۔

میں اپنے محب مکرم مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایم۔ اے کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے کثرت افکار کے باوجود اپنے لطف خاص کے تحت پیش نظر تالیف پر ایک فاضلانہ تقریظ قلمبند فرمائی۔

میرے رفیق خصوصی مولوی محمد عزیز صاحب ایم۔ اے بھی میرے دلی شکریے کے مستحق ہیں جنھوں نے اپنے قیمتی وقت کا ایک بڑا حصہ مسودہ کی نظر ثانی میں صرف فرمایا۔

طہیر علوی

دیباچہ

یہ امر مسلّمہ ہے کہ اُردو اور ہندی زبانوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس لئے اُن حضرات کے لئے جو اُردو سے دلچسپی رکھتے ہیں، ہندی زبان کی تاریخ کا جاننا ضروری ہے۔ اس خیال کو مدّنظر رکھتے ہوئے میرا مقصد اس کتاب کی تالیف سے یہ ہے کہ اُردو داں طبقہ کو ہندی ادب کی تاریخ اور تدریجی ترقّی سے روشناس کیا جائے۔ چنانچہ زمانۂ قدیم سے لیکر زمانۂ حال تک کے مشہور شاعروں اور نثاروں کے مختصر حالاتِ زندگی مع نمونۂ کلام اور تصانیف کے اِس کتاب میں درج کئے گئے ہیں اور ہندی ادب کے ادوار قائم کرنے کے بعد ہر دور کی خصوصیت اور تبدیلیوں پر بحث کی گئی ہے۔ مختلف فرقوں اور تحریکوں کی ابتدا، ترقی اور زوال کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اِن ادوار کے تاریخی حالات و واقعات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ مختلف ادوار کے نظم و نثر کے نمونے بھی دیئے گئے ہیں تاکہ ناظرین کو ہندی ادب کی تدریجی ترقی سے کماحقہٗ آگاہی ہو جائے۔ کتاب کے آخری حصّہ میں ہندی ادب کے موجودہ رُجحانات کے عنوان سے اُس ترقیٔ معکوس کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو ہندی ادب کو صحیح راستہ سے ہٹا کر پھر غلط راہ پر لے جا رہی ہے۔

مذکورۂ بالا مقصد کے علاوہ اس کتاب کی تالیف سے ایک غرض اور بھی ہے۔ اُن تمام یونیورسٹیوں میں جہاں ایم۔ اے کے امتحانات میں اُردو بھی ایک مضمون ہے طلبا کے لئے ایک پرچہ ہندی کا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس پرچہ کی تیاری کے لئے اُنھیں کافی مواد فراہم نہیں ہوا کیونکہ اُردو زبان میں ہندی ادب کی کوئی مکمّل تاریخ موجود نہیں ہے۔ اُن کی آسانی اور رہنمائی کا خیال بھی اس کتاب کی تالیف میں پیشِ نظر رہا۔

اس کتاب کی یہ خصوصیت قابلِ ذکر ہے کہ اسے وہ حضرات بھی از اوّل تا آخر

پڑھ سکتے ہیں جو ہندی زبان سے ناواقف ہیں۔ کیونکہ اس میں جتنی عبارتوں یا اشعار کے نمونے پیش کئے گئے ہیں انھیں ہندی کے علاوہ اردو میں بھی مع ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ یہ کتاب میری دو سال کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اس میں چند نقشے اور کچھ گراف بھی شامل تھے جن پر ایک نظر ڈالتے ہی ہر پچاس سال کے لسانی تغیرات اور دیگر زبانوں کی آمیزش کے اوسط کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ مگر موجودہ جنگ نے کاغذ اس قدر گراں کر دیا ہے کہ مالک مطبع نے ان کو چھاپنے سے مجبوری ظاہر کی اس لئے نہایت افسوس ہے کہ انھیں شامل نہیں کیا جا رہا ہے۔ یہ نقشے اور گراف بیحد جانفشانی سے تیار کئے گئے تھے۔

آخر میں یہ میرا خوش گوار فرض ہے کہ میں پنڈت رام سروپ شاستری صدر شعبۂ سنسکرت مسلم یونیورسٹی و مسٹر ستیہ پرکاش معلّم بھارتیہ وشو ودیالے پاڑھم ضلع مین پوری و پنڈت رمیش چندر مصرا متعلم بی۔اے کلاس و مسٹر نریندر پرتاب سنگھ بی۔اے کا تہ دل سے شکریہ ادا کروں جنھوں نے نہایت خلوص اور محبت سے اس کتاب کی تالیف میں میری مدد کی ہے۔ نیز میں ان تمام مصنّفین کا بھی ممنون ہوں جن کی کتابوں سے میں نے استفادہ کیا ہے۔ مالکِ مطبع بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے اس گرانی کے زمانہ میں کتاب کی طباعت کا ذمّہ لیا۔

اردو زبان میں ایک مکمل تاریخ ادب ہندی کی کمی عرصہ سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے میں اپنی اس مختصر کتاب کو پیش کرتا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

۲۰ فروری ۱۹۴۲ء

مصنّف

فہرست مضامین

زبان اور اُس کی ابتداء

محقّقین لسان اس امر پر متفق ہیں کہ تمام زبانوں کا مبداء وسط الیشیا کا وہ پہلا آباد خطہ ہے جو یورپ کی سرحد پر واقع ہے۔ وہ زبانیں جو اس وقت اقطاعِ عالم میں رائج ہیں، اپنے خطّہ کے قدیم باشندوں کی زبان یا اُن کی بگڑی ہوئی صورت ہیں۔ یہ تقسیم سر جارج گریرسن کے لسانی شجرہ سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ جو اس باب کے آخر میں درج ہے۔

وہ قومیں جو وسط الیشیا سے مغرب کی طرف منتقل ہوئیں۔ یوروپین۔ کہلائیں اور دوسری قومیں جو جنوب کی طرف بڑھیں ایرین کے نام سے منسوب ہوئیں۔ انھیں میں سے ایک قوم دریائے جیحون کی طرف روانہ ہوئی اور کچھ دور چل کر یہ ایک قوم بھی تقسیم ہوگئی اور اس طرح سے منقسم طبقہ کی زبان بھی مختلف ہوگئی۔ وہ طبقہ جو ایران کی طرف منتقل ہوا اس کی زبان۔ میڈک۔ پہلوی۔ فارسی۔ ژند۔ یا ژند اور پشتو ہوئی۔ دوسرے طبقہ نے کابل کا رُخ کیا اور وہاں سے گذر کر شمالی ہند کے میدان میں مقیم ہوا اور انڈو ایرین کہلایا۔ اس طبقہ کی زبان بھی انڈو ایرین کے

نام سے منسوب ہوئی۔ اس زبان کی ادبی تربیت زمانۂ قدیم ہی میں ہو چکی تھی اور سنسکرت کہلاتی تھی۔ لیکن یہ شُستہ زبان صرف ادبی کارناموں کے لئے مخصوص ہو گئی اور وہ زبان جو عوام میں گفتگو کا ذریعہ تھی پراکرت کہلائی۔ اس زبان میں حسب موقع اور حسب ضرورت تبدیلیاں ہوتی گئیں اور اسی وجہ سے ہندوستان کے مختلف حصّوں میں یہ زبان کافی ردّ و بدل کے ساتھ پہنچی۔ دیگر زبانوں کی آمیزش سے الفاظ کی کرختگی میں قدرے نرمی تو ضرور آ گئی مگر زبان پھر بھی سنسکراتی تراکیب سے خالی نہ رہی۔ رفتہ رفتہ یہ اختلاف زیادہ ہوتا گیا جس کا یہ اثر ہوا کہ ایک خطّہ کی زبان اور بولی دوسرے سے بالکل مختلف ہو گئی۔ یہ زبانیں جو ایک دوسرے کے میل جول سے پیدا ہوتی گئیں "اپابھرنش" अपभ्रंश کہلائیں اور یہی وہ زبانیں ہیں جن سے تمام ہندوستان کی زبانیں پیدا ہوئیں۔ جن کا زمانہ تقریباً سنہ ۱۰۰۰ء ہے۔ موجودہ زبانیں پُرانی زبانوں کا ملخص نہیں بلکہ ان کی تحلیل شدہ صورت ہیں۔
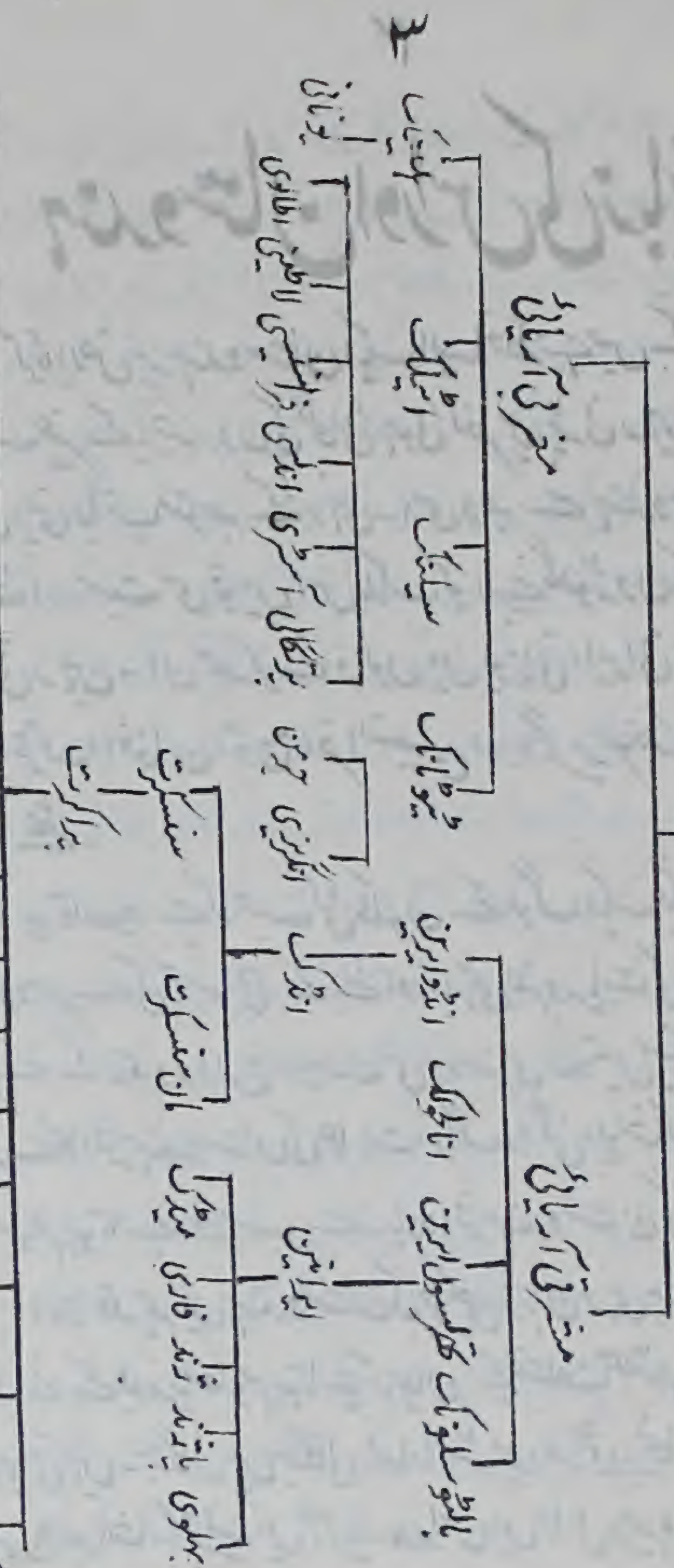
———

زبان کا شجرہ

آریائی زبان

- مشرقی آریائی
  - بالٹوسلونک
  - تھرلسول ایرین
    - ایرانین
      - پہلوی
      - پاژند
      - ژند
      - فارسی
      - میڈک
  - اناطولک
  - انڈوایرین
    - انڈک
      - مان سنسکرت
      - سنسکرت
        - پراکرت
          - گجراتی، راجستھانی، بھاشا، آسامی، بنگالی، بہاری، اڑیا، مرہٹی، سندھی، ملتانی، پنجابی، کوہستانی، کشمیری، سوریسینی، ماگدھی، مہاراشٹری، پالی، نیپالی، سنگھالی
- مغربی آریائی
  - ٹیوٹانک
    - انگریزی
    - جرمن
  - سیلٹک
  - اٹیلک
    - پرتگالی
    - آسٹری
    - اندلسی
    - فرانسیسی
    - لاطینی
    - اطالوی
  - ہلینیاس
    - یونانی

3

ہندوستان اور اس کی زبانیں

کرۂ ارض پر ہندوستان ایک ایسا خطہ ہے جس کے ہیرے جواہرات پر ممالک غیر کے باشندوں کی للچائی ہوئی نظریں پڑتی رہیں اور جس کی پیداوار انھیں اپنی جانب متوجہ کیے رہی۔ اسی وجہ سے ہندوستان پر ہمیشہ حملے ہوا کئے اور بہت سی قومیں اس ملک کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندتی رہیں۔ ان حملہ کرنے والوں میں یونانی، ایرانی، تورانی، آریہ، عرب، ترک، افغان، ڈچ، فرانسیسی اور انگریز غرضکہ دنیا بھر کے لوگ تھے۔

یہ قاعدہ ہے کہ جب کئی ملکوں کے لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کی آسانی کے لئے اور باہمی ضروریات کی وجہ سے ایک دوسرے کے رسم و رواج اور بہت سی دوسری عادتیں سیکھ لیتے ہیں۔ اسی قاعدے کا اثر ہندوستان کی عمارات، راگ راگنی، پوشاک، رسم و رواج وغیرہ میں معلوم ہوتا ہے اور سب سے زیادہ اثر ہندوستان کی زبانوں میں ظاہر ہو رہا ہے۔

زمانۂ قدیم میں ہندوستان کی جو بھی زبان رہی ہو لیکن تاریخ کی روشنی میں آنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے مختلف حصّوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ بنگال میں بنگالی۔ مہاراشٹر میں مرہٹی۔ پنجاب میں پنجابی۔ برج میں برج بھاشا۔ اڑیسہ میں اڑیا۔ مدراس میں تامل وغیرہ۔ یہاں کی پراکرت پر

ہمیشہ حملہ آوروں اور فاتحوں کی زبان کا اثر ہوتا گیا۔ آیرین یا آریہ۔ جب ہندوستان میں آئے۔ ایک ایسی زبان بولتے تھے جس کے بہت سے الفاظ فارسی زبان سے ملتے جلتے تھے جیسا کہ ان کا قومی نام ایرین اور ایران کی مشابہت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان کی زبان سنسکرت کہلاتی تھی جس کو وہ عوام سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے دوسری زبانوں کے میل جول سے بچائے رہے لیکن پھر بھی ان کی زبان کے بہت سے الفاظ ملک کی پراکرتوں میں داخل ہو گئے۔ یہ ملی جلی زبان "اپابھرنش" کہلائی۔ مہاتما بدھ کے زمانہ میں سنسکرت کو زوال ہوا کیونکہ ان کی مذہبی زبان پالی تھی اور تبلیغ اسی زبان میں ہوا کرتی تھی۔ مہاتما بدھ زبان کے مسئلہ میں نہایت متعصب تھے جیسا کہ "ونئے پٹک" کے ایک قصہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یمیل اور اتکل نامی دو برہمنوں نے مہاتما بدھ سے سوال کیا کہ مذہبی تبلیغ سنسکرت زبان میں کیوں نہ کی جائے۔ جب کہ ہر فرقہ اپنی زبان میں مذہبی تبلیغ کر رہا ہے۔ اس سوال پر مہاتما سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ بودھ مذہب کی تبلیغ پالی کے سوا کسی اور زبان میں کرنے والا داخل جہنم ہوگا۔ اس طرح سے ملک کی پراکرت میں پالی زبان کے الفاظ بھی شامل ہو گئے۔ بودھ مذہب کے زوال کے ساتھ ساتھ زبان کو بھی زوال ہوا اور جینیوں کے زمانہ میں سنسکرت کو پھر عروج ہوا اور پنڈتوں نے اپنی کھوئی ہوئی عظمت ایک بار پھر حاصل کرلی۔ اتنے میں یونانی آئے اور ان کے ساتھ یونانی لفظ بھی ملکی زبان میں داخل ہوئے۔ پھر تاتاری آئے۔ کچھ ان کی زبان

کا اثر ہوا۔ اس کے بعد عربوں نے حملہ کیا اور سندھ میں عرصہ تک حکومت
کی۔ اس لئے ان کی زبان کے بہت سے الفاظ پراکرت میں شامل ہو گئے۔
پھر محمود غزنوی اور غوری آئے جن کی فوج میں مختلف ملکوں کے لوگ
شامل تھے۔ اس طرح فارسی اور ترکی زبان کے الفاظ بھی ملک کی
پراکرت میں گھل مِل گئے۔

ہندوستان پر جو حملے ہوئے وہ درۂ خیبر کی طرف سے ہوئے۔
اور حملہ آور سب سے پہلے پنجاب کو لُوٹتے ہوئے اکثر دلّی، اجمیر، قنوج اور
کالنجر میں پہنچ کر دم لیا کرتے تھے جو اُس زمانے کے مشہور دارالسلطنت
تھے اس لئے سندھ، پنجاب اور برج کی زبان پر حملہ کرنے والوں کی
زبان کا زیادہ اثر ہوا۔ وہ فرقے جو تاب مقاومت نہ لائے اور جنوبی ہند
کی طرف منتقل ہوتے چلے گئے ان کی زبانوں میں بیرونی زبانوں کی آمیزش
شمالی ہند کی زبانوں سے نسبتاً کم ہوئی اور اسی لئے تامل۔ تیلیگو۔ ملایالم
اور کنیری زبان میں فارسی، عربی، ترکی الفاظ خال خال ہیں۔

اس اثر اور میل سے ایک ایسی زبان تمام زبانوں سے الگ تھلگ
بنتی چلی جا رہی تھی جو ہر صوبہ اور ہندوستان کے ہر حصہ میں سمجھنے سمجھانے
کا ذریعہ تھی۔ اس زمانہ میں یہ زبان ہندوستانی۔ ہندی یا ہندوی کہلاتی
تھی، یہ جان لینا بہت ضروری ہے کہ ہندی سے ہمارا کیا مطلب ہے۔ کیونکہ
عموماً یہ لفظ مشکوک معنی میں مستعمل ہے۔ ہندی سے اکثر وہ زبانیں مراد لی جاتی
ہیں جو تمام شمالی ہند میں سندھ اور پنجاب سے لے کر بنگال تک بولی

جاتی ہیں، لیکن یہ خیال محقق السنہ سر جارج گریرسن کے نزدیک صحیح نہیں۔ انھوں نے اپنی تحقیق سے یہ بات ثابت کی ہے کہ حقیقتاً وہ زبانیں جو اِن حدود میں بولی جاتی ہیں چار ہیں: —

(۱) راجستھانی۔ (۲) پچھمی ہندی۔ (۳) پوربی ہندی۔ (۴) اور بہاری۔

علاوہ بریں ہندی سے اکثر وہ دقیق ہندی (ہائی ہندی) مُراد لی جاتی ہے جو اُردو کے مقابلہ میں استعمال کی جاتی ہے۔ بہرحال دقیق ہندی اور اُردو دونوں پچھمی ہندی کی بیٹیاں ہیں (جیساکہ آیندہ صفحات سے ظاہر ہوگا)

یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان چار زبانوں کا ذکر جس سے ہندی مراد لی جاتی ہے ذرا تفصیل سے کر دیا جائے۔

(۱) راجستھانی

یہ زبان راجستھان کی ہے۔ راجستھان سے مراد تمام راجپوتانہ ممالک متوسط کا مغربی حصہ اور پنجاب کا جنوبی حصہ ہے۔ اس کے مشرق میں برج بھاشا اور بُندیلی۔ جنوب میں بندیلی۔ مرہٹی۔ بھیلی۔ خاندیشی اور گجراتی مغرب میں سندھی اور پچھمی پنجابی اور شمال میں پچھمی پنجابی اور بانگڑو زبانیں بولی جاتی ہیں۔

جن مقامات پر اس وقت پنجابی گجراتی اور راجستھانی زبانیں رائج ہیں وہاں پہلے ملی جلی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ جنھیں بہ رنگ بھاشا کہتے ہیں۔ बहिरंग لیکن جب ان زبانوں نے اپنے کو میل جول سے

علیحدہ کر لیا اور اپنی اصلی صورت میں آگئیں تو وہ انت رنگ بھاشا
कहلائیں۔ باوجودیکہ راجستھانی انت رنگ بھاشا ہے لیکن अंतरंग
اس میں اکثر بہرنگ بھاشا کے الفاظ ملتے ہیں۔ اس بات کا ثبوت کہ
انت رنگ بھاشا نے بہرنگ بھاشا کو پسپا کر کے اپنا قبضہ جمایا اس امر سے ہوتا ہے
کہ شمالی ہند کے قدیم باشندے پانچال آریہ تھے۔ ان کی بھاشا
بہرنگ تھی۔ اس کے بعد وہ آریہ شمالی ہند میں آئے جن کی زبان انت
رنگ تھی۔ یہ آریہ غالب ہوئے اور وہ مغلوب اور اس طرح سے
بہرنگ بھاشا بولنے والے آریہ پسپا ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ
وہ گجرات کے قریب ساحل تک پہنچ گئے۔ دوسری طرف گنگا کے
دوآبہ تک ان کا تعاقب کر کے ان کو بھگا دیا گیا۔ اس طرح سے یہ زبان
گنگا کے دوآبہ سے گجرات تک پھیل گئی۔ سر جارج گریرسن کی تحقیق
کے مطابق بارھویں صدی میں راجگان راٹھور قنوج سے مارواڑ میں
جا بسے۔ جے پور کے کچھوائی اور پنجاب کے چھوٹے راجگان راجپوتانہ
منتقل ہو گئے۔ متھرا سے یادو यादव فرقہ کے لوگ بھی گجرات منتقل
ہو گئے یہ سب راجستھانی بولتے تھے۔

راجستھانی زبان کی چار بولنے والی بھاکھائیں ہیں۔ مارواڑی[1]۔
جے پوری[2]۔ میواتی[3] اور مالوی[4]۔ مارواڑی بھاکھا کا "قدیم ادب"
ڈنگل یا پنگل کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں کے رہنے والوں میں
سے جو برج بھاشا میں شاعری کرتے تھے ان کی بھاشا پنگل

पिंगल کہلاتی تھی۔

جے پوری میں بھی ادبی ذخیرہ موجود ہے۔ دادو دیال اور اُن کے شاگردوں کی بانی اسی زبان میں ہیں۔

میواتی اور مالوی میں کسی قسم کا ادبی کارنامہ موجود نہیں ہے۔ ان زبانوں کی بولیوں کی بناوٹ کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جے پوری مارواڑی سے۔ میواتی برج بھاشا سے۔ مالوی بندیلکھنڈی سے بہت ملتی جلتی ہے۔ راجستھانی بھاشا گجراتی زبان سے بہت کچھ متاثر نظر آتی ہے۔

(۲) پچھمی ہندی

یہ زبان مغرب میں سرہند سے لے کر مشرق میں پریاگ تک اور شمال میں ہمالیہ کی ترائی سے لے کر جنوب میں بندیلکھنڈ اور ممالک متوسط کے شمالی حصہ تک بولی جاتی ہے۔ یہی زبان شمالی ہند کی ادبی زبان ہے۔ روہیلکھنڈ میں پہنچ کر اس زبان کا نام قنوجی ہو جاتا ہے اور انبالے سے آگے بڑھ کر یہی زبان پنجابی کہلاتی ہے اور گوڑگاؤں کے جنوب و مشرق میں اس کا نام برج بھاشا ہو جاتا ہے۔ اسی زبان کو ہندوؤں نے ہندی مسلمانوں نے اُردو اور انگریزوں نے ہندوستانی کہا۔ مگر بعض تذکرہ نویسوں کا نظریہ ہے کہ اس زبان کا نام ہندوستانی برٹش گورنمنٹ کا دیا ہوا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس زبان کا بہت پُرانا نام ہے جو اس زمانے میں پھر دُہرایا جانے لگا۔ زمانۂ قدیم میں

ہندی سے مراد اُردو ہی تھی اور اس کے ہندی۔ ہندوی اور ہندوستانی نام تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل امثلہ سے ثابت ہوگا:۔

ملا وجہی اپنی کتاب سب رس جو سنہ ۱۰۲۵ھ کے لگ بھگ کی لکھی ہوئی ہے لکھتے ہیں۔

"آغاز داستان زبان ہندوستان نقل ایک شہر تھا جس کا ناؤں سیستان"۔

شمس العشاق المتوفی اپنے رسالہ خوش نغز میں جو سنہ ۹۰۲ھ کا لکھا ہوا ہے لکھتے ہیں۔

"میں عربی بولوں کیر سے اور فارسی بہیوتر سے۔ یہ ہندی بولو سب اِس ارتھوں کے سبب"۔

میر تقی میر اپنی مثنوی خواب وخیال میں جو سنہ ۱۱۵۳ھ میں لکھی گئی، لکھتے ہیں۔

فارسی سو ل ہیں یہ ہندوی سو ل ہیں ۔ باقی اشعار مثنوی سو ل ہیں

مولوی خرم علی نے اپنی کتاب نصیحت المسلمین میں جو سنہ ۱۲۳۶ھ کی تصنیف ہے، لکھا ہے:۔

"بندۂ خرم علی کے جی میں آیا کہ آیا اس شرک کی برائی قرآن شریف سے ثابت کیجئے اور ہر آیت کا ترجمہ زبان ہندی میں صاف صاف کیجئے"۔

مصنف "نور نامہ" نے بھی اس زبان کو ہندی ہی کہا ہے:۔

زبانِ عرب میں یہ تھا سب کلام ۔ کیا نظم ہندی میں میں نے تمام

لیکن مسلمانوں نے اپنی حکومت میں اسی زبان کا نام ریختہ رکھا۔ امثلہ۔

سودا

تو نے وہ سودا زبان ریختہ ایجاد کی بڑھ کے اک عالم اٹھاتا ہے ترے اشعار فیض

میر

گفتگو ریختہ میں ہم سے نہ کر یہ ہماری زبان ہے پیارے

غالب

ریختہ کے تمھیں استاد نہیں ہو غالب کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

اس ریختہ اور اس زمانہ کی ہندی میں فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں فارسی اور عربی الفاظ کی بہتات ہے۔ اہل ہنود اپنے مذہبی تعصب کی وجہ سے اولاً فارسی یا عربی کو ملکش بھاکھا (मलेच्छ भाषा) کہتے تھے۔ اور اُسے سیکھنا نہ چاہتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ خیال ان کے دل سے نکل گیا۔ انھوں نے ہندی اور سنسکرت کے علاوہ اُردو اور فارسی میں کافی مہارت حاصل کی اور مسلمانوں نے بھی بھاشا میں اپنا سکہ جمایا۔ البیرونی عبدالرحیم خان خاناں۔ رس خاں۔ ملک محمد جائسی وغیرہم کا نام اس بارے میں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

پچھمی ہندی کی دیسی بھاکھائیں (۱) برج بھاشا (۲) قنوجی (۳) بنگارو اور (۴) بندیلی ہیں۔

برج بھاشا پچھمی ہندی کی وہ زبان جو اٹاوہ، متھرا، آگرہ اور خاص برج میں رائج تھی برج بھاشا

کہلاتی تھی۔ یہ انت رنگ کی خاص بھاشاؤں میں سے ہے۔ اِسے سورسینی۔ پراکرت اور سورسینی آپا بھرنش کی وراثت سمجھنا مناسب ہوگا۔ اس کا خاص وطن برج منڈل ہے مگر یہ زبان جنوب میں آگرہ۔ بھرت پور۔ دھولپور اور کرولی کی سرحد تک۔ گوالیار کی مغربی سرحد تک جے پور کی مشرقی سرحد تک اور شمال میں ضلع گورگاؤں کی مشرقی سرحد تک اور شمال و مشرق میں اضلاع بلند شہر۔ علی گڈھ۔ ایٹہ۔ مین پوری۔ بدایوں۔ بریلی میں ہوتے ہوئے نینی تال کے نشیبی حصّہ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا صدر مقام متھرا ہے جہاں کی زبان ٹکسالی سمجھی جاتی ہے۔ جنوب و مغرب میں آگرہ سے آگے بڑھ کر یہ راجستھانی کہلاتی ہے۔ اس زبان کے ادبی کارنامے اودھی سے بھی زیادہ مفید اور جاذب نظر ہیں۔ شمالی ہند کے مشہور شعراء نے اسی زبان میں چار پانچ صدی تک شاعری کی ہے۔ سور داس۔ تلسی داس۔ بہاری لال وغیرہ۔ ایسی ہستیاں ہیں جن کو ان کے لازوال کلام نے ہمیشگی کی زندگی عطا کردی ہے۔

قنوجی یہ زبان اٹاوہ اور پریاگ کے درمیانی حصّہ میں رائج ہے۔ اس کے علاوہ اضلاع ہردوئی اور اُناؤ کے کچھ حصّہ میں بھی بولی جاتی ہے۔ اسے برج بھاشا ہی کی بگڑی ہوئی شکل کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس میں ادبی کارنامے خال خال ہیں۔ جس خطّہ میں یہ زبان رائج ہے وہاں کے ادبا نے شاعری کے لئے برج بھاشا زبان ہی اختیار کی۔

بُندیلی یہ زبان بُندیلکھنڈ اور اس کے گردونواح کے اضلاع جھانسی - جالون - ہمیرپور اور ممالک متوسط کے چند اضلاع میں بولی جاتی ہے - ضلع باندہ کی بولی بندیلی کے بجائے بگھیلی ہے - اس کے مشرق میں پوربی ہندی کی بگھیلی زبان - شمال و مغرب میں برج بھاشا اور جنوب و مغرب میں راجستھانی اور جنوب میں مرہٹی زبانیں بولی جاتی ہیں - ریاست پنا کے مہاراجہ چھتر سال کے زمانہ سے ہی اس زبان میں ادبی کارنامے پائے جاتے ہیں - آلھا کھانڈ یا آلھا اُودل اس زبان کے ادب کا بہترین نمونہ ہے - لیکن اس کی مستند نقل تحریری صورت میں موجود نہیں - یہ نظم لوگوں کو زبانی یاد ہے - خصوصاً مُہلاکو اس لئے وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اپنے اصلی روپ میں ہے - گانے والوں نے اس نظم کو اپنے مقامی زبان اور ضروریات کے مطابق اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے - اس خطّہ کا رہنے والا کیشوداس ایک مستند شاعر گذرا ہے - اس کی نظموں میں بُندیلی زبان کو بہت کچھ دخل ہے - یہ زبان برج بھاشا اور قنوجی سے بہت ملتی جلتی ہے - اس میں بیچھی ہندی کے بہت سے الفاظ شامل ہوگئے ہیں -

پوربی ہندی یہ زبان بہر نگ اور انت رنگ کے اختلاط و ردّوبدل سے پیدا ہوئی - یہ بگھیلکھنڈ - بندیلکھنڈ - چھوٹا ناگپور اور مدھیہ دیش کے کچھ حصّہ میں بولی جاتی ہے - اودھی بگھیلی اور چھتیس گڑھی اس کی دیسی بھاکھائیں ہیں -

جن کا خلط ملط اس زبان میں زیادہ ہے۔ بگھیلی اور اودھی میں خفیف فرق ہے۔ لیکن چھتیس گڑھی، مرہٹی اور اُڑیا سے متاثر نظر آتی ہے۔ اس لئے یہ بھاکھا، بگھیلی اور اودھی سے بہت مختلف ہے۔

بگھیلی زبان مدھیہ پردیش کے مشرق بندیلکھنڈ۔ بگھیلکھنڈ جبل پور۔ مانڈلے اور باندہ میں رائج ہے۔ اودھی۔ جمنا کے کنارے ضلع فتح پور۔ الہ آباد کے جنوب میں بولی جاتی ہے۔ چھتیس گڑھ اور اس کے قرب وجوار کی ریاستوں میں یعنی اودے پور۔ کورائی وغیرہ۔ ان امور پر غور کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پوربی ہندی شمال میں نیپال کی ترائی سے لے کر جنوب میں ریاست قبستر تک رائج ہے۔ بمقابلہ شمال وجنوب کے مشرق ومغرب میں اس کا استعمال کم ہے۔ اس کی ادبی زبان اودھی ہے جو اجودھیا میں بولی جاتی ہے۔

بہاری — یہ زبان تمام بنگال۔ بہار۔ اُتّر پردیش کے مشرقی سرحدی اضلاع میں بولی جاتی ہے۔ چھوٹا ناگپور میں بھی یہی زبان رائج ہے۔ بنگالی اور اُڑیا زبانوں کی طرح بہاری بھی ماگدھی سے نکلی ہے لیکن اس کا شمار ہندی زبان میں ہی کیا جاتا ہے۔ بہاری بھاشا کی تین دیسی بھاکھائیں ہیں:-

(۱) میتھلی۔ (۲) مگھئی۔ (۳) بھوجپوری۔

میتھلی — یہ زبان ترہٹ اور اس کے گردونواح میں بولی جاتی ہے۔ لیکن وہ اس کا دیہاتی رُخ ہے۔ اس کی شہری صورت

دربھنگہ میں ملتی ہے۔ یہ بہاری کی ادبی زبان بھی ہے۔ قدیم زبان کے جتنے الفاظ زمانہ کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ہم تک پہنچے ہیں اُن کا ذریعہ یہی زبان ہے۔ اس کے شعرا میں ٹھاکر ودیاپتی نہایت مشہور گذرے ہیں جن کی نظموں کا پایہ اب تک بہت بلند خیال کیا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں ہندی زبان کے الفاظ کثرت سے استعمال کیے ہیں۔ یہ اس خطّہ میں بولی جاتی ہے جہاں پہلے متھلا کی سلطنت تھی اور اس طرح سے اس کو اس قدیم سلطنت کی یادگار سمجھنا چاہیے۔

مگھئی جنوبی بہار اور ضلع ہزاری باغ کی زبان مگھئی کہلاتی ہے۔ زمانۂ قدیم میں اس خطّہ کو مگدھ دیش کہتے تھے۔ اس زبان کا کوئی ادبی کارنامہ موجود نہیں۔

بھوجپوری یہ زبان شاہ آباد اور اس کے گردونواح میں بولی جاتی ہے۔ بہار اور مشرقی اضلاع اتر پردیش۔ بالیا، مئو۔ رانچی۔ اعظم گڈھ میں بھی رائج ہے۔ لیکن کچھ بگڑی ہوئی صورت میں۔ بھوجپوری زبان کی تین قسمیں بھی بعض تذکرہ نویسوں نے بتائی ہیں۔ شدھ بھوجپوری۔ پچھمی بھوجپوری اور ناگپوری۔ یہ اُتر پردیش والے پچھمی بھوجپوری کو پوربی کہتے ہیں جو نہایت شیریں اور ترنّم آمیز ہے۔

شمالی ہند کی مختلف زبانوں کی دیسی بھاکھاؤں کا ذکر کرتے ہوئے

یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کھڑی بولی کا بھی تذکرہ کر دیا جائے کیونکہ ہندی ادب کے جدید کارنامے نظم و نثر دونوں اسی زبان میں ہیں۔

کھڑی بولی

اس زبان کی تاریخ نہایت دلچسپ ہے۔ یہ بھاشا میرٹھ کے گرد ونواح میں رائج ہے۔ اوّل اوّل یہ انھیں حدود میں بولی جاتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ تمام شمالی ہند میں پھیل گئی لیکن مختلف صوبوں میں اس کی صورت بدلتی گئی۔ کیونکہ وہاں کی دیسی بھاکھا سے متاثر ہوتی گئی۔ یہ اسی وقت پیدا ہوئی تھی جب کہ دہلی میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی۔ ہندو اور مسلمانوں کے اختلاط سے یہ زبان پیدا ہوئی مسلمانوں نے اس زبان کو اپنا لیا لیکن یہ کام ایک دن کا نہ تھا۔ رفتہ رفتہ کھڑی بولی میں ترکی فارسی اور دیگر زبانوں کے الفاظ خود بخود شامل ہوتے گئے۔ پہلے یہ بھاشا بازار و بولی تھی جو آہستہ آہستہ سدھر گئی۔ ایک عرصہ تک یہ میل جول جاری رہا۔ کچھ عرصہ بعد مسلمانوں نے فارسی و عربی کے الفاظ زیادہ کیئے اور صرف و نحو اور افعال کی ترکیب بھی اُسی نہج پر کرنا چاہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل ہنود نے اسے سنسکرت و یاکرن کے مطابق ڈھالنا شروع کیا اور فارسی و عربی الفاظ کی جگہ سنسکرت الفاظ کی آمیزش کی۔ اس طرح سے اس ایک زبان کی تین شاخیں ہو گئیں۔ (۱) شدھ ہندی۔ جو ہندوؤں کی ادبی زبان ہے اور صرف اُنھیں میں رائج ہے۔ (۲) اُردو جو مسلمانوں اور تقریباً ساٹھ فیصدی ہندوؤں کی ادبی زبان ہے اور ان کے گھر دل

میں عام بول چال کی زبان ہے۔ (۳) ہندوستانی جس میں ہندی۔ اُردو دونوں کے الفاظ شامل ہیں۔ اس زبان میں ابھی ادبی کارنامے نہیں ہیں۔ اور ہیں بھی تو برائے نام۔ یہ تیسری شاخ سیاسی اغراض کے ماتحت وجود میں لائی گئی ہے۔

کھڑی بولی کی ابتداء کے متعلّق بعض ادیبوں کا خیال ہے کہ کھڑی بولی برج بھاشا سے نکلی ہے۔ ہندی ساہتیہ سمیلن کے صدر نے بھی اپنے ۱۹۲۹ء کے جلسہ میں اس خیال سے اتفاق کیا ہے۔ اُن کی رائے ہے کہ مسلمانوں کے اثر سے اس میں ہر قسم کے الفاظ داخل ہو گئے اور اس کی موجودہ صورت اسی اختلاط کا نتیجہ ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل وجوہ سے اس قول کی صداقت ثابت نہیں ہوتی۔

(۱) اگر اس زبان کی اصل برج بھاشا ہے تو اس میں برج بھاشا کی طرح گیو۔ پیارو۔ گھوڑو کے الفاظ جو اُسے سورسینی سے وراثت میں ملے ہیں، مستعمل ہوتے۔ لیکن کھڑی بولی میں گھوڑو کے بجائے گھوڑا گیو کے بجائے گیا اور پیارو کے بجائے پیارا استعمال ہوتا ہے۔

(۲) کھڑی بولی اُسی وقت سے رائج ہے جب سے اودھی یا برج بھاشا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ برج بھاشا کی ادبی ترتیب پہلے ہوئی اور زمانۂ قدیم سے اس کی تشکیل ہو گئی اور کھڑی بولی اب ادبی زبان بنی ہے۔ پہلے کھڑی بولی صرف بول چال میں استعمال ہوتی تھی۔ مسلمانوں نے اُسے اپنایا اور اُسے ادبی زبان بنانے کا فخر اُنھیں ہی حاصل ہے۔

کھڑی بولی کا سب سے قدیم نمونہ نامدیو کی شاعری میں ملتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ شاعری جو نامدیو کی بتائی جاتی ہے اُس کی نہیں ہے۔ اگر اس خیال کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی کھڑی بولی کا سب سے پہلا شاعر امیر خسرو ہو سکتا ہے جس کا زمانہ ۱۲۵۶ء لغایتہ ۱۳۲۵ء تھا۔ خسرو نے عربی، فارسی الفاظ کے شمول سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق بڑھایا۔ اسی مقصد سے "خالق باری" لکھی جس کے لاکھوں دستی نسخے اونٹوں پر لاد کر ملک میں تقسیم ہوئے۔ اس بنا پر امیر خسرو کو کھڑی بولی کا سب سے پہلا شاعر کہہ سکتے ہیں۔ اس زبان کے دیگر شعراء میں عبدالرحیم خانخاناں بھی ہیں۔ ان کی کتاب "مدن اشٹک" (मदनाष्टक) کھڑی بولی کا بہترین نمونہ ہے۔ کبیر۔ نانک۔ دادو دیال اور صوفی شعراء نے بھی کھڑی بولی میں شاعری کی ہے بھوشن نے شیوا باونی (शिवाबावनी) میں بھی اکثر اس زبان کا استعمال کیا ہے۔

नामदेव

अभिअंतर काला रहै बाहेर करै उजास।
नाम कहै हरि भगति बिनु निहचै नरक निवास।

ابھے انتر کالا رہے باہر کرے اُجاس نام کہے ہر بھگت بن پہنچے نرک نواس

(نامدیو)

یعنی جس کا باطن سیاہ ہو اور ظاہر روشن ہو۔
رام شاعر کہتے ہیں کہ ایسا شخص بغیر بھگتی کے دوزخ میں جگہ پاتا ہے۔

अमीर खुसरो

आदि कटे से सब को पालै । मध्य कटे से सबको घालै ॥
अन्त कटे से सबको मीठा । सो खुसरो मैं आँखों डीठा ॥

(امیر خسرو)

آدِ کٹے سے سب کو پالے   مدھیہ کٹے سے سب کو گھالے
انت کٹے سے سب کو میٹھا   سو خسرو میں آنکھوں دیٹھا

آد = بمعنی شروع
مدھیہ = بمعنی درمیانی } پہیلی کا جواب کاجل ہے۔
انت = آخر

(نوٹ)

چونکہ امیر خسرو کی ہندی شاعری کی مثالیں اردو کتابوں میں اکثر دی ہوئی ہیں اس لئے زیادہ نمونے نہیں دیے گئے۔

भूषण

एते हाथी दीन्हें माल मकरन्द जू के,
नन्द जेते गनि न सकति विरंचिहू की तिया ।
भूषन भनत जाकी साहिबी सभा के देखे,
लागैं सब और छितिपाल छिति मैं छिया ॥
साहस अपार हिन्दुवान को अधार धीर,
सकल सिसोदिया सपूत कुल को दिया ।
जाहिर जहान भयो साह जू खुमान बीर,
साहिन को सरन सिपाहिन को तकिया ।

اِیتے ہاتھی دینے مال مکرند جو کے — نند جیتے گن اسکت برنچ ہو کی تیا
بھو منشٹر بہت جا کی صاحبی سبھا کے دیکھے — لاگیں سب ا در چھت پال چھت میں چھپا
ساہس ام پار ہندو آن کو آدھار دھیر — سکل سسودیا۔ تبیوت کل کو دیا
جاہر جہاں بھیو ساہ جو کہاں بیر — ساہن کو سرن سپاہن کو تکیا

نند = لڑکا — برنچ کی تیا = یعنی سرسوتی دیوی — چھپیا = کم ہونا
برنچ = برہما — چھت پال = راجہ — ساہس = ہمت
تیا = عورت — چھت = زمین — سرن = پناہ

ترجمہ ۔ ماں مکرند کے لڑکے نے اتنے ہاتھی خیرات کئے کہ سرسوتی بھی شمار نہیں کر سکتی ۔

بھو منشٹر شاعر کہتا ہے کہ بادشاہ کا دبدبہ دیکھنے سے ملک کے دیگر راجہ نہایت کمزور اور مختصر معلوم ہوتے ہیں ۔ ممدوح عالی ہمت اور ہندوؤں کا سہارا ہے اور سسودیا خاندان کا چراغ ہے ۔ یہ بات جہان میں ظاہر ہے کہ وہ شاہوں کو پناہ دینے والا ہے اور سپاہیوں کے لئے مددگار ہے ۔

جاہر = ظاہر فارسی
جہاں = فارسی
تکیہ = ترکی

تانت کشوری اور سیتل کوی بھی ۱۷۲۲ء میں کھڑی بولی کے اچھے شاعر ہوئے ہیں ۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کھڑی بولی اپنی کرختگی کی وجہ سے

شاعری کے لئے موزوں نہ ہوگی، کیونکہ اس کے لئے زبان نہایت ترنّم آمیز اور لوچدار ہونا چاہیئے۔ مگر ان شعراء نے اس خیال کو غلط ثابت کر دکھایا۔ اُن کی شاعری ترنّم اور شیرینی سے لبریز ہے۔

اِن امور سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کھڑی بولی کا وجود تیرھویں صدی بکرمی میں ہو چکا تھا۔ البتہ ادبی کارنامے بہت بعد کی پیداوار ہیں۔

بعض محقّقین زبان نے شمالی ہند کی لسانی تقسیم یوں کی ہے۔

ویدبھاشا (رگ وید)

- سنسکرت (آریائی زبان)
- پراکرت (غیر آریائی زبان)
  - آردہ ماگدھی
  - ماگدھی
  - سورسینی

لسانی طور پر شمالی ہند کی بولی جانے والی بھاکھاؤں کی تقسیم جغرافیائی طریقہ پر پورَبی اور پچھمی زبانوں میں بھی کی گئی ہے۔

- پورَبی
  - پوربی ہندی
  - بھوجپوری
  - میتھلی
  - بنگلہ
  - اُڑیا
- پچھمی
  - پچھمی ہندی
  - گجراتی
  - مرہٹی
  - سندھی
  - پچھمی پنجابی
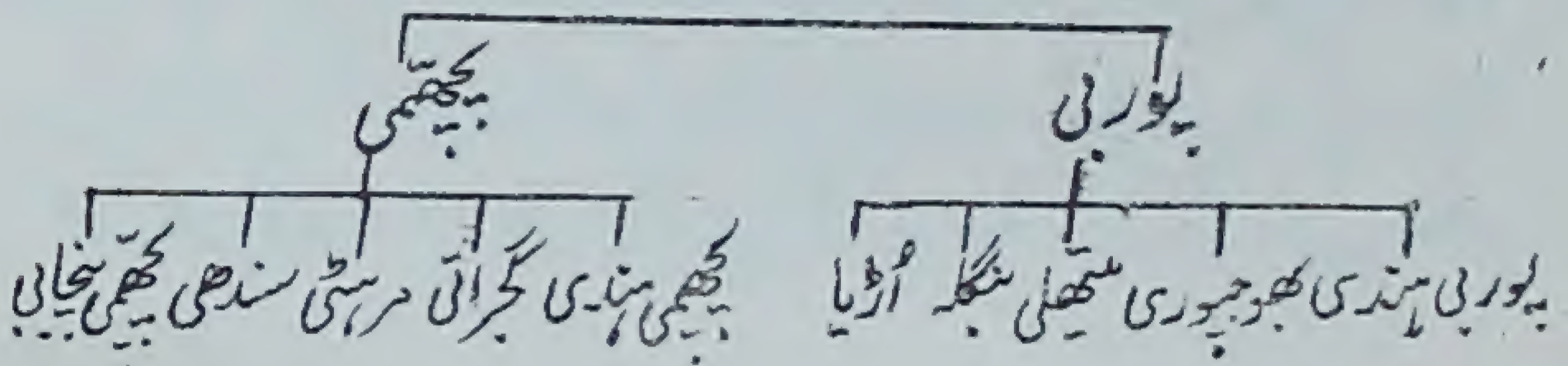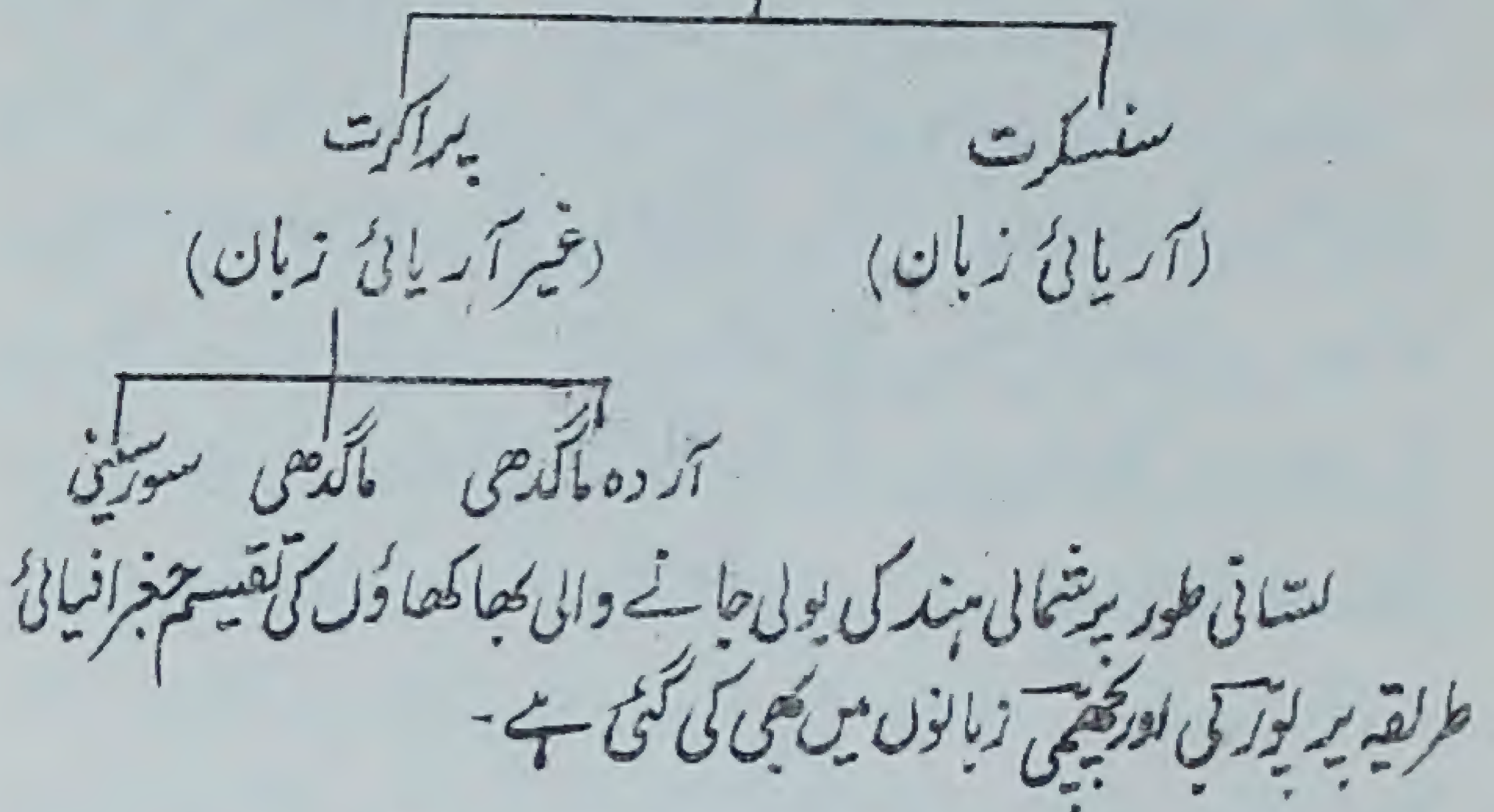
اُن کا فرق مندرجہ ذیل مثال سے واضح ہو جائے گا :-

پچھمی ہندی = میں نے پوتھی پڑھی	پوربی ہندی = یں پوتھی پڑھیوں
گجراتی = یں پوتھی بانچی.	بھوجپوری = ہم پوتھی پڑھ لین
مرہٹی = میں پوتھی واچلی	میتھلی = ہم پوتھی پڑھ لہوں
سندھی = میں پوتھی پڑھا	بنگلہ = امی پتھی پوڑھ لام
پچھمی پنجابی = میں پوتھی پڑی	اُڑیا = آمے پوتھی پوڑھ لو

ہندی ادب کا سرسری جائزہ

ہندوؤں کی سلطنت کے زوال اور مسلمانوں کی فتوحات کے زمانہ میں ہندوستان میں ایک عرصہ تک افراتفری رہی۔ اس لئے واقعات کا تاریخی سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کی فتوحات اور ان کے قیام سلطنت سے پھر مسلسل تاریخی واقعات دستیاب ہوتے ہیں۔ اس وقفے میں راجپوت قوم کے افراد نے چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کر لی تھیں جو ایک دوسرے سے برسرپیکار رہا کرتی تھیں لیکن جب مسلمانوں کے حملوں کو پسپا کرنے کا سوال پیدا ہوتا تھا، اُس وقت یہ حکومتیں ایک ہو جایا کرتی تھیں۔ گو کابل، پنجاب اور سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا مگر حقیقی فتح ۱۱۷۵ء میں ہوئی جب کہ محمد غوری نے باقاعدہ حملے شروع کئے۔ ۱۱۹۱ء میں مسلمانوں کی مُلک گیری دیکھتے ہوئے تمام ہندو راجہ اپنی مخالفتوں کو دور کر کے ایک ہو گئے اور اجمیر و دہلی کے چوہان راجہ پرتھوی راج یا رائے پتھورا سے عہد و پیمان باندھ لیا۔ ہندوؤں کو پہلی بار تو ترائن کے میدان میں فتح ہوئی لیکن دوسرے ہی برس اُسی میدان میں شکست ہوئی۔ پرتھوی راج گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ دہلی پر مسلمانوں کا قبضہ

ہوگیا اور مسلمانوں کے قدم برابر بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ محمد بن تغلق کے زمانہ میں مسلمانوں کی سلطنت کمال کو پہنچ گئی۔ باوجودیکہ ہندو حکومتیں ایک ایک کرکے معدوم ہوتی گئیں۔ لیکن بعض راجپوت راجگان برابر مقاومت کرتے ہی رہے اور کبھی مطیع نہ ہوئے۔ بہت سی نئی حکومتیں بھی قائم ہوگئیں۔ شاہانِ وقت نے اکثر ان سے لڑنے کے بجائے دوستانہ تعلقات کو زیادہ مفید خیال کیا۔

یہ وہ زمانہ ہے جس میں ہندوستان کی موجودہ زبان متشکل ہو کر تربیت پا رہی تھی۔ ہندوستان کی قدیم ترین زبان سب سے پہلی بھاٹوں (گویتے شعراء) کے تاریخی سوانح کی ہیئت میں ظاہر ہوئی۔ زمانہ کی پُر آشوبی اور ہنگامہ خیزی بادشاہوں کی قدر و منزلت اس قسم کی شاعری کے لئے زیادہ محرک ہوئی۔ اس وقت کی شاعری چونکہ تمام تر مدح خوانی اور زیب داستان کے لئے ہوا کرتی تھی۔ اس لئے کوئی تاریخی اہمیت نہیں رکھتی۔ پھر بھی اس وقت کی شاعری ہندو مسلمانوں کے درمیان گھمسان لڑائیوں کے پُر جوش واقعات۔ بہادری اور جانبازی کا مرقع ہے۔ اس زمانہ کا شاعر اعظم چاند بردائی راجہ پرتھوی راج کا درباری شاعر تھا۔ جگ نایک چاند بردائی کے ہم عصروں میں سے تھا۔ چودھویں صدی میں سارنگ دھر بھی ایک مشہور شاعر گذرا ہے۔ جس نے رنتھمبور کے راجکمار ہمیر کی شجاعت کی نغمہ سرائی کی ہے۔ اس کے بعد وہ زمانہ آتا ہے جب کہ اہل ہند پر مذہبی جذبہ دیگر

جذبات پر فوقیت لے گیا تھا۔ رامچندر جی کی پرستش اور اُن کے کارناموں کو ضبط تحریر میں لانے کی خواہش نے بھی ہندی زبان کے مقبول عام ہونے اور رواج پانے میں بہت مدد کی۔ اُس وقت ایک دوسرا فرقہ اور بھی تھا جو کرشن کی پرستش کرتا تھا۔ یہ فرقے اور ان کی پرستشیں ہمیشہ سے ہندوستان میں عام رہی ہیں۔ مسلمانوں کی آمد اور ان کی تہذیب سے متاثر ہونے والا ایک فرقہ بھی تھا جس کا بانی کبیر ہوا ہے۔ اس کی تعلیم بُت پرستی کے خلاف تھی۔ یہ متفرق تحریکیں ایک زبردست مذہبی تحریک کا پیش خیمہ تھیں۔

اس زمانہ میں ادب کا تمام سرمایہ مذہبی شاعری تک محدود تھا۔ یہ زمانہ پندرھویں صدی سے شروع ہوتا ہے۔ اس عہد کے مشہور شعراء نامدیو۔ کبیر۔ ودیاپتی۔ میرا بائی۔ ملک محمد جالسی ہیں۔ راجپوتانہ کے آخری گویتے۔ شاعروں نے اس وقت قلم اُٹھایا جب زبان تشکیل ہو رہی تھی اس لئے ان کے ادب میں اکثر پراکرت کے الفاظ ملتے ہیں۔ صحیح معنوں میں یہ زمانہ ہندی ادب کے بچپنے کا زمانہ تھا لیکن شعرائے مابعد نے اپنے کلام میں قریب قریب وہی زبان اختیار کی ہے جسے آج کل کی زبان کہا جاسکتا ہے۔ اور چونکہ انھیں اس شاہراہ پر چلنے میں اوّلیت حاصل ہے اس لئے انھیں اپنا راستہ خود تلاش کرنا پڑا اور ایک نئی زبان بنانی پڑی جو ایک بڑی اہم خدمت تھی۔

ہندوستان کے ادب کا بہترین زمانہ سولھویں صدی کے وسط

سے شروع ہوتا ہے۔ شاہانِ مغلیہ نے نہ صرف ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی بلکہ اُدبا، فضلاء کا نہایت گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ اکبر۔ جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانہ میں اسلامی حکومت کمال کو پہنچ چکی تھی اور یہی زمانہ ہندی ادب کا درخشاں زمانہ ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب کہ ادب میں زبان کی صفائی، استعارات، تشبیہات کا استعمال شروع ہوا اور شاعری کو مختلف صنائع و بدائع سے آراستہ کیا گیا۔ کیشوداس اور دوسرے شعراء نے اس میں بڑی کوشش کی۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ جس میں ہندی ادب کے مایۂ ناز شعراء اور نثار ہوئے۔ مثلاً تلسی داس۔ سورداس۔ بہاری لال۔ ترپاٹھی بندھو۔ دیوکی۔ سیناپتی وغیرہ۔ اسی زمانہ میں سکھوں کا گرنتھ بھی لکھا گیا اور بہت سے مذہبی فرقے قائم ہوئے جن میں مذہبی نظموں کا ایک کثیر سرمایہ موجود ہے۔ اٹھارھویں صدی میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ ساتھ ہندی ادب کو بھی زوال ہوا۔ اسی وجہ سے اس صدی میں اچھے شعراء کا وجود نہیں ملتا جنھوں نے کوئی خاص شہرت حاصل کی ہو۔

انیسویں صدی کے شروع میں یوروپین تہذیب سے متاثر ہوکر ہندی ادب نے ایک نیا راستہ اختیار کیا۔ سلطنت مغلیہ کے زوال، اور مرہٹے طاقت کے کمزور ہوجانے سے انگریزی تہذیب ہندوستان میں روز افزوں ترقی کرنے لگی۔ ہندوستانی ادب بھی اس سے متاثر ہوا اور ادب میں جدید تبدیلیاں ہونا شروع

ہوئیں جو اب تک جاری ہیں۔ ہندی میں نظم کے ساتھ ساتھ نثر کی بنا پڑی۔
للوجی لال نے جدید ہندی نثر کی داغ بیل ڈالی اور ایک ادبی زبان
پیدا کی۔ کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا جس میں بہت سی کتابوں
کا ہندی میں ترجمہ ہوا۔ چھاپہ خانوں کی ایجاد سے بھی ہندی ادب
کی توسیع میں آسانی ہوئی۔ ہریش چندر نے ہندی نظم کو نئے سانچے
میں ڈھالا اور از سرِ نو زندہ کیا۔ ہندی کے اخبار و رسائل جاری ہوئے۔
لُغت ترتیب دئے گئے۔ تصنیف و تالیف ہونے لگی۔ غرضیکہ ہندی
زبان کا سرمایہ اب اتنا ہے کہ اُسے کسی ادبی زبان کے پہلو بہ پہلو بٹھایا
جا سکتا ہے۔

ہندی ادب کے ادوار

ہندی تذکرہ نویسوں نے ہندی ادب کے چار دور قائم کئے ہیں:-
پہلا دور- ویرگاتھا کال (ادکال)۔ سنہ ۹۹۳ء تا سنہ ۱۳۱۹ء۔
دوسرا دور- بھگتی کال (پوروودکال) سنہ ۱۳۱۹ء تا سنہ ۱۶۴۳ء۔
تیسرا دور- ریت کال (اُترمدکال) سنہ ۱۶۴۳ء تا سنہ ۱۸۴۳ء۔
چوتھا دور- گدّ کال (ورتمان) سنہ ۱۸۴۳ء تا حال۔
یہ تقسیم مناسب ہے اس لئے یہی اختیار کی گئی ہے۔

پہلا دور
ویرگاتھا کال یا ادکال

ویر سے بہادر اور گاتھا سے تاریخ مراد ہے۔ اس طور سے ویرگاتھا کال سے مراد بہادروں کی تاریخ کے زمانے سے ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ ہندوستان بیرونی حملوں کا پے در پے شکار ہو رہا تھا اور اس سے مختلف اقوام نے گھوڑ دوڑ کا میدان بنا رکھا تھا۔ آئے دن کے حملوں اور روز کی جنگوں کی وجہ سے وہ شجاعت جو

اس وقت کے باشندوں میں بھی اب مفقود ہے۔ راجپوت راجاؤں کے دربار میں بھاٹوں (گویّے شاعروں) کا وجود زمانہ قدیم سے ملتا ہے جن کا کام صرف یہ تھا کہ وہ اپنے آقا کی بہادری کے افسانے سنائیں اور ایسے اشعار پڑھیں جنھیں سُن کر انسان بہادری کی طرف مائل ہو۔ اسی لئے اس وقت کی شاعری زیادہ تر شجاعت اور بہادری کے نغموں سے لبریز ہے۔

یہی وہ زمانہ ہے جب کہ ہندی زبان اپابھرنش سے وجود میں آ رہی تھی۔ اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ ہندی شاعری کی پرورش پہلے پہل میدانِ جنگ میں ہوئی۔ اس واسطے اس تو عمر کی زبان سے جو ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکلے، وہ شجاعت سے خالی نہ تھے۔ اس وقت چونکہ لوگوں کا خیال زیادہ تر لڑائیوں کی طرف مائل تھا۔ اس لئے شعراء کے خیالات کا بھی کسی اور طرف جانا ممکن ہی نہ تھا۔ تمام شعراء صرف شجاعت اور بہادری کے نغمے ہی گاتے تھے۔ اگر کسی شاعر نے اپنی فکر کسی اور طرف کی تو وہ زیور قبول سے آراستہ نہ ہوئی۔ کیونکہ اس وقت صرف شجاعت ہی باعث توجہ تھی۔ انھیں وجوہ سے اس زمانہ کے شعراء کا کلام شجاعت۔ دلیری اور بہادری کے جذبات و مضامین سے لبریز ہے۔ اسی لئے اس زمانہ کو ویر گاتھا کال سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اس دور کے کلام کو بغور دیکھا جائے تو کہیں کہیں شجاعت اور بہادری کے ذکر کے ساتھ ساتھ عشقیہ مضامین بھی ملتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر

لڑائیاں عورتوں کی خاطر ہوئیں اور شاعر صنف نازک کے حسن کی تعریف کئے بغیر اپنی نظم کو دلکش نہیں بنا سکتا تھا۔ اس لئے کہیں کہیں شعراء کے کلام میں عشقیہ خیالات کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔

اس عہد کی شاعری پر جب تبصرہ کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ شعراء اپنے مربیوں کی خوشی اور انعام حاصل کرنے کے لئے ایسے مبالغے اور ایسی تشبیہیں صرف کر گئے ہیں جو ادب کی نزاکت و نفاست کو گوارہ نہیں۔

اس زمانہ کی ویرگاتھائیں دو قسم کی ہیں۔ پربندھ کاؤ یعنی مثنویات اور گیت کاؤ یعنی نغمات موسیقی۔

پربندھ کاؤ میں سب سے پہلی کتاب کھماں راسو ہے جو نویں صدی عیسوی میں لکھی گئی۔ لیکن اس کتاب کا اس وقت جو نسخہ موجود ہے اس میں کچھ نظمیں الحاقی معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ بعض نظمیں، مہارانا پرتاب سنگھ کے متعلق ہیں جو اس زمانہ کے بہت بعد کو ہوئے ہیں۔ اس کاؤ کی دوسری مشہور کتاب چند ربردائی کی پرتھی راج راسا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ اپنی صنف میں نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ لیکن مہابھارت۔ رامائن۔ الیڈ اور اوڈیسی یا شاہ نامہ فردوسی کے مقابلہ میں نہیں لائی جاسکتی۔ چند ربردائی کے ہمعصر کیدار، بھٹ کی جے چند پرکاش۔ سارنگ دھر کی ہمیر راسو اور نل سنگھ کی وجے پال راسو بہترین تصانیف ہیں۔

گیت کاؤ میں نرپت ناہلہ (नरपतिनाल्ह) کی نظم بیسل دیو راسا سنہ ۱۱۵۶ء کی تصنیف ہے۔ اس میں بیسل دیو کی شادی اور اڑیسہ جانے کا ذکر ہے۔ اس کاؤ کی دوسری نظم آلھا کھنڈ ہے۔ اس کا مصنف جگ نائک ہے۔ یہ نظم اپنے اصلی روپ میں نہیں ہے۔ اس زمانے میں بھوشن اور لال دو زبردست شاعر گذرے ہیں جنھوں نے اپنے اشعار میں تشبیہات و استعارات کا استعمال کیا ہے۔ باوجودیکہ اب دوسرے کال کا آغاز ہو چکا تھا اور لوگوں کے خیالات اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ مگر یہ دونوں شاعر اپنی پرانی روش پر چلتے رہے۔

اب اس دور کے شعراء اور ان کی تصانیف پر ذرا مفصل تبصرہ کیا جاتا ہے۔ زمانۂ قدیم سے یہ طریقہ رائج تھا کہ ہر راجہ کے دربار میں ایک نہ ایک درباری شاعر ہوا کرتا تھا جن کا کام اپنے آقا کے بہادری کے گیت گانا تھا۔ انھیں بھاٹ کہا جاتا تھا۔ ان کے کئی فرقے تھے۔ مثلاً چارن بھاٹ۔ بنجولی وغیرہ۔ چارن اور بھاٹ دونوں فرقے اپنے کو برہمن کہتے تھے۔ پہلے پہل انھوں نے اپنے گیتوں میں مقامی پراکرت استعمال کی جو رفتہ رفتہ جدید زبان ہو گئی۔ ان بھاٹوں نے بہت سی منظوم تصانیف سنہ ء اور سنہ ۱۱۵ء کے درمیان کہیں۔ جن میں سے چند شعراء کے نام یہ ہیں:-

لیشیا کوی۔ کیدار۔ اناتیا داس۔ مسعود۔ قطب علی۔ اکرم فیض وغیرہ۔ افسوس ہے کہ ان کا کلام معدوم ہو گیا۔ اس لئے وثوق کے ساتھ یہ

نہیں کہا جاسکتا کہ جو زبان انھوں نے استعمال کی وہ مقامی پراکرت یا جدید زبان تھی۔ راجہ میواڑ کے یہاں ایک کتاب موجود ہے جسے "کہمان راسئے" کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب سولھویں صدی کی لکھی ہوئی ہے اور نویں صدی کی اصل کہمان راسو کی نقل بتائی جاتی ہے۔ چونکہ اصل کتاب مفقود ہے اس لئے اس امر کی تصدیق نہیں ہوتی کہ آیا یہ کتاب اصل کہمان راسا کی نقل ہے۔ سنہ ۱۱۴۳ء میں گجرات کا راجہ کمار پال تھا جس کا دارالسلطنت انہلواڑ تھا۔ یہ راجہ سنہ ۱۱۵۹ء میں ایک شاعر ہیم چندر کی تحریک پر جینی ہو گیا۔ اس کی تشریح ہیم چندر نے اپنی کتاب دکمار پال چرتر میں لکھی ہے۔ یہ منظوم ہے اور پراکرت زبان استعمال کی گئی ہے۔ اسی نام کی ایک اور کتاب بھی موجود ہے جس میں حال کی زبان استعمال کی گئی ہے۔ یہ کتاب تیرھویں صدی کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔

سنہ ۱۰۱۰ء میں بیسل دیو اجمیر کا راجہ تھا جس پر محمود غزنوی نے حملہ کیا۔ اس کے متعلق بھی ایک کتاب "بیسل دیو راسا" موجود ہے۔ یہ بھی تیرھویں صدی کی تصنیف معلوم ہوتی ہے کیونکہ زبان قدیم نہیں ہے۔ تاوقتیکہ ان نظموں کی صحیح تاریخ تصنیف معلوم نہ ہو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آیا موجودہ زبان اور پراکرت میں کیا فرق تھا۔ "پرتھوی راج راسا" جو سنہ ۱۱۹۱ء میں تصنیف ہوئی اس کے متعلق گریرسن کی رائے ہے کہ اس میں آپابھرنش سورسینی پراکرت بہت کافی شامل ہے۔ اور اس وجہ سے موجودہ ہندی زبان کی ابتدا کو بارھویں صدی سے

پہلے قرار دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

ہندی ادب کے بعض تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ ہندی کا وجود آپابھرنش بھاشاؤں کے بعد ہوا۔ لیکن اس کا صحیح صحیح اندازہ مشکل ہے کہ آپابھرنش کب ختم ہوئی اور ہندی کب پیدا ہوئی کیونکہ زبانوں کی پیدائش یکایک نہیں ہوا کرتی بلکہ صدیاں لگ جاتی ہیں۔ جب زبان عام بول چال سے گذر کر لکھنے پڑھنے کے استعمال میں آتی ہے اسی وقت سے اس کی ادبی حیثیت خیال کی جاتی ہے۔

بعض ہندی ادیبوں نے ہندی کی پیدائش ساتویں صدی بکرمی بتائی ہے اور اس کے ثبوت میں پشپا کوی کی ایک کتاب کا حوالہ دیا ہے جو اسی صدی کی لکھی ہوئی بتائی جاتی ہے، لیکن یہ قول مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر قابل قبول نہیں ہے:۔

(۱) جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے وہ معرض وجود میں نہیں آئی اور نہ اس کی چھوٹی سی چھوٹی عبارت دیکھنے میں آئی۔

(۲) اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ کتاب ہندی زبان میں لکھی جا چکی تھی اور ہندی ادبی زبان بن چکی تھی تو اس کے بعد دو صدی تک کسی دوسری ہندی کتاب کا وجود میں نہ آنا اس کی نفی کر دیتا ہے۔

(۳) آٹھویں۔ نویں اور دسویں صدی بکرمی میں آپابھرنش کتابوں کا وجود ہے اور چونکہ ہندی کا وجود آپابھرنش بھاشا کے ختم ہونے کے بعد ہوا اس لئے پشپا کوی کی اس کتاب کا ساتویں صدی بکرمی میں

تصنیف ہونا ناقابل یقین ہے۔

(۴) بارھویں صدی میں ہیم چندر کی ایک کتاب ہندی صرف و نحو میں موجود ہے جس میں تمام امثلہ آپابھرنش بھاشا کی دی ہوئی ہیں۔ اگر ہندی زبان ادبی شکل اختیار کر چکی ہوتی تو اس کتاب میں آپابھرنش بھاشا کی امثلہ دینے کے بجائے ہندی زبان کے نمونے ہوتے۔

وجوہات مندرجہ بالا سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہندی کا وجود گیارھویں صدی بکرمی سے پہلے نہ تھا۔

پرتھی راج راسا

یہ چاند بردائی کی ایک نظم ہے جو ۶۹ جلدوں میں ہے۔ اس میں ایک لاکھ بند ہیں۔ یہ پرتھوی راج کی زندگی اور اس کے عہد کی نہایت مکمل غیر مستند تاریخ ہے۔ پرتھوی راج جس کا زمانہ ۱۱۵۹ء لغایتہ ۱۱۹۲ء ہے۔ اجمیر اور دہلی کا چوہان راجہ تھا جو ترائن کی لڑائی میں مارا گیا۔ اُسے ادب سے کافی ذوق تھا۔ اس کے دربار میں اننیہ داس (अनन्य) کے علاوہ چاند بردائی بھی تھا جو قدیم بھاٹ خاندان کا ایک فرد تھا۔ بعضوں کا یہ قول ہے کہ یہ سور داس کی اولاد سے تھا۔ پرتھوی راج کے دربار میں آ کر وہ وزارت کے عہدے تک پہنچا اور ملک الشعراء کا خطاب پایا۔ اس کا کلام سترھویں صدی میں میواڑ کے امر سنگھ نے جمع کیا تھا۔ اس کے کلام میں موجودہ زبان کی جھلک ضرور ہے لیکن متاخرین کا رنگ زیادہ نمایاں ہے۔ یہ کتاب چاند بردائی کا خاص کارنامہ ہے۔

اس کتاب میں پرتھوی راج اور سلطان شہاب الدین کی پے در پے جنگوں کا ذکر ہے جو غیر تاریخی واقعات سے پُر ہے۔ شاہان مغلیہ کی آمد ان کی واقعی آمد سے تیس سال پہلے کی دکھائی گئی ہے۔ اس لئے ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ کتاب اس وقت کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس کتاب میں بعض محاورات ایسے پائے جاتے ہیں جو اَب متروک ہیں۔ یہ کتاب ہندی نظموں کی کتابوں میں سب سے قدیم ہے۔ چونکہ اس میں متروک الفاظ و محاورات کی کثرت ہے اس لئے اس کا پڑھنا اور سمجھنا آسان نہیں۔ لیکن ایسے شائقین جنھوں نے اس کو اچھی طرح پڑھا اور سمجھا ہے شاعر کی قابلیت کی داد دیتے ہیں۔ یہ کتاب لسانی تحقیق کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ مثال۔

चन्द

कबी काब्य चंदं सुमाधौ नरिंदं ।
सुरंतान भहं मधू-माद ईदं
कबी एक भंडी भि डिंभी प्रमाने,
किते तार झंकार विद्या सुजानं
(पृथ्वीराज रासो)

کَبی کَبّ چَنّدم سماد ھَو نرِندم — سُرنتان بَھتّم مَدھُو مادھ اندم
کَبی ایک کھنڈی بہ ڈمبھی پرمانم — کِتے تار جھنکار ودیا سجانم
(از پرتھی راج راسو)

ترجمہ۔ چند کہتا ہے کہ مادھوراج نام کوی سلطان شہاب الدین غوری کا ایک بھاٹ تھا جو شراب کے نشہ میں عمدہ اور خراب دونوں خصوصیات سے متصف تھا۔ وہ کوی مانند ایک بھانڈ کے تھا اور ظاہرا متعصب تھا۔ وہ تاروں کی جھنکار کا علم بھی جانتا تھا۔

چاند بردائی کا بیٹا جلہن जल्हन، بھی شاعر تھا۔ خیال ہے کہ اس نے بھی اس کتاب کی تکمیل میں اپنے باپ کا ہاتھ بٹایا۔

جگ نایک

یہ چاند بردائی کا ہمعصر مہوبے کے راجہ کا درباری شاعر تھا۔ اس نے ایک نظم مہوبا کھنڈ لکھی ہے جو اب معدوم ہے۔ اس کا کچھ حصہ لوگوں کو زبانی یاد ہے۔ لیکن اس کی زبان ضرورت کے مطابق تبدیل ہوتی گئی۔

یہ نظم اب بھی آلہ کھنڈ کے نام سے خصوصاً برسات میں گائی جاتی ہے۔ اس کا ترجمہ انگریزی میں بھی ہو چکا ہے۔

سارنگ دھر

چودھویں صدی کے وسط میں سارنگ دھر بھی ایک بھاٹ گذرا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ چاند بردائی کے خاندان سے تھا۔ اس کی دو نظمیں ہمیر راسا اور ہمیر کوتا خاندان رنتھمبور کی مشہور تاریخیں ہیں۔ ہمیر و علاؤالدین کے درمیان جنگ۔ ہمیر کا علاؤالدین کے ہاتھوں مارا جانا نہایت عمدہ طریقہ سے دکھایا گیا ہے۔ یہ دونوں نظمیں اس دور کی ہندی زبان میں ہیں۔

یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشہور بھاٹوں کا ذکر ان کے دربار کے لحاظ سے کر دیا جائے۔

میواڑ کے بھاٹ

رانا جگت سنگھ راجہ میواڑ کے وقت کی ایک کتاب جگت بلاس ایک نامعلوم بھاٹ کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد رانا راج سنگھ کے زمانہ میں بھی جو شعراء کا بڑا سرپرست اور مُربّی تھا ایک کتاب راج پرکاش ایک نامعلوم بھاٹ کی لکھی ہوئی ہے۔ مان اس کا درباری شاعر تھا جس نے راج دلیو بلاس لکھی۔

اس کتاب میں اورنگ زیب اور راج سنگھ کی لڑائی کا ذکر ہے۔ اس کے دربار میں ایک اور شاعر سدا آشیو بھی گذرا ہے جس نے اپنے مُربّی کے سوانح حیات راج رتناکر میں لکھے ہیں جو ۱۶۶۰ء کی تصنیف ہے۔ رانا راج سنگھ کا بیٹا رانا جے سنگھ بھی شعراء کا سرپرست تھا۔ اس کے زمانہ میں ایک کتاب جے دلیو بلاس لکھی گئی جس میں اُس کی سلطنت کے راجاؤں کا حال ہے۔ اسی زمانہ میں رنچھو تے ایک کتاب راج پتانہ لکھی تھی۔

مارواڑ کے بھاٹ

مارواڑ میں بھی میواڑ کی طرح شاعروں کی بڑی قدر تھی۔ مہاراجہ سور سنگھ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک دن میں ۶ لاکھ روپیہ اپنے ۶ درباری شاعروں کو تقسیم کئے۔ اس کا بیٹا گج سنگھ اور پوتا امر سنگھ بھی شعراء

کا بڑا قدر دان تھا۔ امر سنگھ اپنے باپ سے لڑنے کی بناء پر جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ یہ شاہجہاں کے دربار میں حاضر ہوا اور اس کے قتل کی سازش کی مگر خود قتل کر دیا گیا۔ امر سنگھ کے زمانہ میں بنواری لال اور رگھوناتھ رائے ۱۶۳۴ء میں مشہور شعراء تھے۔

مہاراجہ اجیت سنگھ راجہ جودھپور کے زمانہ میں ایک کتاب "راج روپک اکھیات" لکھی گئی ہے جس میں اس کے خاندانی حالات درج ہیں۔ مہاراجہ ابھے سنگھ کے زمانہ میں کرن ایک بہت مشہور شاعر گزرا ہے جو بھاٹ تھا اور جودھپور کا رہنے والا تھا۔ اس نے ایک نظم سورج پرکاش لکھی جو ۱۶۳۸ء لغایۃ ۱۷۳۱ء کے واقعات کی تاریخ ہے۔ اس میں سات ہزار پانچسو اشعار ہیں۔ مہاراجہ وجے سنگھ راجہ جودھپور بذات خود ایک اچھا شاعر تھا۔ اس کے زمانہ میں وجے بلاس لکھی گئی جس میں ایک لاکھ اشعار ہیں۔ اس میں اجے سنگھ اور اس کے چچازاد بھائی رام سنگھ کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں ان کا ذکر ہے۔

دیگر درباروں کے بھاٹ

میواڑ اور مارواڑ کی طرح بھاٹوں کا وجود دوسرے درباروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ جگت سنگھ راجہ مہوبا نے جو بغاوت شاہجہاں کے خلاف کی تھی اس کی منظر کشی ایک مشہور بھاٹ گمبھیر رائے نے کی تھی۔

راجہ اُدے سنگھ کے پرپوتے راؤرتن کے زمانہ میں ایک نامعلوم بھاٹ نے راؤرتن راسطا اس خاندان کی ایک تاریخ لکھی۔ جے سنگھ سوائی مہاراجہ جے پور شعراء کا سرپرست اور مُربی تھا۔ یہی نہیں بلکہ اُس نے اپنی ایک خود نوشت سوانح عمری جے سنگھ کلپا درم لکھی۔ مہاراجہ نمرانہ کے حکم پر جودھ راج برہمن نے ۱۷۲۸ء میں ہمیر کاویہ لکھی۔ جس میں انھیں واقعات کا اعادہ کیا گیا ہے جن کو سارنگ دھر بھاٹ نے چودھویں صدی میں لکھا تھا۔ ہری کیش بھاٹ۔ راجہ چھتر سال۔ راجہ پتا کے دربار میں تھا۔ اس نے بہادری کے کارنامے نہایت خوبی سے نظم کئے ہیں۔ مہاراجہ بھرت پور کا بیٹا سورج مل، سوداں برہمن کا مربی تھا۔ اس نے سجان چرتر لکھی جس میں ایک معرکہ کا حال ہے جو سورج مل کو پیش آیا۔ سوداں نے واقعاتی شاعری جسے مثنوی کہہ سکتے ہیں اچھی کی ہے خصوصاً میدانِ کارزار کی تیاریاں خوب دکھائی ہیں۔ لیکن لال کوی معرکۂ کارزار کی تصویر کشی میں سوداں سے زیادہ کامیاب ہوا ہے۔ مہاراجہ دربھنگہ کے دربار میں بھی بھاٹ تھے مگر انھوں نے بہاری زبان میں شاعری کی ہے۔

لال کوی

لال کوی۔ بندیلکھنڈ کے راجہ چھتر سال کے زمانہ میں گذرا ہے۔ راجہ بذات خود شاعر تھا اور شعراء اور ادیبوں کا مربی بھی۔ لال کوی کا پورا نام گورے لال پروہت تھا۔ برج بھاشا میں اس نے ایک کتاب چھتر پرکاش لکھی ہے جو راجگان بندیلکھنڈ

کی مکمل تاریخ ہے۔ اس میں راجہ چھتر سال اور ان کے باپ کے حالات بہت تفصیل سے درج ہیں۔ لال کوی اپنے زمانہ کا مشہور شاعر تھا۔ معرکۂ کارزار کی منظر کشی میں وہ سب پر سبقت لے گیا ہے۔ مثال

लाल कवि

एक रदन सिंदुर बदन, दुरबुधि तिमिर दिनेश।
लम्बोदर असरन सरन, जै जै सिद्धि गनेश।
(छत्र-प्रकाश)

ایک رَدن سِندُھر بدن۔ دُربُدھ تمر وینیش
لمبودر اسرن سَرن جے جے سِدہ گنیش
(از چھتر پرکاش)

اس دوہے میں شاعر نے گنیش جی کا ایک سراپا اور تعریف کی ہے۔ کہتا ہے کہ جن گنیش جی کا مُنہ مانند ہاتھی کے ہے جو بے وقوفوں کی عقل کو درست کرتے ہیں۔ جن کا پیٹ لمبا ہے اور جو بے پناہوں کی پناہ ہیں اُن کی جے ہو۔

بھاٹوں کے کارناموں کے علاوہ جن کا ذکر اس باب میں آ چکا ہے۔ اس دَور میں اور بھی بہت سے شعراء گذرے ہیں جنھوں نے فلسفۂ ویدانت۔ اصولِ مذہب جین۔ اخلاقی نظموں۔ مذاحیہ نظموں، تدوین لغت، علم زراعت، علم نجوم، علاج الحیوانات وغیرہ پر خامہ فرسائی کی ہے۔ ان میں سے مشاہیر کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

نام مصنف یا شاعر	سنہ ع	نام کتاب یا خصوصیت
ناتھ کوی	۱۵۸۴	برج بھاشا میں شاعری کی موضوع ہندوستان کے موسم۔
مبارک علی (بلگرامی)	۱۵۸۳	برج بھاشا میں چھوٹی چھوٹی نظمیں کہیں جو اب تک رائج ہیں۔
بنارسی داس	۱۵۸۶	جونپور کا رہنے والا برج بھاشا کا اچھا شاعر تھا۔
سری دھر (شمال)	۱۶۲۳	"بھوانی چھند" درگا کے مدح میں لکھی۔
گھاسی رام	۱۶۲۳	اخلاقی شاعری کی ہے۔
پوہاکر	۱۶۳۴	"رس رتن" نظم لکھ کر قید سے رہائی پائی۔
دامودر داس	۱۶۶۰	"مارکنڈے پران" کا ترجمہ راجستھانی میں کیا۔
سیتل سنگھ	۱۶۷۰	اس نے مہابھارت کے چوبیس ہزار اشعار کا ہندی میں ترجمہ کیا۔ یہ شاہی خاندان سے تھا۔
موتی رام	۱۶۸۳	مادھونل کی کہانی برج بھاشا میں ترجمہ کی جس کا ترجمہ اردو میں للولال جی نے کیا۔
گھاگھ	۱۶۹۶	زراعت پر۔ اس کے حکیمانہ اقوال شمالی ہند میں بہت مشہور ہیں۔

نام مصنّف یا شاعر	سنہ ؁	نام کتاب یا خصوصیت
چھتر	۱۷۰۰	"وجے مکتا دلی" مہابھارت کا خلاصہ کیا۔
گنگاپتی	۱۷۱۹	ہندو مذہب کا فلسفہ "گیان بلاس" کے نام سے کیا۔ یہ مکالمہ کی صورت میں ہے جو گرو چیلے کے درمیان ہے۔
کرپارام	۱۷۲۰	راجہ جے پور کا درباری شاعر تھا علم نجوم پر ہندی میں کتاب لکھی۔
گردھر (مثال)	۱۷۱۳	اخلاقیات پر نظمیں لکھیں۔ کنڈلیا بحر کا ماہر تھا۔ سادگی اور روزمرّہ اس کا جوہر ہے۔ بعض اشعار ضرب المثل بن گئے ہیں۔
ناگری داس (مثال)	۱۷۲۳	اصلی نام ساونت سنگھ تھا کشن گڈھ کا راجہ بڑے پایہ کا شاعر تھا۔
نور محمد (مثال)	۱۷۴۲	"اندراوتی" ایک نہایت عمدہ نظم لکھی۔
رام چندر	۱۷۸۲	چرن چندر کا پانچ جلدوں میں لکھی جو پاربتی کی عزّت کے متعلق ہے۔ باعتبار شاعری یہ کتاب اس کا شاہکار سمجھی جاتی ہے۔

زمانۂ قدیم کے بھاٹ اور ان کے جانشینوں کا سلسلہ طویل ہے۔ جنھوں نے ویر گاتھا کال میں شاعری کی ہے۔ ان کے کارنامے ادبی حیثیت سے وقیع نہیں۔ تاریخ کے حقائق سے بے نیاز ہو کر ناظم یا افسانہ ساز کی حیثیت سے اپنے زمانہ کے حالات خوب لکھے جو زیادہ تر ناقابل قیاس قصص و حکایات پر مبنی ہوتے تھے۔ تاہم اس وقت کے ماحول کا صاف نہ سہی دھندلا سا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

فہرست متذکرہ میں جن شعراء کے نام کے ساتھ (امثال) لکھا ہے ان کے کلام کے نمونے معہ مقدمہ ترجمہ پیش کئے جاتے ہیں:۔

नूर मुहम्मद

सब काहू धन आज्ञा माना । फुलवारी दिस कीन्ह पयाना ।
इन्द्रावति रथ अपर चढ़ी । दूनो बढ़ी रूप को बढ़ी ।
चली मानसों ब्राह्मन बारी । बनियाइन नायून पटहारी ।
चली सोनारिन कंचन बरनी । रजपूती खतरिन मनहरनी ।
लोनी धन हलवाइन भली । अधर मिठाई बाटत चली ।

चली सहेली सुन्दरी, इन्द्रावति के संग ।
गीत बसन्ती गावतैं, पहिरे दुकूल सुरंग ।

(इद्रावती से)

سب کاہو دھن آگیا مانا — پھلواری دس کینھہ پیانا
اندراوت رتھ اوپر چڑھی — دونو بڑھی روپ کو بڑھی

چلی مان سون برہمن باری　　بنے آئن نائن بیٹ ہاری
چلی سنارِن کنچن بَرنی　　رجپوتی کھترن من ہرنی
لونی دہن حلوائن بہلی　　آدھو مٹھائی بانٹت چلی
چلیں سہیلی سُندری اندراوت کے سنگ
گیت بسنتی گاوتیں پہیر سے دکل سورنگ

(از اندراوتی) نور محمد

ترجمہ - سبھی حکم بجا لاکر پھلواری کی طرف چل دیں - اندراوتی رتھ پر سوار ہو کر ماں کے ساتھ - برہمنی باری بَنیائین - نائن - پٹوی سنارن - راجپوتنی کھترن اور حلوائی کے ہمراہ چلی - بسنت کے گیت گاتے ہوئے اور رنگین ریشمی کپڑے پہنے ہوئے -

---

गिरिधर कविराय

साईं अपने चित्त की भूलि न कहिये कोइ ।
तब लग मन में राखिये जब लग कारज होइ ।
जब लग कारज होइ भूलि कबहूँ नहि कहिये ।
दुरजन हँसै न कोय आप सियरे ह्वै रहिये ।
कह गिरिधर कविराय बात चतुरन के ताईं ।
करतूती कहि देत आप कहिये नहिं साईं ।

سائیں اپنے چت کی بھول نہ کہئے کوئے
تب لگ من میں راکھئے جب لگ کارج ہوئے

جب لگ کارج ہوئے بھول کبھوں نہیں کہئے
دُرجن ہنسے نہ کوئے آپ سیر سے ہوئے رہئے
کہے گردھر کویرائے بات چترن کے تائیں
کرتوتی کہہ دیت آپ کہئے نہیں سائیں

(گردھر)

ترجمہ - اپنی غلطی کا اظہار اس وقت نہ کرے جب تک کہ کام پورا نہ ہو جائے عقلمندوں کو چاہئے کہ اگر کوئی کم عقل ان کے اوپر ہنستا ہے تو انھیں اس کا خیال نہ کرنا چاہیئے - افعال انسان کی حالت خود ظاہر کر دیتے ہیں - اظہار کی ضرورت نہیں -

---

नागरीदास

जहाँ कलह तहँ सुख नहीं कलह सुखन को सूल ।
सबै कलह इकराज में राज कलह को मूल ।

جہاں کلہہ تھاں سُکھ نہیں - کلہے سُکھن کی سول
سبے کلہہ اِک راج میں - راج کلہہ کو مول

(ناگری داس)

ترجمہ - جس مقام پہ نزاع ہو وہاں آرام و چین نہیں - نزاع آرام و آسائش کو برباد کرتی ہے - تمام نزاعیں حکومتوں میں ہوتی ہیں - اس لئے حکومت نزاع کی جڑ ہے -

श्रीधर

श्रौर रोज भिनसार भयो जब । सज्यो शाहि दीवान खास तब ।।
मिसिल मिसिल ठाड़े श्रमीर सब । लियो मुरुतुजा खान बली श्रब ।।
सैद मुरुतुजाखां बढ़ि श्रायो । शहंशाह तासों फरमायो ।।
फौज साज चाह्यो चित्त लीजे । प्रथम पछाँह पयानो कीजे ।।
हुकुम होतही चले महाबल । सैद मुरुतुजा खान साजि दल ।।
(जंगनामा)

اور روج بھنسار بھیو جب — سجیو شاہ دیوان کھاس تب
مثل مثل ٹھاڑے امیر سب — لیو مرتجا کھاں بلی اب
سیّد مرتجا کھاں بڑھ آیو — شاہنشاہ تاسوں پھرمایو
فوج ساج چھاہیو چت لیجے — پرتھم پچھانہ پیانوں کیجے
حکم ہوت ہی چلے مہابل
سیّد مرتجا کھاں ساج دَل
(از جنگ نامہ سری دھر)

روج = روز۔
دیوان کھاس = دیوان خاص۔
امیر مرتجا کھاں = مرتضیٰ خاں۔
پھرمایو = فرمایو۔

.:—.:<.>—⁝⁝—<.>:.—:.

دوسرا دور

بھگتی کال

سلطان علاؤالدین کی فتوحات کے بعد ہندوؤں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو باہم ہمیشہ دست و گریباں رہا کرتی تھیں ختم ہوگئیں۔ اُن کی شجاعت اور بہادری کی داستانیں نظم کرنے والوں کا مذاق بھی اختتام کو پہنچ گیا۔ ہمیر کے وقت سے ویر گاتھا کم ہوگئی۔ جنگ و پیکار سے جب فرصت ملی تو مذہب نے قدم بڑھایا۔ رجواڑوں کے ختم ہونے سے رعایا بے خانماں ہوگئی۔ پریشانی کے عالم میں صرف دو خیالات پیش نظر تھے۔ مذہب کا تحفظ یا موت۔ ان میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری تھا۔ اس وقت کچھ ایسے شاعر پیدا ہوئے جنھوں نے بے خانماؤں کو تصوّف کے نغمے سُنا کر اُنھیں خدا کی طرف رجوع کیا۔ جس سے اُن کو سکونِ قلب حاصل ہوا اور ہر اس دور ہوا۔ انھیں شعراء کا زمانہ بھگتی کال کہلاتا ہے۔ سوا تین سو برس تک ان کے بھگتی کے گیت فضا میں گونجتے رہے۔ اس زمانہ میں دو قسم کی نظمیں لکھی گئیں۔ نرگنڑ اور سگنڑ۔ نرگنڑ لکھنے والے شعراء خدا کے مادّی وجود کے قائل نہ تھے۔ بلکہ خدا کو اس کے صفات سے متّصف کرتے تھے اور سگنڑ لکھنے والے وہ شعراء تھے جو خدا کی مادّی شکل میں پرستش کرتے تھے۔

تذکرہ نویسوں نے نرگن بھگتی کی بھی دو شاخیں کی ہیں۔ گیان آشری اور پریم آشری یعنی حقیقی اور مجازی۔ پریم آشری کے مشہور شعرا قطبن۔ منجھن۔ ملک محمد جائسی۔ عثمان۔ قاسم۔ نور محمد۔ فاضل شاہ وغیرہ ہیں۔ عشق و محبت ان کا پیغام تھا اور وہ مجاز سے حقیقت کی تعلیم دیتے تھے۔ محبت کے افسانے اور سچے واقعات نظم کر کے لوگوں کو خدا کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اُن کی زبان میں اودھی کی چاشنی ہے

گیان آشری شاخ میں زیادہ تر صوفی شعرا ہوئے ہیں، لیکن اُن کے کلام میں وہ لطف نہیں جو مسلمان صوفی شعرا میں ہے۔ صوفیانہ شاعری زیادہ تر فارس کے خیالات سے متاثر تھی۔ اس کا پودا ہندوستان کی سرزمین و آب و ہوا میں بار آور نہ ہو سکا۔ اسی وجہ سے ہندی ادب میں صوفیانہ شاعری نمایاں نہ ہوئی۔

جنوبی ہند میں رامانج اچاریہ نے ۱۰۱۹ء میں ویشنوی تعلیم کا راستہ جو پہلے تنگ تھا اب کشادہ کر دیا۔ رامانند اور ولبھ اچاریہ نے شمالی ہند میں رامائی اور کرشنائی تعلیم کو عام کیا۔ ان لوگوں کی کوششوں سے یہ تعلیمات پندرھویں اور سولھویں صدی میں ملک کے ہر چہار طرف پھیل گئیں۔ ودیاپتی کی گیت گوبند نے عوام کو سری کرشن سے پہلے ہی روشناس کر دیا تھا۔ لیکن رُجحان اس کی جانب کم تھا جس وقت کہ اہل ہنود نہایت پژمردہ اور دل تنگ ہو رہے تھے، سورداس نے کرشن کے نغمے سُنا کر ان کے دلوں کو اطمینان اور تسلی بخشی۔ اُس نے یہ

نغمے کچھ اس رنگ سے اپنے اکتارے پر بجائے جو رفتہ رفتہ تمام ملک میں گونج اُٹھے۔ اُن کا اثر یہ ہوا کہ بڑے بڑے مہاتماؤں کا دل کرشن کی طرف کھنچ گیا اور وہ بھی وہی راگ الاپنے لگے۔

کرشنائی مسلک کے سلسلہ میں ناگری داس۔ البیلی علی۔ میرا بائی۔ برندابن داس وغیرہ ہم نے ایسے نغمے گائے اور گلشن ہند میں وہ پھول کھلائے جن کی دلکشی اور خوشبو سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ سرشار اور معطر ہے۔ ان شعراء کے کارناموں نے ہندی میں چار چاند لگائے اور ایسے شاہکار برج بھاشا میں چھوڑے جو اب تک ہندی ادب میں موجود ہیں جن سے برج بھاشا کے پُرانے نمونے ہمیشہ قائم رہیں گے۔

اس دور میں کرشنائی مسلک کے ساتھ ساتھ رامائی مسلک بھی ترقی کرتا رہا جس میں تلسی داس نے رام کو حُسن۔ اتقا اور قوت کا مجسمہ قرار دیا ہے۔ اس شاخ کی پرورش کرنے والوں میں نابھا داس۔ پران چند چوہان۔ ہردے رام۔ سینا پتی ہیں اور انیسویں اور بیسویں صدی میں رام چرن داس۔ رگھوناتھ داس۔ رگھوراج سنگھ۔ رام چرتر اپادھیا اور میتھلی شرن گپت وغیرہ ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کی فتوحات کے بعد شمالی ہند میں وشنو تحریک کے ماتحت ہندی زبان میں نئی تبدیلیاں شروع ہوگئیں۔ یہ تحریک تین گروہوں میں تقسیم تھی۔ رامائی۔ کرشنائی اور وہ گروہ جو خدا کے وجود کا قائل مگر وحی کا منکر تھا۔ ہر سہ گروہوں میں چند اصول یکساں تھے۔ مثلاً خدائے واحد کا

وجود جو لائق پرستش ہے اور جس کی عبادت فلاح و بہبودی کا باعث۔ یہ تحریک برہمنوں کے فلسفے اور مذہبی رسوم کے بالکل خلاف تھی۔ یہ تحریک خالص مذہبی تھی اس لئے بہت جلد عوام میں پھیل گئی۔ وہ تمام کتابیں جو اس تحریک کے ماتحت لکھی گئیں سنسکرت کے بجائے ہندی زبان میں تھیں، ہندی ادب کے لئے یہ نہایت اہم اور مفید تبدیلی تھی۔

گوکہ مذہبی تحریک کا آغاز رامانند کے زمانہ سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ لیکن یہ مسلّمہ امر ہے کہ رامانند نے شمالی ہند میں اس تحریک کی توسیع و اشاعت میں کارہائے نمایاں کئے۔ اسی تحریک کے ماتحت سنہ ۱۶۰۴ء میں گرو ارجن نے سکھوں کا آدی گرنتھ لکھا تھا جو اَب تک موجود ہے اور جو اسی تحریک کے زمانے کا ادبی نمونہ ہے۔ اس گرنتھ میں بہت سے بھگتوں کی نظمیں محفوظ کی گئی ہیں جن میں سے سدنا اور نامدیو مشہور ہیں۔ سدنا پندرھویں صدی میں گذرا ہے جو بھیڑ بکری ذبح کیا کرتا تھا۔ بعد میں اس نے اس کام کو ترک کر دیا اور بھگت ہو گیا۔ اس گرنتھ میں اس کی صرف دو نظمیں ہیں۔ نامدیو مرہٹی تھا۔ یہ ذات کا درزی تھا۔ اُن قصص و حکایات سے جو اس کے متعلق موجود ہیں معلوم ہوتا ہے کہ بچپن کے زمانہ میں وہ نہایت متقی تھا لیکن جوانی میں ایک عرصہ تک ڈاکوؤں کے گروہ میں شامل ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے ان افعال سے توبہ کی اور پھر متقی ہو گیا۔ اُس نے کثیر تعداد میں مرہٹی زبان میں نظمیں لکھی ہیں۔ مرہٹی زبان کے علاوہ ہندی میں بھی اس نے شاعری کی ہے۔ اس کی بہت سی نظمیں گرنتھ میں موجود ہیں۔

نامدیو کے کارنامے وشنو تحریک میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

رامانند

رامانند کا زمانہ سنہ ۱۴۰۰ء و سنہ ۱۴۷۰ء کے درمیان ہے۔ وہ تارک الدنیا تھا۔ سنہ ۱۴۳۰ء میں اُس نے رام کی پرستش کے لئے لوگوں کو ترغیب دی۔ اس کا خیال تھا کہ صرف رام کی پرستش ہی مخلوق کو آواگون کی خرابیوں سے نجات دلا سکتی ہے۔ اُس کی پرستش کے لئے خلوص قلب اور یک جہتی لازمی ہے۔ یہ تحریک ملے کر چونکہ اس کے پیشرو بھگت راستہ تیار کر چکے تھے اس لئے اُنسے اس کی توسیع میں زیادہ دقّت نہ اُٹھانی پڑی اور بہت جلد نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ اُس نے بنارس کو اپنی قیام گاہ بنایا جو اس تحریک کا صدر مقام تھا۔ رامانند کی شخصیت شمالی ہند کی مذہبی تحریک میں نہایت نمایاں ہے۔ اس کی اس تحریک سے صرف رامانندی فرقہ ہی وجود میں نہیں آیا، بلکہ انھیں اصول کی بناء پر اور بھی بہت سے فرقے پیدا ہو گئے۔ بحیثیت مصنّف رامانند کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔ اُس نے بہت سی نظمیں ہندی میں لکھی ہیں جن میں سے چند آدی گرنتھ میں موجود ہیں۔ رامانند بُت پرستی کا مخالف تھا۔ خدائے واحد پر ایمان رکھتا تھا۔ اُس کا عقیدہ تھا کہ خدا محض روح ہے۔ ہماری آنکھیں اُسے نہیں دیکھ سکتیں۔ اُسے وہ رام کے نام سے موسوم کرتا تھا۔ اس عقیدے کے باوجود بھی اس نے بُت شکنی نہیں کی اور نہ

ہندو مذہب کی پرانی روایات کو ٹھکرایا اور نہ ذات پات کے طریقہ کو نیست و نابود کیا۔ دوسرے بھگتوں کی طرح وہ اس کا قائل تھا کہ اچھوت بھی خدا کی عبادت کرکے بہتر ہو سکتے ہیں۔ اس کے شاگردوں میں شودر۔ جاٹ۔ برادری سے خارج شدہ لوگ بھی تھے۔ اس کے کسی فعل سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس نے ذات پات کے قوانین میں کوئی ترمیم کی ہو۔ ہندی ادب رامانند کی اس تحریک کا صرف اس قدر رہین منت ہے کہ اس تحریک کے ذریعہ سے ہندی زبان کے پھیلنے میں بہت آسانی ہوئی۔ رامانند نے سنسکرت کا استعمال بالکل چھوڑ دیا جس سے ہندی ادب میں کافی ترقی ہوئی۔

رامانند کے شاگرد

رامانند کے شاگردان خصوصی بارہ ۱۲ بتلائے جاتے ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل کا کلام محفوظ ہے:۔

(۱) پیپا۔ یہ گگاروں گڑھ کا راجہ تھا۔ ۱۴۲۵ء میں پیدا ہوا۔ رامانند کا چیلہ ہونے کے بعد سلطنت سے دستکش ہو کر بھگت ہو گیا۔

(۲) دہانا۔ یہ قوم کا جاٹ تھا۔ ۱۵۱۴ء میں پیدا ہوا۔

(۳) سین۔ راجہ دلوا کے دربار کا حجام تھا۔ ان تین شاگردوں کے کلام میں سے چند نظمیں آدی گرنتھ میں موجود ہیں۔

(۴) بھاوانند بھی اس لحاظ سے مشہور ہے کہ ایک کتاب امرت دھار ہندی زبان میں لکھی جس میں کہ اس نے فلسفۂ ویدانت کی شرح کی ہے۔ یہ کتاب چودہ ۱۴ ابواب پر مشتمل ہے۔

(۵) رائے داس۔ قوم کا چمار تھا۔ ایک زبردست بھگت گذرا ہے۔ اس کی تیس سے زیادہ نظمیں آدی گرنتھ میں موجود ہیں۔

(۶) کبیر۔ یہ رامانند کا شاگرد رشید تھا۔ بلحاظ قومیت جولاہا تھا۔ اس کی پیدائش و پرورش کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ ایک برہمن بیوہ کا لڑکا تھا جس کو بیوہ نے اپنے فعل کو چھپانے کی غرض سے نہر یا تالاب کے قریب ڈال دیا تھا جو بنارس کے قریب ہے۔ اس بچے کو ایک مسلمان جولاہے نے جس کا نام نیرو تھا دیکھا اور اپنے گھر لے آیا اور اس کی بیوی نیما نے اپنے بچوں کی طرح اس کی پرورش کی۔ کبیر ابھی کمسن ہی تھا کہ ہندو اور مسلمان دونوں اس سے ناراض ہو گئے، ہندو اس وجہ سے کہ وہ نیچ ذات ہوتے ہوئے جنیو پہنتا تھا اور مسلمان اس لئے کہ وہ مسلمان ہوتے ہوئے ہندو دیوتاؤں کے نام لیا کرتا تھا۔ اس کو لوگ اکثر نگورا (بے گرو) کہتے تھے۔ اس داغ کو مٹانے کے لئے اس نے رامانند کی شاگردی اختیار کرنی چاہی لیکن اُسے خوف تھا کہ کہیں رامانند اُسے اپنی شاگردی میں لینا پسند نہ کرے۔ چنانچہ اس نے یہ ترکیب کی کہ ایک رات اُس گھاٹ پر جہاں رامانند آیا کرتا تھا راستہ پر لیٹ رہا تاکہ رامانند ٹھوکر کھا کر گر پڑے اور اگر ایسا ہوا تو رامانند کے مُنہ سے بیساختہ (رام رام) نکل جائے گا۔ کبیر کی یہ تدبیر کارگر ہوئی اور جیسے ہی کہ رامانند نے ٹھوکر لگنے پر رام رام کہا، کبیر ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور کہا "رام نے مجھے آپ کی شاگردی کے لئے بھیجا ہے"۔ رامانند نے کبیر کی یہ بات سُن کر اُسے شاگرد بنا لیا۔ کبیر اپنے گرو کی خدمت میں روزانہ

حاضر ہونے لگا اور اپنے گرو کے اقوال کو اس طرح سے پھیلایا کہ گرو سے بھی سبقت لے گیا۔ کبیر کا مذہب مشتبہ ہوتے ہوئے بھی اس کے خیالات اس کا صاف اظہار کرتے ہیں کہ وہ مذہب اسلام سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ وہ ہندوستان کے اس مذہبی گروہ کا بانی تھا جو خدا کے وجود کا قائل اور وحی کا منکر تھا۔ وہ خدا کے لئے رام، سری، گووند اور اللہ کے الفاظ کا استعمال جائز سمجھتا تھا اور فلسفۂ ویدانت کا قائل تھا لیکن اس نے نہایت زور شور کے ساتھ دیوتاؤں کے وجود، بت پرستی اور ہندو رسومات کے خلاف آواز بلند کی۔ کبیر کے ظاہری اور باطنی اثرات لامحدود ہیں۔ کبیر پنتھیوں کے علاوہ بہت سے دوسرے فرقے بھی اپنے مذہبی خیالات میں کبیر کے پیرو نظر آتے ہیں جن کا ذکر آئندہ آئے گا۔ کبیر کے سوانح حیات کے متعلق مختلف روایات مشہور ہیں لیکن ان کا راست ہونا مشتبہ ہے۔ اسے مذہبی خیالات کا انہماک اکثر اپنے آبائی پیشہ سے بیگانہ رکھتا تھا جس کی وجہ سے اس کے خاندان والے اسے ملامت کیا کرتے تھے۔ ہندو بھی اس سے بدظن تھے کیونکہ وہ ان کی اکثر رسومات کا پابند نہ تھا بلکہ ان سے منحرف تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب مخالف بہت زیادہ ہو گئے تو کبیر نے مجبوراً بنارس چھوڑ کر مگہر ضلع بستی میں اپنی زندگی کے باقی دن گذارے۔ کبیر کی نظمیں لاتعداد ہیں جو اس کے شاگردوں نے زبانی یاد کر لی تھیں، اور جو بعد میں کتابی شکل میں ہم تک پہنچی ہیں۔ ان کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نظموں میں بہت سی ایسی ہیں جو اس کی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس کی نظموں کا وہ مجموعہ جو سکھوں کے آدھ گرنتھ میں موجود ہے، سنہ ۱۶۰۴ء

کا مرتب کیا ہوا ہے۔ ایک دوسرا مجموعہ بیجک کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ مجموعہ کبیر کے انتقال کے بعد کبیر پنتھیوں نے شائع کیا جو کتاب الہدایت سمجھا جاتا ہے۔ اس مجموعہ کا مرتب بھگوانداس ہے جو کبیر کا خاص شاگرد تھا۔ وہ تمام نظمیں جو آدی گرنتھ یا بیجک میں ہیں اور کبیر کی کہی جاتی ہیں کبیر کی نہیں معلوم ہوتیں۔ کیونکہ بیجک میں جو زبان استعمال ہوئی ہے وہ اودھی ہے۔ ان دو مجموعوں کے علاوہ قریب پانچ ہزار ساکھیاں اور بھی ہیں جو کبیر کی بتلائی جاتی ہیں اور اب بھی ہندوستان میں رائج ہیں۔ بنارس کے محلہ کبیر چورا میں جو کبیر پنتھیوں کا صدر مقام ہے۔ بیس کتابوں کا ایک مجموعہ موجود ہے۔ جسے کبیر کا خاص گرنتھ کہتے ہیں۔ کبیر کی شاعری ناہموار، طرز ادا نامانوس اور زبان بعض مقام پر ایسی ہے جو سمجھ میں نہیں آتی۔ اکثر الفاظ قواعد کی رو سے غلط ہیں اور بیشتر جملے روزمرہ کے خلاف اور بھدے ہیں، ذومعنی الفاظ اور صنائع بدائع کی چیستانیں مطلب سمجھنے میں دقتوں کو اور بڑھا دیتی ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود بھی کبیر ہندی ادب میں ایک بلند مرتبہ رکھتا ہے۔ اس نے جس مردانگی سے مذہب کی ناروا رسومات اور عادات پر بلاخوف ملامت وتردید حملے کیے ہیں اور جس بےخوفی کے ساتھ اس نے خدائے واحد کی تبلیغ کی اور مذہبی احکام کی ضرورت کا احساس پیدا کیا وہ حقیقتاً قابل ستائش ہے۔ ان امور کے علاوہ ہجوگوئی اور طنزیات میں بھی اُسے بڑی قدرت حاصل تھی۔ وہ ہندی ادب کا رہبر اور الولاباء ہندی شاعری ہے۔

لیکن ان ناموروں کے مقابلہ میں جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں۔ یہ دعویٰ کچھ زیادہ وقیع نہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ اس نے ہندی کے مذہبی ادب کی توسیع و اشاعت میں سب سے زیادہ کوشش کی جس سے ہندی ادب میں ایک کثیر سرمایہ آگیا۔ ہندی ادب میں جو ترقی کبیر کے بعد ہوئی وہ بھی کبیر کی مرہون منت ہے۔

۷۔ **نانک**۔ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ کبیر کی تعلیم نے بہت سے دوسرے فرقے پیدا کر دئے تھے، ان میں سے ایک فرقہ سکھوں کا بھی تھا جس کے بانی گرو نانک ہو ئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ نانک کی ملاقات کبیر سے اس وقت ہوئی جب کہ نانک کی عمر صرف بیس سال کی تھی۔ وہ کبیر کے خیالات سے بہت متاثر ہوا جس کا اظہار سکھوں کے گرنتھ سے ہوتا ہے۔ مذہبی خیالات میں کبیر اور نانک ایک دوسرے سے بہت نزدیک معلوم ہوتے ہیں لیکن نانک بہ نسبت کبیر کے ہندو تہذیب سے زیادہ قریب ہے۔ نانک نے مختلف اطراف میں سیاحت کی۔ اس کی نظموں میں پنجابی اور ہندی کا اختلاط ہے۔ گو نانک کا مرتبہ بلحاظ شاعری کبیر سے کم ہے۔ تاہم اس کی شاعری صاف ستھری، پُرمغز اور خوبیوں سے لبریز ہے۔ نانک کا ایک بہت مشہور مجموعہ جپ جی کے نام سے موجود ہے جس میں روزانہ دعا اور عبادت کے طریقے اور منتر درج ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے بہت سی نظمیں کہی ہیں جو سکھوں کے گرنتھ میں شامل ہیں۔ مثال۔

नानक

गुन गोविन्द गायो नहीं जनम अकारथ कीन ।
नानक भजु रे हरि मना जेहि बिधि जल को मीन ॥

گن گوبند گایو نہیں جنم اکارتھ کین
نانک بھجرے ہر منا جیہہ بدھ جل کو مین
(نانک)

جس نے گوبند کے گن نہیں گائے اس کی زندگی بیکار ہوئی۔
نانک کہتے ہیں کہ اے دل تو خدا کی یاد اس طرح کر جس طرح کہ
پانی کی یاد مچھلی کرتی ہے۔ (مین معنی مچھلی)۔

یہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ رامانند اور کبیر کی تعلیم کی وجہ سے
متعدد مذہبی گروہ اور فرقے پیدا ہوگئے۔ اس مذہبی تحریک کی تقسیم
تین شقوں میں کی جاسکتی ہے۔

(۱) وہ جس میں رام کی پرستش اور بت پرستی تھی اس کو رامائی
مسلک کہتے تھے۔

(۲) وہ جس میں کرشن کی پرستش ہوتی تھی اُسے کرشنائی مسلک
کہتے تھے۔

(۳) وہ جس میں بت پرستی کے خلاف خدا کو رام کے نام سے
موسوم کرتے ہوئے پرستش کی جاتی تھی۔

اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے ان مختلف فرقوں کی توسیع و اشاعت کا بیان غیر ضروری ہے۔ مگر چونکہ ان تمام تحریکوں میں ہندی ادب کا استعمال ہوا ہے اور مذہبی تحریک کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہندی ادب کی بھی قدرتاً ترقّی ہوتی گئی۔ اس لئے ان فرقوں پر روشنی ڈالنا ناگزیر ہے۔

کرشنائی اور رامائی مذہبی تحریک کے علاوہ اور بھی چھوٹے چھوٹے مذہبی فرقے قائم ہوئے جو حسب ذیل ہیں:۔

کبیر پنتھی۔ سکھ۔ دادو پنتھی۔ لال داسی۔ سادھ۔ دھرنی داسی۔ شیو نرائنی۔ غریب داسی۔ رام سینہی۔ ست نامی۔ پران ناتھی اور جگ جیون داسی۔

کرشنائی مسالک۔ رامانند، کبیر، نانک اور ان کے پیرو خدائے بزرگ و برتر کو رام کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ رامانند بُت پرستی کو بھی جائز رکھتا تھا لیکن کبیر اور نانک بالکل اس کے خلاف تھے۔ ہندوستان میں ایک اور بھی فرقہ تھا جو وشنوی کہلاتا تھا۔ اس کے افراد خدا کی پرستش کرتے تھے لیکن خدا کو کرشن کے نام سے یاد کرتے تھے۔ یہ فرقہ بہت پُرانا تھا اور اس لئے قابل توجہ ہے کہ اس نے بھی مذہبی ادب میں ہندی زبان استعمال کی۔ رادھا کرشن کی گیتائیں سب سے پہلے بارھویں صدی میں جے دیو نے گیت گووند کے نام سے سنسکرت زبان میں لکھیں اور اس کے بعد یہی گیت چودھویں صدی میں بنگالی زبان میں ترجمہ ہوئے۔ پندرھویں صدی کے وسط اور آخر کے زمانے میں نرسنگھ مہتا

نے رادھا کرشن کی کہانی گجراتی زبان میں نظم کی۔ اسی نرسنگھ مہتا کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے ہندی میں بھی یہ منظوم کہانی لکھی تھی۔

پندرھویں صدی کے لگ بھگ مشرقی ہندوستان میں ودیاپتی ٹھاکر جو بسالی ضلع دربھنگہ صوبہ بہار کا رہنے والا تھا نہایت مشہور و شنوی شاعر گذرا ہے۔ اس نے موسیقی کا ایک اسکول قائم کیا تھا جو کچھ عرصہ بعد تمام بنگال میں پھیل گیا۔ اس کی زندگی کے حالات بہت کم دستیاب ہوسکے۔ سنسکرت زبان میں بھی اس نے بہت سی تصانیف کیں۔ اس کی تمام تر شہرت ان چھوٹے چھوٹے قطعات پر مبنی ہے جو اس نے بہاری (میتھلی) زبان میں لکھے۔ ان میں رادھا کرشن کی محبت کا افسانہ ہے۔ خدا سے روح کے رشتے کو ظاہر کیا ہے۔ ان میں سے بہت سے قطعات کا چیتنیہ نے بنگالی زبان میں ترجمہ کیا۔ بہتوں نے ودیاپتی کی نقل کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ اس کی نظمیں ادبی حیثیت سے نہایت ممتاز ہیں کیونکہ مشرقی ہند کا ادب ان سے بہت کچھ متاثر نظر آتا ہے۔

विद्यापति ठाकुर

लोचन तूअ कमल नहि भैसक से जग के नहिं जाने ।
से फिर जाय लुके नहजल भय पंकज निज अपमाने ।।

لوچن تواد کنول نہہ بھیسک سے جگ کے نہیں جانے
سے پھر جائے لکے نہہ جل بھیہ پنکج نج آپ مانے
(ودیاپتی ٹھاکر)

لوچن = آنکھ نہہ = محبّت بھیہ = ڈر اَپ مانے = بے عزّت کرنا
توآر = تو کھسیک = ہوسکا پنکج = کیچڑ سے پیدا ہوا

یعنی کنول تیری آنکھوں کا مقابلہ نہ کرسکا۔ اس وجہ سے ڈر کر پانی میں جا چھپا۔

اماپتی بھی وِدّیاپتی کا ہمعصر گذرا ہے۔ اس نے بھی میتھلی اور بنگالی زبانوں میں کرشن کے بہت سے گیت لکھے۔ ودیاپتی کے زمانے یا اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مغربی ہندوستان میں ایک شاعرہ میرا بائی گذری ہے۔ اس کی نظموں نے کرشنائی مسلک کو مغربی ہند میں کافی طور پر مشتہر کیا۔ میرا بائی کا زمانہ غالباً ۱۵۰۰ء ہے۔ یہ ہندوستان کی ایک زبردست شاعرہ تھی۔ اس کی زندگی کے حالات اور تاریخ مشتبہ ہیں لیکن یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ راجپوتانہ کی مہارانی تھی جس کی شادی مہاراجہ میواڑ کے راج کنوار بھوج راج سے ہوئی۔ تخت نشین ہونے سے پہلے بھوج راج مرگیا۔ میرا بائی اپنے بچپن ہی سے کرشن کی پجارن تھی، اس لیے شوہر سے اچھے تعلقات نہ تھے۔ وہ اس قسم کی پوجا اور رسومات کی پابند تھی جو وہاں برتے جاتے تھے۔ وہ سادھوؤں کی آؤ بھگت میں کثیر رقمیں خرچ کیا کرتی تھی۔ اس وجہ سے بھوج راج کے انتقال کے بعد اس کے بھائی کرن نے تخت نشین ہونے پر اسے اتنا پریشان کیا کہ وہ بھاگ کر چتوڑ چلی گئی جہاں وہ رامانند کے شاگرد رائے داس کی مُریدہ ہوگئی۔ یہ غالباً ۱۴۶۹ء کا واقعہ ہے۔ میرا بائی

کرشنا کے پرستاروں میں اس فرقے کو زیادہ پسند کرتی تھی جس کے افراد بچھور کہے جاتے تھے۔ مشہور ہے کہ ایک دن جب وہ نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ پرستش کر رہی تھی کرشن نے اُسے بُلا لیا اور وہ غائب ہو گئی، لیکن اس واقعہ کی صداقت مشتبہ ہے۔

رائے داس اور میرا بائی دونوں کی متعدد نظموں میں ایک دوسرے کے گرو اور چیلا ہونے کا ذکر ہے۔ میرا بائی نے اپنی نظموں میں کرشن کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں رام کو بھی بطور خدا کے لکھا ہے۔ یہ تمام نظمیں برج بھاشا میں ہیں۔ مثال۔

मीराबाई

भज मन चरन-कँवल अविनासी।
जेताई दीसे धरनि गगन बिच, तेताई सब उठ जासी।
कहा भयो तीरथव्रत कीन्हे, कहा लिये करवट कासी।
इस देही का गरब न करना, माटी में मिल जासी।
यों ससार चहर की बाजी साँझ पड्यो उठ जासी।
कहा भयो है भगवा पहर्‌याँ घर तज भये सन्यासी।
जोगी होय जुगति नहीं जानी, उलट जनम फिर आसी।
अरज करूँ अबला कर जोरे, श्याम तुम्हारी दासी।
मीरा के प्रभु गिरधर नागर, काटो जम की फाँसी।

بھج من چرن کنول ابناسی
جیتائی دی سے دھرن گگن بیچ تے تائی سب اُٹھ جاسی
کہا بھیو تیرتھ برتھ کینے کہا لئے کروٹ کاشی

اس دیہی کا گرب نہ کرنا ماٹی میں مل جاسی
یوں سنسار چہر کی باجی سانجھ پڑیاں اُٹھ جاسی
کہا بھیو ہے بھگوان پھریاں گھر تج لیسے سنیاسی
جوگی ہوئے جگت نہیں جانی اُلٹ جنم پھیر آسی
ارج کروں ابلا کر جورے شیام تمھاری داسی
میرا کے پربھو گردھر ناگر کاٹو جم کی پھانسی
(از میرا بائی)

اپناسی = دوام **گگن** = آسمان **دھرن** = زمین گرب = غرور
بھگوان = گیروا لباس۔

ترجمہ۔ اے دل تو خدا کی طرف اپنے کو لگا۔ موجودات عالم فانی ہیں۔ تیرہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تجھے غرور نہ کرنا چاہیے کیونکہ تیرا جسم خاکی ہے پھر خاک میں مل جائے گا۔ دنیا ایک شعبدہ بازی ہے جسے آخر کار تجھے چھوڑنا ہوگا۔ گیروے کپڑے پہننے اور گھر چھوڑ کر تارک الدنیا ہونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ جوگی ہو کر اگر تو حق کو نہ پہچانا اور حق کے راستہ کو نہ پایا تو دوبارہ تجھے انسان کے جنم میں آنا ہوگا۔ میرا بائی ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتی ہے کہ اے میرے رب میں تیری بندی ہوں تو مجھے دنیا سے نجات دے۔

ارج = عرض باجی = بازی فارسی ہیں۔
کوشش کی پرستش کی وسعت ولبہ اجارہ کی نسبت کچھ مرہون منت

ہے۔ یہ جنوبی ہندوستان کے ایک برہمن کا لڑکا تھا۔ ۱۴۷۹ء میں بمقام بنارس پیدا ہوا۔ گوبردھن میں کرشن کی ایک مورت بنائی اور اس جگہ کو اپنا صدر مقام قرار دیتے ہوئے کرشنائی تحریک کی تبلیغ ہندوستان کے مختلف حصوں میں کی۔ اس نے سنسکرت زبان میں بہت سی تصانیف کیں۔ لیکن ہندی میں کچھ نہ لکھا حالانکہ کرشنائی تحریک میں بہتوں نے تصانیف کیں تھیں۔ ۱۵۳۱ء میں انتقال کیا اور اپنی جگہ اپنے بیٹے وٹھل ناتھ کو مقرر کیا۔

وٹھل ناتھ کا زمانہ ۱۵۱۵ء لغایۃ ۱۵۵۵ء ہے۔ اس نے اپنے آباؤ اجداد کی تحریک کی اشاعت کی۔ اس کی تصانیف ہندی میں ہیں۔ اس نے ہندی نثر میں ایک کتاب "سرنگار رس منڈل" لکھی جس میں رادھا کرشن کی کہانیاں ہیں۔ اسے ہندی نثر کا پہلا کارنامہ کہا جاتا ہے جو برج بھاشا میں ہے ولبھہ اچاریہ کے چار شاگرد اور وٹھل ناتھ کے چار شاگرد جملہ آٹھ نے اشٹ چھاپ کے نام سے بہت کچھ ادبی خدمت کی ہے۔

गोस्वामी विट्ठलनाथ

प्रथम की सखी कहतु है। जो गोपीजन के चरण विषे सेवक की दासी करि जो इनको प्रेमामृत में डूबि कै इनके मन्दहास्य ने जीते हैं। अमृत समूह ताकरि निकुञ्ज विषे शृंगार रस श्रेष्ठ रसना कीनो सो पूर्ण होत भई।

پربھم کی سکھی کہت ہے۔ جو گوپی جن کے جزنٹر وتسے سیوک کی داسی
کرہے جو ان کو پریم امرت میں ڈوب گے ان کے مند ہاسیہ نے جیتے ہیں۔
امرت سموہ تاکر نکنج وتسے شر نگار رس سرلسٹھ رشنا کینو سو یوزٹر بھیں۔
(از سر نگار رس منڈل)

پربھم = اول مندھاسیہ = تبسّم نکنج = کنج سرلشٹھ = نہایت عمدہ

अष्टछाप اشٹ چھاپ

اشٹ چھاپ سے مراد آٹھ مہریں ہیں۔ ولبھ اچاریہ کے شاگرد جنھیں
اشٹ چھاپ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ہیں۔
(۱) سور داس (۲) کرشن داس (۳) پرمانند داس (۴) اور کبھن
داس اور وٹھل داس کے شاگرد (۱) چتربھج داس (۲) چھیت سوائی
(۳) نند داس اور (۴) گووند داس ہیں۔ یہ سب سولھویں صدی کے
آخری نصف حصے میں ہوئے ہیں۔ اور اچاریہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔
جو گوبردھن ضلع متھرا میں قائم ہوا۔ یہ آٹھوں شاگرد برج بھاشا کے
اپنے زمانے کے بہترین شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ اور اس لئے جو نظمیں
انھوں نے لکھی ہیں وہ مغربی ہند کی بہترین زبان میں شمار کی جاتی ہیں۔ ان
کی زبان برج بھاشا تھی جو اضلاع متھرا، بندرابن اور ان کے گردو نواح
میں بولی جاتی تھی جسے برج کہتے ہیں۔ ہندی کی وہ تمام شاعری جو کرشن
کے پرستاروں نے کی برج بھاشا میں ہے اور یہ زبان ہندی شاعری

کی بہترین زبان سمجھی جاتی ہے۔

(۱) سورداس اشٹ چھاپ کا سب سے مشہور شاعر سورداس تھا۔ اس کی زندگی کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بابو رام داس برہمن کا لڑکا تھا۔ جو شہنشاہ اکبر کے دربار کا مغنی تھا۔ آٹھ برس کی عمر میں یہ اپنے والدین کے ساتھ متھرا گیا اور بھگت ہو گیا۔ آگرہ اور متھرا کے درمیان بمقام گاؤگھاٹ رہنے لگا اور وہیں ولبھ اچاریہ کا شاگرد ہو گیا۔ اس نے اپنے بعض اشعار کی شرحوں میں اپنے خاندان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ چاند بردائی کی اولاد سے ہے۔ اس کے باپ کا نام رام چندر اور اس کے دادا کا نام ہریش چندر تھا جو آگرہ میں رہتے تھے لیکن بعض لوگ اُسے برہمن خیال کرتے ہیں۔ اس کی نظم کے اس حصے کو جہاں اس نے اپنے خاندان کے متعلق لکھا ہے غیر مستند اور الحاقی سمجھتے ہیں۔ اُس کا باپ گوپ چال میں رہتا تھا۔ اس کے سات بیٹے تھے جن میں سے چھ مسلمانوں سے جو لڑائیاں ہوئیں ان میں مارے گئے۔ سورداس اندھا اور ناکارہ ہونے کے باعث زندہ رہا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے کرشن کا جلوہ دیکھا جس کے بعد اس کے لئے دنیا تاریک ہو گئی۔ روایت کی رو سے اس کی پیدائش ۱۴۸۳ء میں ہوئی اور انتقال ۱۵۶۳ء میں لیکن یہ تاریخیں مشتبہ ہیں تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ وہ یا تو مادرزاد اندھا تھا یا اپنی زندگی میں کسی وقت اندھا ہوا۔ اس کی شہرت آگرہ کے اندھے شاعر کے نام سے ہے۔

سورداس نے ہندی شاعری میں نئی نئی طرزیں ایجاد کیں بہت سے واقعات بھگوت پران کے اس نے جدید شاعری میں نظم کئے۔ رادھاکرشن کا قصہ بھی نظم کیا جو صورت گر اور سوراولی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی کتاب ساھتیہ بہاری میں درشٹ کوٹ (दृष्टिकूट) (تمثیلی) نظمیں موجود ہیں جو نہایت مشکل ہیں اور جن کی شرح اس نے خود لکھی ہے۔ اس نے ہندی میں نل اور دمینتی (नलदमयन्ती) کا قصہ بھی نظم کیا جس میں تقریباً چھ ہزار اشعار ہیں۔ سورداس کا مرتبہ ہندی ادب میں بہت ممتاز ہے۔ ہندی کے بعض ادیب سورداس کو تلسی داس پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن بعضوں کا خیال ہے کہ سورداس کو تلسی داس پر سبقت نہیں دی جا سکتی۔ ہندی کا ایک مشہور شعر ہے۔

सूर सूर तुलसी ससी उडगन केसोदास।
अब के कवि खद्योतसम जहँ तहँ करत प्रकास॥

سور سور تلسی سسی اُڈگن کیسو داس
اب کے کوی کھدیوت سم جنہہ تنہہ کرت پرکاس

ترجمہ۔ سور آفتاب ہے تلسی ماہتاب ہے۔ کیشوداس کہکشاں ہے اور آج کل کے شعراء جگنو کے مانند کبھی کبھی روشنی دیتے ہیں۔

سورداس حقیقتاً ایک زبردست شاعر گذرا ہے۔ ان کی شاعری صنائع بدائع تشبیہات و استعارات سے لبریز ہے جس کی مثال دیگر ہندی شاعری میں بہت کم ملتی ہے۔ دربار اکبری کے ایک گمنام شاعر کا شعر

ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

(گنگ غزلیات میں بیربل کو تا میں کیشو معنی کی گہرائی میں بہت مشہور ہیں لیکن سورداس میں یہ تمام خوبیاں مجتمع ہو گئی ہیں) ۔مثال۔

सूरदास

मैया कबहिं बढैगी चोटी ?
किति बार मोहिं दूध पिवत भइ यह अजहूँ है छोटी ।
तू जो कहति बल की बेनी ज्यों ह्वै है लांबी मोटी ।
काढ़त गुहत न्हवावत औंछत नागिनि सी भुंइ लोटी ।
काचा दूध पिवावत पचि-पचि देत न माखन रोटी ।
'सूर' स्याम चिरजिव दोउ भैया हरि हलधर की जोटी ।

میّا کبھیں بڑھے گی چوٹی
کئی بار موہ دودھ پیت بھئی یہ اجہوں ہے چھوٹی
تو جو کہت بل کی بینی جیو ہوئے ہے لانبی موٹی
کاڑہت گہت نہاوت اونچھت ناگن سی بھونئی لوٹی
کاچیو دودھ پواوت پچ پچ دیت نہ ماکھن روٹی
سور شیام چیر جیو دو بھیّا ہر ہلدھر کی جوٹی

(از سورداس)

اس پد میں سورداس یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کرشن اپنی ماتا سے پوچھتے ہیں کہ اے ماتا میری چوٹی کب بڑھے گی کتنی مدت سے میں دودھ پی رہا

ہوں۔ لیکن یہ ابھی ویسی کی ویسی ہی چھوٹی ہے۔ تو تو کہا کرتی تھی کہ دودھ پینے سے یہ چوٹی میرے بھائی بلدیو کی طرح بڑی ہو جائے گی تو یہ کہاں ہوئی؟

اور تم یہ بھی کہتی تھیں کہ اس کو دھونے۔ سنوارنے۔ بنانے سے یہ زمین پر ناگن کی طرح لوٹنے لگتی ہے۔

اسی اُمید میں تو مجھے کچّا دودھ ضرورت سے زیادہ پلاتی رہی اور مکھن روٹی نہیں دی۔

سورداس کہتے ہیں کہ کرشن اور بلدیو کی جوڑی عرصہ دراز تک زندہ اور سلامت رہے۔

بینی = چوٹی
چیر جیو = عرصہ تک زندہ اور سلامت رہے۔

(۲) کرشن داس بہاری

کی شاعری سورداس سے ملتی جلتی ہے۔ اس نے بہت سی ترنّم آمیز نظمیں لکھی ہیں۔ اس کی بہترین تصنیف پریم ست ہے۔ کرشن داس کے بہت سے شاگرد تھے وہ سب کے سب شاعر تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر داس بھی اُنھیں لوگوں میں تھا جو نابھا داس مصنّف بھگت مالا کا معلّم تھا۔

سورداس کے بعد اشٹ چھاپ میں جس کو عظمت حاصل ہوئی وہ نند داس ہے۔ یہ ایک برہمن تھا۔ لیکن بعضوں کا خیال ہے کہ وہ تلسی داس

کا بھائی تھا۔ اس کے متعلق ایک کہاوت ہے۔

(اور کو گڑھیا نند داس جڑیا)

یعنی اور سب تو اشعار گڑھتے ہیں لیکن نند داس اشعار کو معنی سے جڑ دیتا ہے جیسے نگینے جڑے جائیں اس نے بہت سی تصانیف کی ہیں اور کثیر تعداد میں مختلف اشعار لکھے۔ اس کی ایک مشہور نظم پنج دھاتی ہے جو سنسکرت کی گیت گووند کے طرز پر لکھی گئی۔ ایک اور نظم بھنور گیت بھی یکتا ہے۔

گوکل ناتھ

یہ وٹھل ناتھ کے بیٹے تھے۔ ان کی ایک مشہور تصنیف چوراسی وارتا ہے۔ جس میں چوراسی قصے ولبھ آچاریہ کے پیروی کرنے والوں کے درج ہیں۔ یہ کتاب بھگت مالا سے پہلے کی تصنیف ہے۔ اس کی کتاب میں کرشن کے عشقیہ مضمون پر زیادہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ ادبی نقطۂ نگاہ سے یہ کتاب بہت اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہ ہندی نثر کا قدیم ترین نمونہ ہے۔ اس کا اسلوب بیان نہایت سادہ اور صاف ہے۔ باوجودیکہ یہ کتاب ساڑھے تین سو برس پہلے کی تصنیف ہے لیکن اس کی عبارت اور موجودہ برج بھاشا میں بہت کم فرق ہے۔

کرشنائی مسلک کے پیرو ولبھ اچاریہ یعنی رادھا ولبھی فرقہ اور ہری داسی فرقہ بھی تھا۔ ولبھ آچاری فرقے کے دو یا تین اشخاص بھی بہت مشہور گذرے ہیں جو سب کے سب ہندی شاعر تھے بھگوان ہت

وٹھل ناتھ کا شاگرد تھا۔ اس نے کرشنا کے قصے کو نہایت عمدہ طریقے سے لکھا۔
رس کہان جس کا پہلا نام سید ابراہیم تھا یہ بھی کرشن کا پرستار ہوگیا اور اس
نے بہت سے اشعار اس کی تعریف میں لکھے جو جذبات سے پُر اور شیریں ہیں۔
رس کہان کا ایک مشہور شاگرد قادر بخش تھا۔ ہندی میں شعر کہا کرتا تھا۔

رادھا بلبھی فرقہ

۱۵۸۵ء میں ایک فرقہ رادھا بلبھ کے نام سے بندرابن میں پیدا ہوا جس نے رادھا کو کرشن پر ترجیح دی۔ اس کا بانی ہری ونسا ہے جسے ہت ہربنس یا ہت جی بھی کہتے ہیں۔ اس کا باپ ویاس تھا جو گور برہمن تھا اور مسلمان بادشاہوں کی ملازمت میں تھا۔ اس کی ہندی کی ایک مشہور تصنیف چوراسی پد یا پریم لتا ہے۔ اس میں شہوانی جذبات کو برانگیختہ کرنے والی بہت سی نظمیں ہیں۔ ہندی ادب میں ہرونسا کا مرتبہ بحیثیت شاعر بہت بڑا ہے۔ اس فرقے کے بہت سے لوگوں نے ہندی شاعری کی ہے جن میں سے ناگری داس سولھویں صدی کے آخیر میں اور دھرو داس ۱۶۳۰ء میں گذرا ہے۔ ان کی بہت سی تصانیف موجود ہیں۔ ۱۷۴۳ء میں بندرابن جی چاچا بھی ایک مشہور ہندی شاعر گذرا ہے۔ اس نے کرشن کی تعریف میں نہایت اچھی نظمیں لکھی ہیں۔

ہری داسی فرقہ

بندرابن میں ایک اور فرقہ ہری داسیوں کا تھا جس کا بانی سوامی ہری داس تھا جو سولھویں صدی کے آخیر اور سترھویں کے شروع میں گذرا ہے۔ اس

فرقے والے بھی کرشن کے پرستار تھے ۔ اس کی تعلیم چیتنیہ سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے ۔ سنسکرت کے علاوہ ہندی میں بھی بہت سی نظمیں اس فرقہ کے مختلف شعراء نے لکھیں جن میں سے سدھارن ۔ سدھانت اور رس کے پد مشہور ہیں ۔ ہری داس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک اچھے شاعر کے لئے ضروری ہیں ۔ بیتل اور سماچاری سرن اس فرقے کے مشہور شاعر گذرے ہیں ۔ سماچاری کی ایک نظم للت پرکاش بہت مشہور ہے جس میں اس نے ہری داسی فرقے کے بانی کی تعلیم کی تبلیغ کی ہے ۔

کرشنائی فرقے کے دیگر شعراء گداَدھر بھٹ جو ۱۵۶۵ء میں گذرا ہے ۔ چیتنیہ گروہ سے متعلق تھا ۔ اس نے کرشنائی کی تعریف میں بہت سی نظمیں لکھیں ۔

بہاری لال جو پہلے بھی کرشنائی فرقے کا اچھا شاعر تھا ۔ اس کی ست سئی میں کرشنائی زندگی کے مختلف شعبوں کا ذکر ہے ۔ (مثال) ۔

या अनुरागी चित्त की गति समुझै नहि कोय ।
ज्यों ज्यों डूबे स्याम रंग त्यों त्यों उज्जवल होय ।
इन दुखिया अँखियान को सुख सिरजोई नाहिं ।
देखत बनै न देखते बिन देखे अकुलाहिं ।

(۱) یا آنراگی چت کی گت سمجھے نہیں کوئے
جیوں جیوں ڈوبے شیام رنگ تیوں تیوں اُجل ہوئے

یعنی اس محبت کرنے والے دل کی حالت کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ جتنا جتنا شیام (کرشن یا کالا رنگ) میں ڈوبتا ہے اُتنا ہی صاف ہوتا جاتا ہے۔

(۲) ان دکھیا انکھیان کو سُکھ سرجوئی نائیں
دیکھت بنے نہ دیکھتے بن دیکھے اکولائیں

یعنی ان بیمار آنکھوں کے لئے چین پیدا ہی نہیں ہوا۔ ان سے نہ تو اپنے معشوق کو دیکھا ہی جاتا ہے اور نہ بغیر دیکھے رہا جاتا ہے۔

(از بہاری لال)

تاج | یہ ایک مسلمان عورت تھی جو سترھویں صدی کے پہلے نصف حصے میں پیدا ہوئی۔ یہ کرشن کی پرستار تھی اور اس کی تعریف میں نہایت عمدہ اشعار کہے ہیں۔

सुनो दिल जानी मेरे दिल की कहानी तुम,
दस्त ही बिकानी बदनामी भी सहूँगी मैं।
देव पूजा ठानी मैं निवाजहू भुलानी,
तजे कलमा कुरान सारे गुननि गहूँगी मैं।
साँवला सलोना सिरताज सिर कुल्ले दिये,
तेरे नेह दाग में निदाघ ह्वै दहूँगी मैं।
नन्द के कुमार, कुरबान तेरी सूरत पै
हौं तो मुगलानी हिन्दुवानी ह्वै रहूँगी मैं।

سُنو دل جانی میرے دل کی کہانی تم
دست ہی بکہانی بدناحی بھی سہول گی میں

دیو لیو جا ٹھانی میں بناج ہو کہلائی
تجے کلمہ قرآن سارے گنن گنونگی میں

سانولا سلونا سرتاج سر کلّے دیئے
تیرے ہینہ راگھ میں تدا گھ ہوئے دھونگی میں

نند کے کمار کُرباں تیری صورت پہ
ہوں تو مغلانی ہندوانی ہوئے رہونگی میں

دل - دست - نماز - کلمہ - قرآن - سرتاج - کلمہ - قربان - صورت - مغلانی فارسی الفاظ ہیں۔ (از تاج)

بھشتم سنہ ۱۶۵۰ء میں یہ بھی ایک اچھا شاعر گذرا ہے جس نے بھگوت پُران کے دسویں باب کا ترجمہ ہندی میں کیا جو مال مکتبہ لیلا کے نام سے مشہور ہے۔

بخشی ہنس راج یہ سنہ ۱۷۳۲ء میں ہوا ہے - ریاست کا رہنے والا تھا۔ ایک مشہور کائستھ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی ایک کتاب سنیہہ ساگر स्नेहसागर لکھی جس میں رادھا اور کرشن کا افسانہ نظم کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں اور بھی نظمیں ہیں۔

مان سنہ ۱۷۶۱ء میں بیسوارہ کا ایک برہمن گذرا ہے جس نے کرشنا کھنڈ کا ترجمہ کرشنا کلول کے نام سے کیا۔

برج باسی داس یہ بندرابن کا رہنے والا تھا۔ اس نے اپنی مشہور تصنیف برج بلاس میں جو سنہ ۱۷۷۰ء میں لکھی گئی کرشنا کی اس زندگی پر روشنی ڈالی ہے جو اس نے بندرابن میں گذاری۔ یہ ولبھ آچاریہ فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔

سندری کنواری بائی

اس کا زمانہ ۱۷۶۰ء لغایتہ ۱۷۹۸ء ہے۔ یہ راج سنگھ مہاراجہ روپ نگر اور کرشن گڑھ کی لڑکی تھی۔ اس کا خاندان راٹھور تھا۔ اس کی شادی بلبھدر سنگھ مہاراجہ رگھوگڈھ کے ساتھ ہوئی۔ اس کے خاندان میں بہت سے شاعر گذرے ہیں۔ اس نے خود بھی بہت سی مذہبی نظمیں کرشنا کی تعریف میں لکھیں۔

منجھت دھوج

یہ بندیلکھنڈ کا رہنے والا تھا۔ اس کی دو کتابیں نہایت مشہور ہیں۔ سر بدھان لیلا میں کرشن کے بچپن کا حال اور کرشنایان میں کرشن کی زندگی کے حالات لکھے ہیں۔ اس کی نظمیں شاعری کے نقطۂ نظر سے نہایت عمدہ ہیں۔

بی بی رتن کنور

یہ بنارس کی رہنے والی تھی۔ ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئی۔ راجہ شیو پرشاد کی دادی تھی۔ جنھوں نے دسویں صدی میں ہندی ادب کی بہت امداد کی۔ رتن کنور نے پریم رتنا میں کرشن کے پرستاروں کا حال لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے اور بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔

کرشنائی ادب کے متعلق عام خیالات

کرشنائی شعر و ادب کا زیادہ حصّہ کرشنا اور اس کی گوپیوں اور خصوصاً رادھا کے حالات سے پُر ہے۔ اس دور کے مشہور ادیبوں نے ان مطالب پر عارفانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ ان کی نظروں میں کرشنا کا وجود خدا کا وجود تھا جو سراسر محبّت کا مجسّمہ کہا جاتا ہے۔ رادھا اور کرشن کے گوپی دوسرے لوگوں کی روح کے مانند ہیں جس میں رادھا

خاص طور سے اس کی روح ہے جو خدا کا حقیقی پرستار ہے اور وہ سب کچھ جو اس کے پاس ہے خدا پر نثار کرنے کے لئے تیار ہے۔ تمام نظمیں جو اس تحریک سے متعلق ہیں ان کے مصنفین اور شعراء نے نہایت عاشقانہ انداز اور جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والے خیالات کا استعمال کیا ہے جس سے رادھا کی خود فراموش محبت اپنے عاشق کے لئے ظاہر ہوتی ہے تعجب کی بات یہ ہے کہ نظموں میں ناگفتنی جذبات واثرات کا اظہار کرتے ہوئے بھی ان کا تقدس ان کے قدم کو کسی دوسری جانب ڈگنے نہ دیتا تھا اور وہ کسی ناپاک جذبے سے متاثر نہ ہوتے پھر بھی اس قسم کے واقعات وخیالات کا ادب میں ہونا خطرے سے خالی نہیں۔ کیونکہ اکثر ایسے ادب نے نوجوانوں کو ظاہری حسن وعشق میں مبتلا کر دیا ہے اور وہ کیریکٹر کی خامی کی وجہ سے دوسری طرف بہ گئے ہیں۔

اس باب میں جن شعراء کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے بعض نہایت ممتاز ہیں۔ اس دور میں حسن الفاظ اور صناعی ہندی ادب میں نہایت نمایاں طریقے سے آگئی تھی۔ کرشنائی فرقے کا مرکز متھرا تھا جو سلطنت مغلیہ کے دار السلطنت سے بہت قریب ہے۔ سورداس درباری شعراء میں سے تھا۔ اس لئے ممکن ہے کہ سلطنت کی قربت اور سورداس کے درباری شاعر ہونے کی وجہ سے ہندی شعراء میں الفاظ کی صناعی صنائع بدائع کے استعمال کا موید ہوا ہو۔ بہرحال اس کی وجہ کچھ بھی ہو لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ برج بھاشا اُس زمانہ سے اب تک ہندی شاعری کا بہترین گہوارہ سمجھی جاتی ہے۔

رامائی تحریک

بھگتی کال کی دوسری تحریک رامائی تحریک تھی۔ اس تحریک میں وہ لوگ شامل تھے جو رام کے پرستار تھے۔ ان میں سب سے مہتم بالشان ہستی تلسی داس کی ہے جس کی رامائن نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام دنیا میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے۔ تلسی داس کی زندگی کے حالات بہت کم دستیاب ہوئے۔ وہ ۱۵۳۲ء میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام آتمارام اور ماں کا نام ہولاسی تھا۔ پہلے اس کا نام رامبولا تھا۔ فقیر ہو جانے پر تلسی داس کے نام سے مشہور ہوا۔ جائے پیدائش یقینی طور پر معلوم نہیں بعضوں کا خیال ہے کہ وہ ہستناپور میں پیدا ہوا اور بعضے کہتے ہیں کہ وہ حاجی پور میں پیدا ہوا جو چترکوٹ کے قریب میں ایک قصبہ ہے۔ لیکن عام طور پر یہ مسلّمہ ہے کہ وہ راجاپور ضلع باندہ میں پیدا ہوا تھا اور قنوجی برہمن تھا۔ نرہر داس اس کا گرو تھا جو رامانند سے چھ پشت قبل گذرا ہے۔ رامائن کے دیباچہ میں بتلایا ہے کہ اس نے سوروں میں تعلیم پائی۔ جوانی میں وہ اپنی بیوی سے بہت محبت رکھتا تھا۔ ایک روز جبکہ اس کی بیوی اپنے میکے گئی ہوئی تھی تو وہ اُسے رخصت کرانے کے لئے روانہ ہوا۔ اندھیری رات میں کہیں کہیں پُر آشوب دریا کو عبور کرتا ہوا وہاں پہنچا۔ اس کی بیوی نے اس کی اس حرکت پر لعنت ملامت کی اور کہا کاش تمھیں یہ محبت رام کے ساتھ ہوتی تو تمام دنیا سونے کی ہو جاتی۔

تلسی داس پر اس بات کا اتنا اثر ہوا کہ صبح ہوتے ہی وہ روانہ ہو گیا اور رام کا پرستار ہو کر بنارس میں مقیم ہوا۔ جہاں اس نے اپنی زندگی کا بیشتر

حصّہ گذارا۔ سوروں۔ اجودھیا۔ چتر کوٹ۔ پریاگ اور بندرابن کا سفر بھی کیا۔ نابھاداس مصنّف بھگت مالا اس کا دوست تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سورداس بھی اس سے ملنے بنارس آیا تھا۔ تلسی داس کسی دربار کا شاعر نہ تھا۔ راجہ مان سنگھ اور عبدالرحیم خان خاناں اس کے دوست تھے۔ اس کی شاعری زمانے کے ادب سے متاثر نظر آتی ہے۔ سنہ ۱۶۲۴ء میں بمقام بنارس انتقال کیا۔

رامائن اس کا بہترین کارنامہ ہے جس کو وہ خود رام چرتر مانس (रामचरित मानस) کہتا تھا۔ یعنی رام کے کارناموں کی جھیل۔ اُس نے دیباچے میں بیان کیا ہے کہ یہ کتاب سنہ ۱۵۷۵ء میں شروع کی۔ یہ قصّہ بہت پہلے بالمیک نے لکھا ہے جو حضرت مسیح سے چار سو برس قبل گذرا ہے۔ تلسی داس کی رامائن بالمیک کی رامائن کا ترجمہ نہیں ہے۔ گو قصّہ وہی ہے مگر اس کے طرز بیان میں بڑا فرق ہے۔ یہ دونوں کتابیں قصّے کی موٹی موٹی باتوں میں بھی یکساں نہیں۔ نہ صرف بعض واقعات ہی بدلے ہوئے ہیں بلکہ واقعات کو مختلف رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ دونوں کا مذہبی نظریہ ہے۔

بالمیک رامائن کے دوسرے اور چھٹے کانڈ میں رام کو محض ایک انسان کی ہیئت میں پیش کرتا ہے لیکن تلسی داس نے اپنی تمام نظم میں خدا کے اوتار کے طور پر پیش کیا ہے۔ تلسی داس کے اسی نظریہ کو ایک اور شاعر نے بھی اپنی ادھیاآتما (अध्यात्म) رامائن میں پیش کیا ہے جو سنسکرت

میں ہے اور چودھویں صدی کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تلسی داس رامائن لکھنے میں اس کتاب سے متاثر ہوا ہو کیونکہ مذہبی نظریہ کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں دونوں میں یکساں ہیں۔ دونوں کتابوں کو بنظر غور دیکھنے سے یہ بخوبی روشن ہو جائے گا کہ تلسی داس نکات شاعری کے لحاظ سے ادھیارتی رامائن کے مصنف سے بہت بہتر ہے۔ تلسی داس نے دیگر شعراء کی طرح مذہبی تحریک کے ماتحت شاعری کی اور مروجہ زبان استعمال کی۔ اُسے اس کا خوب احساس تھا کہ وہ پنڈت جو صرف سنسکرت زبان کے استعمال کو جائز سمجھتے ہیں اس کی اس جسارت کو بنظر تحسین نہ دیکھیں گے۔ رامائن کے دیباچے میں تلسی داس نے اپنے معترضین کے متعلق یوں لکھا ہے (میرا نصیب خراب ہو لیکن میرا عزم عظیم ہے مجھے اس کا یقین ہے کہ اہل ذوق توجہ سے میری بات سنیں گے اور نا اہل ہنسیں گے۔ نا اہلوں کی ہنسی میرے لئے خوشی کا باعث ہوگی۔ کیونکہ نہ تو اُنھیں شاعری سے دلچسپی ہے اور نہ رام سے محبت، میں خوش ہوں کہ وہ مجھ پر ہنستے ہیں۔ اگر میری حقیر شاعری اور اس کے مضامین ہنسی کے مستحق ہیں تو اُنھیں ہنسنے دو۔ اگر ان پر خدا کی حقیقت روشن نہیں تو اُنھیں میرا قصہ بے مزا معلوم ہوگا۔ لیکن ان اشخاص کو جن کو ہری کی حقیقی محبت ہے رگھوبر کی کہانی شہد کے مانند شیریں معلوم ہوگی) ترجمہ از رامائن۔

وہ حُسن قبول جو تلسی داس کی اس نظم کو حاصل ہوا۔ اس کا سب سے بڑا انعام ہے۔ شمالی ہند کی ہندی قومیت میں بجز چند سنسکرت داں

پنڈتوں کے ہر امیر و غریب پیر و جواں خواندہ یا ناخواندہ شاید ہی کوئی ایسا ہو جو راماین پسند نہ کرتا ہو۔ اس کتاب کی ہندوؤں میں وہی وقعت ہے جو نصاریٰ میں انجیل کی۔ راماین کی ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں بھی دلچسپی سے خالی نہیں جو صرف کرشن کے پرستار ہیں۔ تلسی داس نے ایک جگہ اس کتاب کو رام کے کارناموں کی جھیل کہا اور وجہ تسمیہ یوں بتائی ہے (نفسانی خواہشیں مانند سارس اور کوؤں کے ہیں جو اس جھیل کے قریب نہیں آتے کیونکہ اس میں گھونگھے۔ مینڈک یا کائی نہیں ہے اس لئے لالچی کوّے اور سارس اس جھیل کے قریب نہیں آتے اور اگر آتے بھی ہیں تو ناکام ہو جاتے ہیں)۔ یہاں گھونگھے۔ مینڈک اور کائی سے مراد ناروا قصّے ہیں جو راماین میں شامل نہیں اور کوّے اور سارس سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں راماین اس وجہ سے غیر دلچسپ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں قصّے کہانیاں نہیں ہیں۔ تلسی داس کا یہ بیان بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ راماین اس زمانے سے اب تک نہایت اعلیٰ طبقے کی کتاب سمجھی جاتی ہے اور پڑھنے والوں کے لئے شاندار نصب العین پیش کرتی ہے۔

تلسی داس نے راماین میں بیسواری یا اودھی زبان استعمال کی ہے جو مشرقی ہند میں بولی جاتی تھی۔ بہت سے الفاظ خصوصاً برج بھاشا کے استعمال کئے ہیں۔ روزمرّہ کا استعمال زیادہ ہے۔ الفاظ کا ردّ و بدل جائز رکھا گیا ہے۔ ردیف اور قافیے کی غرض سے ان کے تلفّظ کی تبدیلی بھی درست سمجھی گئی ہے۔ دیگر شعراء کی طرح تلسی داس نے بھی فرسودہ

تلمیحات واستعارات جی کھول کر استعمال کئے ہیں۔ مثال

तुलसी दास

रघुबंसिन्ह कर सहज सुभाऊ, मन कुपंथ पगु धरैं न काऊ।
मोहि अतिशय प्रतीत मन केरी, जेहि सपनेहु पर-नारि न हेरी।
जिन्ह कै लहहि न रिपु रन पीठी, नहि लावहिं परतिय मनु डीठी।
मंगन लहहिं न जिन्ह कै नाहीं, ते नरवर थोरे जग माहीं।

करत बतकही अनुज सन, मन सिय रूप लुभान।
मुख-सरोज-मकरन्द छबि, करै मधुप इव पान ॥

(रामचरित मानस)

رگھو بنس کر سہج سبھاؤ — من کوپنتھ پگ دھرے نہ کاؤ
موہے اَتشئے پرتیت من کیری — جیہ سپنیہو پر نارے نہ ہیری
جن کے لہے نہ رِپ رَن پیٹھی — نہلاؤ پرتیھ من ڈیٹھی
من گن لہیں نہ جن کے ناہیں — تے نروا تھورے جگما ایں

کرت بتکہی اُنج سن من سیاروپ لُبھان
مُکھ سروج مکرند چھب کرے مدھُپ ادپان

(از رام چرتر مانس)

رگھو کے خاندان والوں کی فطرت ہے کہ ان کا دل کبھی بُرے راستے پر نہیں جاتا۔ میں نے خواب میں بھی کسی دوسری عورت کو نہیں دیکھا۔ اس لئے مجھے اپنے اوپر یقین ہے۔ رگھو کے خاندان کے لوگ دشمن کو لڑائی میں کبھی پیٹھ نہیں دکھاتے اور نہ کسی دوسرے کی عورت پر نظر

ڈال لیتے ہیں۔ سائل کبھی ان کے دروازے سے بے مُراد واپس نہیں ہوتا۔ ایسے شخص دنیا میں بہت کم ہیں۔

چھوٹے بھائی لچھمن کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے رام کا
دل سیتا کی طرف مائل ہوا جس طرح سے پھولوں کے زیرے
سے بھونرا فرحت حاصل کرتا ہے اُسی طرح سے رام سیتا کے
حُسن سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

رامائن میں بہت سے ایسے مقامات ہیں جن کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تلسی داس مناظر قدرت کا حقیقی پرستار تھا۔ اس نے بادشاہ دسرتھ کے کرب اور بے چینی کو یوں بیان کیا ہے کہ وہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔

رامائن سات کھنڈ یا حصّوں میں منقسم ہے۔ بال کانڈ۔ اجودھیا کانڈ۔ آرنیہ کانڈ۔ کشکندھا کانڈ۔ سندر کانڈ۔ لنکا کانڈ اور اتر کانڈ۔

ان میں سے دوسرا کانڈ جس میں رام کی جلاوطنی کے وقت اجودھیا کی سراسیمگی۔ پریشانی اور بے خانمائی کا نقشہ کھینچا ہے بہترین سمجھا جاتا ہے۔ قریب قریب ہر کانڈ میں مناظر قدرت اور جذبات غم کی سچّی تصویر کشی کی گئی ہے۔ دسرتھ کا غم۔ رام کی نیکی۔ والدین کے حکم کی اطاعت۔ سیتا کی شوہر پرستی۔ لچھمن کی ہمّت اور جوش۔ بھرت کے غیر خود غرضانہ رویّہ کا اظہار تلسی داس نے اس طرح نظم کیا ہے کہ پڑھنے والے تلسی داس کی قابلیت کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ تلسی داس کی غرض رامائن

لکھنے سے صرف یہ نہ تھی کہ وہ ایک اچھا افسانہ نظم کر دے۔ اس نظم سے اس کی مراد مذہبی تبلیغ تھی۔ کرشنائی تحریک کے دیگر رہنماؤں کی طرح تلسی داس بھی ویدک تعلیم کا قائل تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ تمام صفات جو خدا کی طرف منسوب کئے جاتے تھے، رام کو ان کا مجسمہ سمجھتا تھا۔ اس کی یہ نظم خدا کی پرستش کے لئے ایک پُر زور اپیل ہے۔ بلاشبہ رامائن ایک ایسی نظم ہے جو دنیا کے مذہبی ادب میں شاہکار سمجھی جاتی ہے۔ غیر ذمہ دارانہ طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ رامائن میں کچھ ادبی خامیاں ہیں۔ جو تلسی داس کی شاعری میں جلانہ ہونے کے باعث آگئیں۔ تلسی داس کی رامائن ہمیشہ ہندی ادب کا ایک زبردست خزانہ سمجھی جائے گی۔ اس نظم کے اثرات کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ گو کہ تلسی داس نے نہ کوئی نیا فرقہ بنایا اور نہ ہندوؤں کی مذہبیات میں کوئی اضافہ کیا۔ پھر بھی رامائن کے ذریعہ اس سے شمالی ہند کے اہل ہنود میں رامائی تحریک کی تبلیغ ایک اعلیٰ پیمانہ پر لی۔ رامائن کے علاوہ تلسی داس کے اور ادبی کارنامے بھی رام کی پرستش اور مذہبی تبلیغ کے متعلق ہیں۔ رام گیتاولی میں تلسی داس نے رام کے متعلق چھوٹے چھوٹے گیت لکھے ہیں جو گائے جاتے ہیں۔ دوہاولی (दोहावली) بھی رامائن کے دوہوں کا ایک مجموعہ ہے جس میں تلسی داس نے درستی اخلاق کا سبق دیا ہے۔ کوتاولی (कवितावली) میں بھی رام کا قصہ ہے جو کوتا کی زمین میں لکھا گیا ہے۔ ونے پترکا (विनयपत्रिका) بھی رام کی تعریفی نظموں کا ایک مقبول عام مجموعہ ہے۔ ست سئی (सतसई) بھی رام ہی سے متعلق

نظموں کا ایک مجموعہ ہے۔ اس نام کی ایک اور کتاب بہاری لال نے بھی پچاس برس بعد لکھی جو کرشن سے متعلق تھی۔ اس میں قریب سات سو دوہے ہیں۔ یہ کتاب سنہ ۱۵۸۵ء میں لکھی گئی۔ رامائن کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں تلسی داس کی بتائی جاتی ہیں۔ ان میں بھی تلسی داس کی شاعری کا وہی زور ہے جو رامائن میں ہے۔

نابھا داس اس تحریک کا دوسرا شاعر تھا۔ اس کا دوسرا نام ترائن داس بھی ہے۔ یہ اگرہ داس کا شاگرد اور رامائی تحریک کے ساتھ ساتھ کرشنائی تحریک کا بھی حامی تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ رامانند کا شاگرد تھا اور ذات کا ڈوم۔ اس کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ صغر سنی میں اس کے والدین قحط کی وجہ سے اس کو ویرانے میں چھوڑ گئے۔ اگرہ داس اتفاقاً ادھر سے گذرا۔ اس نے بچے کو اٹھایا اور گھر لا کر پرورش کی۔ سن بلوغ کو پہنچنے پر اپنے گرو کے حکم کے مطابق اس نے بھگت مالا لکھی جو غالباً سنہ ۱۵۸۵ء اور سنہ ۱۶۲۳ء کے درمیان کی تصنیف ہے۔ یہ قدیم پچھمی ہندی میں ایک منظوم کتاب ہے جو چھپائی بحر میں ہے۔ اس میں وشنو کے پرستاروں کا ذکر ہے جو رام یا کرشن کی پوجا کرتے تھے لیکن زیادہ تذکرے رام کے پرستاروں کے ہیں۔ نابھا داس خود بھی راماندی تھا۔ طرز ادا نہایت غیر معروف اور قدیم ہے۔ ایک ایک پرستار کے لئے ایک ایک بند ہے جس میں اس کے خصوصیات نہایت مختصر طور پر مع حالات زندگی درج ہیں۔ بھگت مالا ہندوستان کی مذہبی تاریخی کتابوں میں مستند تسلیم

کی جاتی ہے۔ اس کی زبان ادق ہے اور بلا شرح کے سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کی ایک شرح پریاداس نے ۱۷۱۲ء میں کوتا کی بحر میں لکھی۔ اس کے علاوہ اور بھی شرحیں لکھی گئیں جن میں نابھاداس کی عبارت آرائی اور پریاداس کی جلاکاری بھی شامل کردی گئی ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ ہندوستان کی خاص خاص زبانوں میں ہوچکا ہے۔ مثال۔

नाभादास

भक्ति विमुख जो धर्म सो अधरम करि गायो।
योग यज्ञ व्रत दान भजन बिनु तुच्छ दिखायो॥
हिन्दू तुरक प्रमान रमैनी सबदी सार्षी।
पक्षपात नहिं बचन सबहिं कै हित की भाषी॥
आरूढ़ दशा ह्वै जगत पर मुखदेखी नाहिं न भनी।
कबीर कानि राखी नहीं वर्णाश्रम षटदर्शनी॥
(कबीरदास के विषय में भक्तमाल से)

بھگتہ بمکھ جو دھرم سو ادھرم کر گایو
یوگ یگ برت دان بھجن بن تچھ دیکھایو
ہندو ترک پرمان رمینی سبدی ساکھی
پچھ پات نہیہ بچن سبہے کے ہت کی بھاکھی
آروڑھ دشا ہوئے جگت پر مکھ دیکھی ناہیں بھنی
کبیر کان راکھی نہیں ورناشرم کھٹ درشنی
(از بھگت مال) نابھاداس

نابھاداس کبیر کے متعلق کہتے ہیں بھگتی کے خلاف جو مذہب تھا اُسے کبیر نے لامذہبیت کہا۔ یوگ کرنا۔ خیرات کرنا۔ ہون کرنا اور برت کرنا یہ سب بغیر حمد و ثنا کے بیکار ہیں۔ بغیر کسی طرفداری کے ہندو۔ ترک جن کو مانیں ایسے کلام رمنی شبدی۔ ساکھی کے نام سے کبیر نے لکھا ہے۔ انھوں نے مُنہ دیکھی بات نہیں کہی اور نہ ذات پات کے راز وغیرہ کو ترجیح دی۔

ملوک داس

رام سنگھ پرستاروں میں ملوک داس بھی نہایت مشہور شاعر ہوا ہے۔ یہ اورنگ زیب کے زمانے میں گذرا ہے۔ اس نے ایک فرقہ ایجاد کیا تھا جو رام نندیوں سے مشابہ تھا۔ نابھاداس مورتوں کا بھی قائل تھا۔ اس کے فرقے اور رام نندیوں میں خاص فرق یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملوک داس کے مبلغ تارک الدنیا نہ تھے بلکہ ملوک داس کی طرح دنیادار۔ وہ ایک تاجر تھا۔ کرڑا مانک پور میں پیدا ہوا اور حگتا تھہ میں انتقال کیا۔ اس کے چیلوں کی دھرم شالائیں کرڑا اور دیگر مقامات پر اب بھی موجود ہیں۔ دس رتن اور بھگت وتسل اور رتنا کھان اس کی دیگر تصانیف ہیں۔ اس نے کثیر تعداد میں مختلف موضوع پر جامع اشعار لکھے جو اب بھی لوگوں کے ورد زبان ہیں۔

اس دور کے دوسرے کارنامے

بینی مادھو تلسی داس کا ایک خاص شاگرد تھا جو اپنے گرو کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اس کا زمانہ ۱۶۳۰ء ہے۔ اس نے اپنے اُستاد کی سوانح حیات گوسائیں چرتر کے نام سے لکھی۔

جنتامنی ترپاٹھی نے لکھی ایک رامائن کو تا بجر میں لکھی۔ یہ ۱۶۶۵ء میں گذرا ہے۔

ہنومان داس ۱۶۲۳ء میں پیدا ہوا۔ برج کا رہنے والا تھا۔ اُس نے ایک ہندی نظم رام چرتر کے نام سے لکھی جو والمیک کی رامائن اور ہنومان کے ناٹک کی امداد سے پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

الیشری پرشاد الیشری پرشاد ترپاٹھی۔ انھوں نے ۱۷۲۳ء میں رام بلاس کے نام سے رامائن لکھی جو والمیک کی رامائن کے کچھ حصّے کا ترجمہ ہے۔

بال علی انھوں نے ۱۶۹۲ء میں دو کتابیں رام اور سیتا کی تعریف میں لکھیں جن کا نام نیہہ پرکاش اور سیتارام دھیان منجری ہے۔

بھگونت رائے ضلع فتحپور میں اسوتھر کا راجہ تھا۔ بہت عرصہ تک شاہان مغلیہ کا مقابلہ کرتا رہا اور آخرکار ۱۷۶۰ء میں مارا گیا۔ اس نے ایک رامائن ہندی زبان میں لکھی۔

شنبھو ناتھ انھوں نے ایک کتاب رام بلاس، رام کے متعلق ۱۷۵۰ء میں لکھی۔

تُلسی صاحب ۱۷۶۳ء لغایۃ ۱۸۴۳ء۔ یہ راجہ پونا کے سب سے بڑے لڑکے تھے جنھوں نے تخت نشینی نہ کی۔ سلطنت ترک کر کے تارک الدنیا ہوئے اور ایک عرصہ تک سفر کرتے

رہے۔ آخر میں بمقام ہاتھرس سکونت پذیر ہوئے۔ دوسری نظموں کے علاوہ ایک کتاب گھاٹ رامائن لکھی۔ ان کا دعوی تھا کہ وہ اپنے پہلے جنم میں تلسی داس تھے اور اسی جنم میں انھوں نے گھاٹ رامائن لکھی تھی جو مخالفت کی وجہ سے نہ چھپ سکی اور اس کی جگہ رام چرتر مانس نے لی۔ اس کی کتاب اپنی طرز ادا زبان اور خیالات کی پاکیزگی میں تلسی داس کی رامائن سے کمتر ہے۔

مدھوسودن داس ۱۷۸۲ء میں ایک مشہور شاعر گذرا ہے۔ اس نے ایک نظم راماشومیدھ (रामाश्वमेध) لکھی۔ تلسی داس کی طرح یہ بھی رام کا پرستار تھا اور اس کی شاعری تلسی داس سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔

میتر سنگھ یہ یار کے نام سے بھی مشہور تھا۔ ۱۷۸۵ء میں گذرا ہے۔ یہ بھی رام کا پرستار اور ایک مشہور شاعر تھا۔ بنارس کا رہنے والا قوم کا چھتری تھا۔ سُندر کانڈ اور ہنومان چھبیسی اس کی تصانیف میں سے ہیں جن میں رام اور ہنومان کے قصے درج ہیں۔

گنیش اس کا زمانہ ۱۸۰۰ء ہے۔ راجہ بنارس کی سرپرستی میں یہ ایک مشہور شاعر ہوا ہے۔ دیگر شعراء کی طرح اس نے بھی والمیکی رامائن کے کچھ حصہ کا ہندی نظم میں ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی نظمیں لکھیں۔

مذہبی تحریک کے دیگر گروہ

کبیر پنتھی کبیر اور ان کے جانشینوں کا اثر اس گروہ میں زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ کبیر پنتھی جو خاص کبیر کے چیلوں کا فرقہ ہے دو گروہوں میں تقسیم ہے۔ ایک وہ جن کا مرکز کبیر چورا (بنارس) اور مگدھ تھا۔ دوسرا وہ جن کا مرکز مدھیہ دیش کے ضلع چھتیس گڈھ میں تھا۔ ان میں سے ہر گروہ کا سردار ایک مہنت ہوا کرتا تھا اور ہر ایک کا اپنا ادب تھا۔ کبیر چورا کے مہنت کا سلسلہ سورت گوپال تک اور چھتیس گڈھ کے مہنتوں کا سلسلہ دھرم داس تک ملتا ہے۔ کبیر پنتھی اپنے کو بت پرستی سے علیحدہ رکھتے تھے۔ تاہم کچھ نہ کچھ ہندو اثرات اس فرقے میں آگئے۔ کبیر باوجودیکہ اوتاروں کے وجود کا منکر تھا۔ لیکن اس کے بعض شاگردوں نے اسے اوتار خیال کیا ہے۔ اس کے نزدیک مالا کا استعمال ناجائز تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ چیز بھی کبیر پنتھوں میں آگئی۔ کبیر کے گروہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے دو قابل ذکر ہیں۔ سکھ مدھان اٹھارھویں صدی کے وسط میں لکھی گئی اور بیجک سنہ ۱۸۰۰ء کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ کبیر پنتھوں میں ایک مشہور شاعر نیتو صاحب گزرے ہیں جنھوں نے بہت سی نظمیں کندھیا بجر میں لکھیں۔ (نوٹ۔ کبیر کا کلام عام ہونے کی وجہ سے مثال میں درج نہیں کیا جاتا)۔

سکھ یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سکھوں کے مذہب کا بانی نانک تھا جو کبیر کی تعلیم سے بہت زیادہ متاثر نظر آتا ہے۔ نانک کے بعد نو گرو

اور ہوئے جو شاعر تھے۔ سکھوں کی مقدس کتاب کا نام گرنتھ ہے۔ گرو ارجن نے اس کا نام ادی گرنتھ یعنی اصلی گرنتھ رکھا۔ تاکہ وہ دوسرے گرنتھوں سے متمائز ہو سکے۔ گرو ارجن سکھوں کے چھٹے گرو تھے جن کا زمانہ ۱۵۶۳ء لغایۃ ۱۶۰۶ء ہے۔ اس گرنتھ میں گرو نانک، گرو انگد، گرو امر داس، گرو رام داس، گرو ارجن، گرو تیج بہادر کا کلام اور دسویں گرو گووند کا ایک شعر بھی درج ہے۔ ان گروؤں کی تصانیف گرنتھ کے علاوہ دیگر مدحیہ نظموں پر مشتمل ہیں جو گرنتھ کی شکل میں ہیں اور موسیقی کی ۳۱ راگوں کے مطابق لکھی گئی ہیں۔ اس فرقے کے ہر گرو نے باستثنائے گرو گووند اپنا تخلص نانک رکھا۔ گرنتھ کی ابتدا رجپ جی سے ہوئی جو نانک کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد سودر آرد، سوپر کھو اور سوہیلا ہیں۔ جن میں گرنتھ کے مختلف حصوں کے اقتباسات ہیں۔ یہ تمام اقتباسات عبادت کے متعلق ہیں۔ اس لئے ابتدا انھیں سے کی گئی ہے۔ آخر میں ۳۱ راگوں کی تشریح کے بعد بھوگ ہے جس میں مدحیہ نظموں کے اشلوک دئے گئے ہیں۔ یہ تمام مجموعہ ایک ضخیم کتاب کی شکل میں ہے۔ ایک ہی خیال مختلف صورتوں میں پیش کیا گیا ہے۔ سکھوں کے نزدیک یہ گرنتھ حمد اور عبادت کی کتاب ہے جس میں دینیات کے مسائل بھی ہیں۔ مختلف حصص کی زبان مختلف ہے۔ لیکن حمد کی زبان زیادہ تر ہندی ہے جس میں کہیں کہیں پنجابی کی آمیزش ہے۔

سکھوں کا دسواں گرو گرو گووند ۱۶۷۵ء سے ۱۷۰۸ء تک اپنے فرقے کی قیادت کرتا رہا۔ اسی نے سکھوں کو مذہبی روش کے علاوہ

سپاہیانہ روش سکھائی اور اس گروہ کا نام خالصہ رکھا تاکہ وہ منظم ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اس کے زمانہ میں ہندوؤں کے بہت سے مذہبی خیالات سکھ مذہب میں داخل ہو گئے۔ گرو گووند کی شاعری زیادہ تر برج بھاشا میں ہے۔ یہ تمام مجموعہ مع ترجمہ ۱۷۳۴ء میں ایک کتاب کی شکل میں گرو گووند کے انتقال کے کے بعد بھائی منی سنگھ نے مرتب کیا جو دسویں گرو کا گرنتھ کہلاتا ہے۔ لیکن اس کی وقعت سکھوں کے سب سے پہلے ادی گرنتھ کے برابر نہیں ہے۔ اس مجموعے میں جپ جی اور حمد کی چند نظموں کے علاوہ وچتر ناٹک بھی شامل ہے۔ جس میں گرو گووند کی سوانح حیات اور ان کا نصب العین درج ہے۔

سکھوں کے سپاہیانہ جوش کو اُبھارنے والی نظمیں بھی اس مجموعے میں شامل ہیں۔

دادو پنتھی

دادو پنتھیوں کا بانی دادو تھا جس کا زمانہ ۱۵۴۴ء لغایتہ ۱۶۰۳ء ہے۔ یہ احمد آباد میں پیدا ہوا اور اپنی تمام زندگی راجپوتانہ میں گذاری۔ عام طور پر لوگ اُسے دُھنیا بتاتے ہیں۔ لیکن اس کے شاگرد اُسے برہمن کہتے ہیں جو غالباً صحیح ہے۔ وہ انکسار، رحمدل اور فیاض تھا کہ لوگ اُسے گرو دیال کہتے تھے۔ اس کی تعلیم کبیر سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے لیکن وہ اسلامی خیالات سے متاثر نہیں ہے۔ بہت سے ہندو خیالات جن کا دادو سخت مخالف تھا۔

رفتہ رفتہ اس گروہ میں آ گئے۔ ویدانت کی تعلیم ذات پات اور بُت پرستی کی دادو نے سخت مخالفت کی۔ لیکن اس کے اکثر جانشین ویدانت کی تعلیم پر چلے ہیں۔ دادو کی بانی صرف صحیح النسب ہندو ہی پڑھنے کے مستحق تھے یہ بانی اس قدر مقدّس سمجھی جاتی ہے کہ اس کی پرستش بُت پرستوں کے رسومات کے مطابق کی جاتی ہے۔ دادو کی تعلیم کو اس کے باون چیلوں نے پھیلایا۔ اس کی تعلیم بانی میں موجود ہے۔ جس میں پانچ ہزار اشعار اور سینتیس ۳۷ ابواب ہیں۔

دادو پنتھیوں کا تمام ادبی سرمایہ ہندی میں ہے۔ دادو کے دو بیٹے دونوں شاعر تھے۔ اس کے تمام شاگردوں نے شاعری کی ہے جن میں سے سندر داس بہت مشہور گذرا ہے۔ اس کا زمانہ ۱۶۲۰ء لغایۃ ۱۶۵۰ء تھا۔

دادو ہندی کا بہترین شاعر تھا اور ہندی ادب میں ایک اعلیٰ مرتبہ رکھتا ہے۔ اس کی تصانیف کئی جلدوں میں ہیں۔ (مثال)۔

दादूदयाल

अजहुँ न निकसे प्रान कठोर।
दरशन बिना बहुत दिन बीते सुन्दर प्रीतम मोर।
चार पहर चारहु जुग बीते रैन गँवाई भोर।
अवधि गये अजहूँ नहि आये कतहुँ रहे चित्त चोर।
कबहूँ नैन निरखि नहिं देखे मारग चितवत तोर।
दादू अइसहि आतुर बिरहिनि जइसहि चन्द चकोर।

آجہوں نہ نکسے پران کٹھور
درشن بِنا بہت دن بیتے سُندر پریتم مور

چار پہر چار ہو جُگ بیتے۔ رین گنوائی بھور
اودہ گئی اجھوں نہیں آئے کبھوں لہے چت چور
کبھوں نین نرکھ نہیں دیکھے۔ مارگ جیوت تور
دادو ایسینہ آتر برہن جیسے چند چکور

(از دادو دیال)

ترجمہ۔ میری سخت جان اب بھی نہیں نکلتی —— اپنے محبوب کو دیکھے ہوئے بہت عرصہ ہوا —— چار پہر صدیوں کی طرح گذر رے (جُگ)، ہجر کی رات ختم ہوئی اور صبح نمودار ہوئی —— زمانہ گذر گیا مگر ہنوز محبوب نہیں آیا —— میں جدائی میں اس طرح مضطرب ہوں جس طرح چاند کے لئے چکور۔

دھرنی داسی

یہ فرقہ دھرنی داس نے قائم کیا جو سنہ ۱۶۵۶ء میں منجھی ضلع چھپرا میں پیدا ہوا۔ قوم کا کائستھ تھا۔ بعد میں فقیری اختیار کر لی۔ اس فرقے کے پیرو اب بھی ملتے ہیں۔ ہندی کی دو مشہور کتابیں ست پرکاش اور پریم پرکاش اس کی تصنیف ہیں۔

چرن داسی

اس فرقہ کا بانی چرن داس تھا۔ یہ فرقہ سنہ ۱۷۳۰ء میں دہلی میں قائم ہوا۔ اس کے پیرو اب بھی موجود ہیں جن کی بہت بڑی تعداد ہے۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی اس فرقے میں شامل ہیں۔ چرن داس کی تعلیم کبیر داس سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ رام نام جپنے کی

ضرورت، عبادت اور گرو کی فضیلت پر بہت زور دیا ہے۔ چرنداس بُت پرستی کے خلاف تھا لیکن رفتہ رفتہ اس فرقے میں بُت پرستی آگئی۔ گرو کو اوتار کی حیثیت دی جاتی ہے۔ دوسرے فرقوں کی طرح اس فرقے کا بھی تمام مذہبی ادب ہندی میں ہے۔ تمام گرؤں نے سنسکرت کے استعمال سے احتراز کیا۔ اس فرقے میں بھگوت پران اور بھگوت گیتا کے ہندی ترجمے موجود ہیں۔ جن کا کچھ حصّہ چرنداس کا ترجمہ کیا ہوا ہے۔

چرنداس نے متعدد قابل قدر تصانیف چھوڑی ہیں۔ اس کی دو مرید عورتیں شاعرہ تھیں۔ جن کے نام سنجھو بائی اور دیا بائی ہیں۔ یہ دونوں بہنیں تھیں اور چرن داسی فرقے میں تھیں۔ ان کا کلام حقیقت سے پُر ہے۔ دیا بائی نے دیا بودھ ۱۷۵۱ء میں لکھی تھی۔

شیو نرائنی ۱۷۳۴ء میں شیو نرائن نامی شخص نے جو قوم کا راجپوت تھا اور غازی پور کے قریب کا رہنے والا تھا۔ ایک فرقہ قائم کیا جو خدا کی پرستش کی تعلیم دیتا تھا اور بُت پرستی کا منکر تھا۔ شیو نرائن کو بذات خود اس کے شاگردوں نے اوتار مانا ہے۔ اس فرقے میں ہندو مسلمان کی قید نہ تھی اور ہر مذہب و ملت کے لوگ اس میں شامل تھے۔ شیو نرائن کی بہت سی ضخیم تصانیف ہیں جن میں سے سولہ کتابیں ہندی شاعری سے متعلق ہیں۔

غریب داس غریب داس کا زمانہ ۱۷۱۷ء لغایۃ ۱۷۸۲ء ہے۔ یہ کبیر کا چیلہ تھا۔ اس لئے یہ فرقہ کبیر پنتھیوں ہی کی

ایک شاخ ہے۔ اس فرقہ کا وجود اب بھی ہے۔ مگر یہ فرقہ اب صرف سادھوؤں ہی تک محدود ہے۔ غریب داس کی کتاب گرو گرنتھ صاحب میں چوبیس ہزار بند اور اشعار ہیں جن میں سے سات ہزار بند کبیر کے بتائے جاتے ہیں۔ غریب داس موضع چرانی ضلع رہتک کا رہنے والا تھا۔

لال داس

لال داس اُس فرقے کا بانی تھا جو الور کا رہنے والا تھا۔ اس کے اصول بھی کبیر سے بہت مشابہ تھے۔ اس نے بھی بکثرت رام نام جپنے کی تعلیم دی ہے۔ لال داس نے ایک بانی لکھی جس کے اشعار اس کے چیلے گایا کرتے ہیں۔

سادھ

سادھوؤں کا فرقہ بیر بھان نے ۱۶۵۸ء میں قائم کیا جو دوآبہ کے شمالی حصّے تک محدود رہا۔ بیر بھان کا قول ہے کہ اس کی تعلیم تمام اُن شبدوں (الفاظ) اور ساکھیو (بند) پر مشتمل ہے جو اس پر بذریعہ الہام نازل ہوئیں۔ یہ تمام اشعار ایک کتاب میں جمع کئے گئے ہیں جس کا نام ادی اُپدیش ہے۔ سادھ کبیر، نانک اور دادو کی نظمیں سادھوؤں کی انجمنوں اور جلسوں میں پڑھی جاتی ہیں۔

رام سنیہی

رام سنیہی فرقے کا بانی رام چرن تھا۔ ۱۷۱۸ء میں پیدا ہوا۔ راجپوتانہ کا رہنے والا تھا۔ پہلے بُت پرست تھا بعد میں بُت پرستی چھوڑ کر غریب داسی فرقے کی طرح رام کی محبت میں رام سنیہی فرقہ جاری کیا۔ یہ فرقہ بھی اب صرف سادھوؤں تک محدود ہے۔ اس کی شاعری اور تعلیم بانی کی شکل میں مرتب کی گئی۔ اس

فرقے کا تیسرا گرو دُلہارام تھا جس نے ۱۷۷۶ء میں دس ہزار اشعار و چار ہزار بند لکھے۔ ۱۸۲۴ء میں فوت ہوا۔

ست نامی یا جگ جیون داسی

ست نامیوں کا فرقہ سترھویں صدی کے پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ اس کا وجود کیونکر ہوا اب تک راز میں ہے۔ ۱۷۵۸ء میں جگ جیون داس نے اس کی تنظیم کی۔ یہ کوٹوا کا رہنے والا تھا جو اجودھیا اور لکھنؤ کے درمیان واقع ہے۔ جیساکہ اس فرقے کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے پیرو صرف خدائے بزرگ و برتر کی پرستش کرتے تھے لیکن ہندو مذہب کے خیالات اپنا گھر کیئے ہوئے ہیں۔ اس لئے اوتار کے وجود پر بھی ایمان ہے۔ جگ جیون کا بیستھ تھا لیکن یہ فرقہ عام طور پر اُن لوگوں میں پھیلا جو برادری سے خارج تھے۔ جگ جیون کی ہندی شاعری بہت سی کتابوں میں ہے جن میں سے پرتھم گرنتھ، مہاپر لے اور گیان پرکاش مشہور ہیں۔ جگ جیون داس کا ایک شاگرد دولن داس رائے بریلی کا رہنے والا تھا۔ ہندی کا ایک اچھا شاعر تھا۔ جگجیون داس کے دوسرے جانشین جلالی داس اور دیوی داس تھے جنھوں نے ہندی میں شاعری کی ہے۔ یہ فرقہ چھتیس گڈھ میں بھی چمکا۔ وہاں کے گرو غاسی داس تھے اُنھوں نے ضلع کے چماروں میں قومیت کا خیال پیدا کیا۔

پیران ناتھی

پیران ناتھ اٹھارھویں صدی کے شروع میں ہوا ہے۔ یہ ریاست پنّا کا رہنے والا تھا۔ راجہ چھتر سالی نے اس

کی سرپرستی کی۔ اس نے پران ناتھی فرقہ جاری کیا جس میں نہ صرف ہندو مسلمان بلکہ عیسائی بھی شامل ہو سکتے تھے۔ پران ناتھ قوم کا چھتری تھا۔ وہ مذہب اسلام اور ہندو دھرم کی تعلیم سے بخوبی واقف تھا۔ اس نے اس امر کی کوشش کی کہ دونوں مل جائیں۔ اس فرقے کے لوگوں کو دھامی بھی کہتے ہیں۔ اس گروہ کے لوگ ایک جگہ کھاتے پیتے تھے۔ لیکن ہندو اور مسلم رسومات کے پابند تھے۔ پران ناتھ نے چودہ کتابیں نظم میں تصنیف کیں گو کہ اس نے ہندی قاعدہ کی پابندی کی ہے لیکن اس کے یہاں عربی و فارسی الفاظ کی افراط ہے۔

بعض صوفی شعراء یاری صاحب ایک مسلم صوفی گذرے ہیں جنھوں نے ہندی میں صوفیانہ شاعری کی ہے۔ ان کا زمانہ ۱۶۶۸ء لغایتہ ۱۷۲۳ء ہے۔ دہلی میں قیام تھا اور مشرب صوفیہ کی تعلیم دیتے تھے۔ کیشو داس اور بلاّ صاحب ان کے شاگرد تھے۔ انھوں نے بھی ہندی میں نظمیں کہی ہیں۔ بلاّ صاحب کا ایک شاگرد بلال صاحب اور بلال صاحب کے شاگرد دھیکا تھے۔ یہ دونوں بھی اٹھارھویں صدی کے نصف آخر میں گذرے ہیں۔ ہندی کے مشہور شاعر تھے۔

دو اور ہندی مصنف دریا صاحب بہاری اور دریا صاحب مارواڑی اسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ دونوں مسلمان تھے اور اٹھارھویں صدی کے پہلے نصف حصہ میں گذرے ہیں۔

ملک محمد جائسی صوفی شعرا میں ملک محمد جائسی کا نام کبھی بھلایا نہیں

جاسکتا۔ یہ جائس کے رہنے والے تھے۔ ہندو مذہب سے کافی واقفیت رکھتے تھے اور کبیر کی تعلیم سے متاثر تھے۔ امیٹھی کے راجہ اس کے بڑے قدرداں تھے کیونکہ راجہ کا خیال تھا کہ اس کے یہاں لڑکے کی پیدائش ملک محمد جائسی کی دعاؤں کے اثر سے ہوئی۔ ملک محمد جائس ضلع رائے بریلی میں پیدا ہوئے اور امیٹھی میں فوت ہوئے۔ ان کا مزار وہاں اب تک موجود ہے۔

پدماوت ان کی شاہکار نظم ہے۔ یہ ایک منظوم افسانہ ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رتن سین کو ایک طوطے کے ذریعہ سے پدمنی کے حسن کی خبر ہوئی۔ وہ فقیر کا بھیس بدل کر لنکا گیا اور وہاں سے پدمنی کو اپنی بیوی بنا کر چتوڑ لایا۔ علاء الدین جو اس وقت دہلی کا بادشاہ تھا۔ اس کو بھی پدمنی کے حسن کی خبر ہوئی۔ اس نے چتوڑ پر حملہ کیا اور رتن سین کو قید کر لیا اور شرطِ رہائی یہ ہوئی کہ وہ پدمنی کو حوالے کر دے۔ اُسے دو بہادروں کی مدد سے رہائی حاصل ہوئی۔ رتن سین کی اسیری کے زمانہ میں دیوپال نے پدمنی کو اپنے قبضہ میں کر کے پدمنی سے شادی کرنا چاہا تھا۔ چنانچہ رتن سین اور دیوپال میں جنگ ہوئی جس میں دیوپال مارا گیا اور رتن سین کو ایسے زخم لگے کہ وہ چتوڑ میں آکر مر گیا۔ پدمنی اس کی چتا پر ستی ہو گئی۔ علاء الدین نے چتوڑ فتح کر لیا۔ اس نظم کے آخر میں ملک محمد نے اس قصے کی تمثیلات کی وضاحت یوں کی ہے:۔

چتوڑ سے مُراد جسم انسانی۔ رتن سین روح ہے اور پدمنی عقل۔ علاء الدین وسوسہ اور طوطا گرو۔ اس طرح قصے کو ایک مذہبی رنگ دیا ہے۔ تاریخ کی روشنی میں ملک محمد کی یہ نظم چتوڑ کے محاصرے کی تصویر کہی جاتی ہے۔ لیکن اس میں

بہت سے واقعات ایسے ہیں جن میں ردّوبدل بھی کیا گیا ہے اور دوسرے قصّوں کی روایات بھی شامل کی گئی ہیں۔ اس نظم میں وہ زبان استعمال کی گئی ہے جو ملک محمد کے زمانہ میں رائج تھی کہیں کہیں فارسی الفاظ اور محاورے موجود ہیں۔ یہ اوّلاً اردو رسم الخط میں لکھی گئی اور حقیقتاً نہایت عمدہ اور ہندی ادب کا ایک نادر سرمایہ ہے۔ (مثال)

जायसी

सरवर हियाघटत नित जाई, टूक टूक होइकै बिहराई।
बिहरत हिया करहु पिउ, टेका, दीठि-दवगरा मेरवहु एका।
कँवल जो बिगसा मानसर, बिनु जल गएउ सुखाइ।
अबहुँ बेलि फिरि पलुहै, जो पिउ सींचै आइ।
(पदमावत)

سرور ہیا گھٹت نِت جائی ٹوک ٹوک ہوئے کے بہرائی
بہرت ہیا کرہو پیو ٹیکا دیٹھ دوگرا مروہو وہ ایکا
کنول جو بگسا مانسر بِن جل گئیو سکھائے
ابھوں بیل پھر پلہیئے جو پیو سینچے آئے
(از پدماوت ملک محمد جائسی)

ناگ متی ہجر کے عالم میں بیان کرتی ہے کہ میرے دل کا تالاب روز بروز گھٹتا جاتا ہے اور تالاب کی سطح چپّے چپّے ہوکر ٹوٹتی جاتی ہے۔ اے میرے محبوب میری اس حالت پر رحم کرو اور جس طرح سے پہلی بارش تالاب کی سطح کو درست کر دیتی ہیں تم بھی اپنے جمال سے میرے دل کو درست کردو۔ اِس

تالاب میں تمھاری محبت کا جو کنول پھولا تھا وہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے خشک ہوگیا۔ اے محبوب ابھی یہ ممکن ہے کہ یہ بیل اگر تو اسے اپنے محبت کے پانی سے سینچے تو ہری ہو جائے۔

پدماوت کے عمیق مطالعہ سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ واقعی جائسی کو اس وقت کی زبان پر پورا عبور تھا اور ہندو رسومات اور مذہبی عقائد سے بھی کچھ کچھ واقفیت تھی۔

اس عہد میں قطبین۔ عثمان اور منجھن نے بھی صوفیانہ شاعری میں نام پیدا کیا۔ مثال کے لئے عثمان کے کلام کا نمونہ درج کیا جاتا ہے۔

उसमान

चाँद न सरवर पावई, रूप न पूजै भानु।
अब सुनु तन मन कान दै नखसिख करौं बखानु।
प्रथमहि कँहों केस की सोभा, पन्नग जनों मलय गिरि लोभा।
परिव विमल पीठि पर परे, लहर लेहिं विषधर विष भरे।
(चित्रावली से)

چاند نہ سرور پاوئی روپ نہ پوجے بھان
اب سُن تن من کان دے۔ نکھ شکھ کروں بکھان
پرتھمی کہوں کیسے کی سوبھا۔ پنگ جنوں ملے گر لوبھا
پرگھ ومل پیٹھ پر پرے، لہر لیہیں وشدھر وش بھرے
(از چترا ولی)

چاند اور سورج اُن کی خوبصورتی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میں اب اس کا سراپا بیان کرتا ہوں۔ اُسے بغور سنو۔ اس کے بال لمبے اور صاف۔ بیٹھ پر زہریلے سانپ کی طرح لہریں لے رہے ہیں۔

اس عہد کی عام خصوصیات

وہ تمام مصنّفین جن کا ذکر اس باب میں کیا گیا ہے شاعر تھے۔ ہندوستان کے اہل ادب ان کے جذبات کو سنت رس (صوفیانہ طرز) کہتے ہیں۔ اُن کا کلام نہایت آسان مقفّیٰ و مسجّع اور موسیقی سے لبریز ہے اور ہندی ادب کا ایک جزو ہو گیا ہے۔ حالانکہ شعراء و مصنّفین کے پیش نظر ادب سے زیادہ مذہبی خدمت تھی۔ ان میں سے بعض کا شمار ہندی کے بہترین شعراء میں ہے۔ لیکن ان کی شاعری کبیر کے مقابلہ میں پھیکی ہے۔ ان تمام ضخیم کتابوں میں مضامین کی وسعت نہیں ہے۔ گرو کی ضرورت اور اس کی عزت رام نام کی مداومت اور مذہب کی ضرورت۔ دولت کی لعنت۔ حقیقت کی محبّت۔ پاک وصاف زندگی گذارنے کی ضرورت اور اسی قسم کے مضامین کتابوں میں مکرّر نہایت طوالت کے ساتھ موجود ہیں جنھیں بار بار پڑھنے سے جی اُکتا جاتا ہے۔ اس زمانہ کا زیادہ حصّہ ایسا تھا جب کہ شمالی ہندوستان میں ایک زبردست تبدیلی ہو رہی تھی۔ اورنگ زیب کے زمانۂ حکومت میں سرکشوں کی بدولت لڑائی کا بازار گرم تھا اور اس کے انتقال کے بعد طوائف الملوکی اور زیادہ ہو گئی، جھگڑے فساد زیادہ بڑھ گئے۔

نادر شاہ اور بعدہٗ احمد شاہ ابدالی کے حملے شدید حادثے تھے۔ مرہٹے بھی سلطنت مغلیہ پر برابر حملے کر رہے تھے جو اس زمانے کے آخیر میں بالکل برائے نام ہی رہ گئی تھی۔ گو یہ زمانہ قطعی پُر سکون نہ تھا تاہم وہ تمام چھوٹے چھوٹے مذہبی فرقے جن کا ذکر اس باب میں کیا گیا ہے اسی زمانے میں اُبھرے اور ان تمام نظموں میں جو ان مختلف فرقوں کے رہنماؤں نے لکھیں۔ خدا کی تعریف کے علاوہ بہت سے ایسے مضامین ہیں جنھیں پڑھ کر ایسے پُر شور زمانے میں لوگوں کو تسکین قلب حاصل ہوئی۔ ان تمام فرقوں کی تعلیم کم و بیش کبیر کی تعلیم کی مرہون منت ہے اور اس سے بہت کچھ متاثر نظر آتی ہے۔ بُت پرستی کی مخالفت اور بہت سی مذہبی روایات وہی ہیں جن کی تعلیم کبیر داس نے دی ہے۔

اسی زمانے میں بعض ایسے مشہور شعرا بھی ہوئے ہیں جنھوں نے مختلف عنوانات پر شاعری کے بہترین نمونے پیش کئے ہیں جن میں سے نروتم داس اور گنگ کوی زیادہ مشہور ہیں۔ جن کا مختصر تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

نروتم داس یہ قصبہ باڑی ضلع سیتاپور کے رہنے والے تھے۔ سنہ ۱۵۲۵ء میں سُدا ما چرتر کے عنوان سے ایک مختصر نظم لکھی۔ ان کی شاعری ٹکسالی ہوتی ہے اور ہندی شعرا میں ایک اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں۔ زبان نہایت سلیس اور پختہ ہوتی ہے اور ٹھوس جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ مثال۔

नरोत्तम दास

छोड़ि सबै जक तोहिं लगी बक, आठहु याम यही बक ठानी।
जातहिं दै हैं लदाय लढा भरि, ऐहैं लिये तू यही जिय जानी॥
पावैं कहा ते अटारी अटा, जिनको है लिखि विधि टूटिय छानी।
जो पै दरिद्र ललाट लिखा, कहु को त्यहि मेटि सकैगो अयानी॥
(सुदामा चरित्र)

چھوڑ سبے جگ تو ئے لگی بک　　آٹھوں یام یہی بک ٹھانی
جاتہ دیہیں لدائے لڑھا بھر　　لے ہوں لئے تو یہی جیے جانی
پاویں کہاں سے اٹاری اٹا　　جن کو ہے لکھی بدہ ٹوٹی چھانی
جو پے درددر للاٹ لکھو　　کہو کو تہ میٹ سکے گو آیانی
(نردتم واس - از سداما چرتر)

معنی - تمام دیگر باتیں چھوڑ کر تجھے ہر وقت یہی تذکرہ ہے کہ کرشن کے پاس چلے جاؤ - تو یہ سمجھتی ہے کہ میرے جاتے ہی کرشن گاڑی بھر کر زر و جواہر لا دیں گے اور میں لے آؤں گا - جن کی قسمت میں ٹوٹا سا چھپر لکھا ہے انھیں بلند محل کس طرح نصیب ہو سکتے ہیں - جب قسمت میں ہی غریبی لکھی ہے تو اے بے عقل اسے کون دور کر سکتا ہے -

---

گنگ کوی

یہ اکبر کے دربار کے ایک شاعر تھے - چھوٹے چھوٹے قطعات مختلف عنوانات پر نظم کیے - فارسی الفاظ کی

آمیزش آپ کی شاعری میں کافی ہے۔ خیالات زیادہ شجاعت سے لبریز ہیں۔ نہایت صاف گو تھے اور لگی لپٹی نہ رکھتے تھے۔ اس وقت اِن کا بہت کم کلام ملتا ہے۔ ہندی ادب میں اِن کا رتبہ بحیثیت شاعر کے ہی مانا جاتا ہے۔ حالانکہ انھوں نے نثر میں بھی ایک کتاب چند چھند برنن کی مہما لکھی تھی جس کا نمونہ موقع پر دیا گیا ہے۔ مثال۔

गंग

प्रबल प्रचंड बली बैरम के खानखाना
तेरी धाक दीयन दिसान दहदहकी।
कहैं कवि गंग तहाँ भारी सूर बीरन के,
उमड़ि अखंड दल प्रलै पौन लहकी।
मच्यो घमसान तहाँ तोय तीरबान चलैं.
मंडि बलवान किरवान कोपि गहकी।
तुण्ड काटि मुंड काटि जोसन जिरह काटि,
नीमा जामा जीन काटि जिमी आनि ठहकी।

گنگ

پربل پرچنڈ بلی بیرم کے خانخانان
تیری دھاک دین دسان دہ دہ کی
کہیں کوی گنگ تہاں بھاری سور بیرن کے
اُمنڈ اکھنڈ دل پر لے پون لہکی

مچو گھمسان کھان توپ تیر بان چلنی
منڈ بلوان کر بان کوپ گھکی
تنڈ کاٹ منڈ کاٹ جوسن جرہ کاٹ
نیما جامہ جین کٹ ۔ جمینی آ نہا ٹھیکی

کربان = تلوار
تنڈ = سونڈ
کے = کالڑکا

معنی ۔ گنگ کوی عبد الرحیم خانخاناں کی مدح میں ذکر کرتا ہے :۔
وہ بہت طاقتور تھا اور اس کی دھاک ہر چہار طرف بیٹھی ہوئی تھی ۔
جس وقت غصہ کے عالم میں وہ تلوار ہاتھ میں لے لیتا تھا تو قیامت برپا
ہو جاتی تھی اور اس کی تلوار ہاتھی کی سونڈ ۔ بدن ۔ جوشن ۔ زرہ ۔ نیما ۔
جامہ اور زین سب کو کاٹتی ہوئی زمین پہ آ کر رکتی تھی ۔

تیسرا دور
ریت کال

شہنشاہ اکبر کے زمانے میں پورے طور سے امن والمان قائم ہو چکا تھا اور رعایا کے دل ودماغ سکون واطمینان کا گہوارہ بن چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب راحت وآرام کا زمانہ نصیب ہوتا ہے تو طرح طرح کے لہو ولعب وتعیش کی طرف طبیعت راغب ہونے لگتی ہے۔ اکبر اور اس کے جانشینوں کی رنگ رلیاں دربار سے بازار تک عام تھیں۔ مثل مشہور ہے۔ "جیسا راجہ ویسی پرجا" بادشاہوں کے ساتھ ساتھ رعایا بھی زمانے کے ماحول اور تاثرات سے محفوظ نہ رہ سکی بھگتی کال میں کرشن اور رادھا کی پریم کہانیاں جیسے جے دیو نے گیت گووند میں نظم کیا تھا اور جسے ودیاپتی نے اور جلا بخشی تھی۔ اس زمانے کے شعرا کا خیال ان کی طرف منتقل ہوا۔ سورداس اور تلسی داس نے اپنے اشعار میں جس پاک محبت کا اظہار کیا تھا وہی محبت اب شاہدان بازاری کی نذر ہو گئی۔ بہاری۔ متی رام اور دیو جیسے زبان پر قدرت رکھنے والے شعرا بھی حسن ظاہری کا سراپا

کھینچنے اور آرائش وزیبائش کی تصویر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ شعرا کا مذاق لطیف معشوق کی زلف پُر پیچ میں اُلجھ کر رہ گیا اور وہ خود دکمر و دہن کی جستجو میں کھو گئے۔ دماغی عیاشی کی مثال اس زمانے سے بہتر کسی دوسرے دَور میں نہ ملے گی۔

اس دَور کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ شعرا کا دماغ حُسن وعشق کے تاثرات نظم کرنے کے علاوہ فن عروض اور صنائع بدائع تشبیہات واستعارات کی طرف مائل ہو گیا۔ اصول وقواعد کی پابندیوں سے عام شعرا اپنے خیالات کو آزادی سے نظم نہ کر سکتے تھے۔ اس وقت کے شعراء نے برج بھاشا میں متفرق اشعار کے ذریعہ حُسن وعشق کا اظہار کیا ہے۔ محبّت کے دیوانے۔ گھنا نند۔ رس کھان۔ عالم۔ ٹھاکر اور بودھا وغیرہ نے برج بھاشا کی زبان صاف کی ہے۔

ہندی زبان پر دوسرے اثرات

مسلمان عرب نژاد تھے۔ ان کی زبان عربی تھی لیکن ان کے ادب کی زبان فارسی تھی۔ یہ زبان مغلوں کی آمد سے پہلے بھی ہندوستان میں جاری ہو چکی تھی اور بہت سے اہل ہنود بھی جو دربار سے متعلق تھے اس زبان میں کافی مہارت وشہرت حاصل کر چکے تھے۔ اُردو ادب بھی ابتدائی فارسی ادب کا ایک نمونہ تھا۔ مگر ہندی زبان کے وجود میں آنے کے وقت چونکہ اُردو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اس لئے اِس زبان پر اوّلاً اُردو کا کچھ اثر نہ ہوا اور نہ فارسی زبان کا۔ ہندی زبان کا گہرا

جائزہ لینے پر یہ امر بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ وہ اُردو اور فارسی زبان سے سلطنت مغلیہ کے زمانے میں متاثر ہوئی اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہندوؤں نے بھی فارسی اور اُردو میں کافی مہارت حاصل کر لی تھی۔ اس لئے ان زبانوں کے اعلیٰ خیالات کو ہندی کے سانچوں میں سمونا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح سے ہندی ادب میں فارسی اور اُردو کے خیالات۔ محاورات۔ تشبیہات وغیرہ آ گئے اور شاہانِ مغلیہ کی ترغیب سے اس میں اور بھی ترقی ہوئی۔

شاہانِ سابق نے ادب کی ترویج میں حصّہ ضرور لیا تھا مگر سب سے پہلے اکبر نے ہندی ادب کی توسیع میں کوشش کی۔ شہنشاہ اکبر کا زمانہ ادبی حیثیت سے نہایت قابل قدر زمانہ ہے۔ اس نے نہ صرف ایک اعلیٰ حکومت قائم کی بلکہ وہ فن ادب کا بڑا مربی تھا۔ فنون تعمیر۔ موسیقی۔ مصوری۔ خطاطی کی اس نے بڑی ہمت افزائی کی۔ مختلف زبانوں کی کتابوں کے لئے ایک بڑا کتب خانہ قائم کیا اور بہت سی کتابوں کے ترجمے سنسکرت زبان سے فارسی اور اُردو میں کرائے۔ شعراء کو بڑے بڑے انعام و اکرام دئے۔ اس عہد میں دیگر زبانوں کے ساتھ ساتھ ہندی زبان میں بھی نمایاں ترقی ہوئی۔ اُن ادیبوں کے علاوہ جو دربار شاہی سے متعلق تھے دور و دراز مقامات پر اور لوگ بھی ہندی کی تصنیف و تالیف میں مشغول تھے کیونکہ مصنّفین کو اس کا یقین تھا کہ وہ اب ایک ایسی حکومت میں ہیں جس میں اُنھیں ہر طرح سکون و اطمینان حاصل ہے۔

شاہنشاہ اکبر کی پالیسی ہندی ادب کی ترویج تھی۔ اُس کی سرپرستی کی وجہ سے امراء اور روساء نے بھی ہندو مسلمان مصنّفین کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جس کی وجہ سے ہندی ادب و شاعری میں نمایاں ترقی ہوئی۔ اس اثر کو زیادہ تر انھیں مصنّفین نے محسوس کیا ہے جو دربار شاہی سے متعلق تھے یا جنھیں دربار شاہی سے خلعت و انعام ملے۔

دربار اکبری کے ہندی شعراء

اکبر کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے خود بھی ہندی کے چند دوہے لکھے ہیں۔ جن میں اس نے اپنا تخلص اکبر رائے رکھا ہے لیکن غالباً یہ دوہے فنِ موسیقی کے اُستادِ اعظم تان سین نے لکھے تھے۔ تان سین دربار اکبری سے وابستہ تھا۔ اکبر کے بہت سے وزراء خود بھی مصنّف تھے۔ راجہ ٹوڈر مل نے ہندوؤں کو فارسی پڑھنے کی ترغیب دی اور اسی کی کوشش سے اُردو زبان عام ہوئی۔ اس نے بھگوت پران کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ اس کے علاوہ بہت سی نظمیں اخلاقیات پر لکھیں۔

راجہ بیربل

یہ ایک قنوجی دوبے برہمن تھا۔ پہلے راجہ جے پور کا درباری شاعر تھا جس نے اُسے اکبر کے دربار میں بھیج دیا۔ اپنی ذہانت سے اکبر کے مقربین میں شامل ہو گیا۔ اکبر نے اُسے کوی رائے (ملک الشعراء) کے معزز خطاب سے سرفراز کیا۔ بیربل ذہین تھا۔ بہت جلد ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کیے۔ وہ اپنی مختصر چٹکلوں والی نظم اور مذاق نگاری کے لئے مشہور ہے۔ اس کا کوئی مکمل دیوان موجود نہیں۔ لیکن بہت سے اشعار جو اس سے

منسوب کئے جاتے ہیں زباں زد خلائق ہیں۔ وہ خود جب اعلیٰ مرتبے پر پہنچا تو اس نے دوسرے شعرا کی سرپرستی کی۔

مہاراجہ مان سنگھ یہ جے پور کا راجہ تھا اور اکبر کی فوج کا جنرل ادیبوں کا بڑا قدر دان تھا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے ایک شعر کے انعام میں ایک لاکھ روپیہ تک دیا ہے۔

ابوالفیض فیضی ابوالفضل کا بھائی تھا جس نے آئین اکبری تصنیف کی۔ ابوالفیض نہ صرف فارسی شاعر تھا بلکہ اس نے بہت سے ہندی دوہے بھی لکھے ہیں۔

عبدالرحیم خان خاناں یہ اکبر کے وزراء میں سب سے زیادہ قابل تھا۔ بیرم خاں کا بیٹا تھا جس کی امداد سے اکبر بچپن ہی میں تخت نشین ہوا۔ وہ عربی، فارسی، سنسکرت اور ہندی سے بخوبی واقف تھا اور بذات خود شاعر ہونے کے علاوہ شعرا کا مربی بھی تھا۔ اس نے گنگ کوی کی بڑی حمایت کی۔ اس کے ہندی اشعار خصوصاً اخلاقیات پر قابل ستائش ہیں۔ اشعار خود بتاتے ہیں کہ مصنف اعلیٰ پایہ کا شاعر تھا۔ دیگر کتابوں کے علاوہ اس نے رحیم ست ستی لکھی جو اس کی شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔

रहीम

(१) छार उछारत सीस पर कहु 'रहीम' किहि काज ।
जिहि रज मुनि पतनी तरी, तिहि खोजत गजराज ।

چھار اچھارت سیس پر کہو رحیم کہہ کاج　　　جہہ رج منی پتنی تری تہہ کھوجت گجراج

معنی۔ رحیم کہتے ہیں کہ بتلاؤ تو سہی کہ ہاتھی اپنے سر پر خاک اڑاتا کیوں پھرتا ہے۔ جس خاک کے چھونے سے اہلیہ کا مقصد حاصل ہو گیا تھا اسی خاک کو ہاتھی تلاش کر رہا ہے (خاک پائے معشوق کی تعریف میں ہے)۔

(२) रहिमन निज मन कै बिथा मन ही राखेहु गोइ।
सुनि अठिलैहैं लोग सब, बाँटि न लैहैं कोइ।

۲
رحمن نج من کی وتھا من ہی راکھو گوئے   سن اٹھلین ہیں لوگ سب بانٹ نہ لینی کوئے

معنی۔ اے رحیم دل کی بات دل ہی میں رکھو۔ دوسرے اسے سن کر اٹھلائیں گے اور تمھارے درد کی دوا نہ کریں گے۔

تان سین

یہ گوالیار کا ایک نومسلم تھا اور اپنے زمانے میں فن موسیقی کا استاد کامل گذرا ہے۔ یہ اکبر کا درباری گویا بھی تھا۔ فن موسیقی میں کامل ہونے کے علاوہ اس نے بہت سی نظمیں ہندی میں لکھی ہیں۔ یہ جہانگیر کے عہد حکومت تک رہا ہے۔ سنگیت سار اور راگ مالا اس کی تصانیف ہیں۔

منوہر داس کرن اور نرہری سہائے

بھی اکبر کے دربار کے مشہور شعراء تھے۔

نرہری سہائے کو اکبر نے مہاپتر کا خطاب عطا کیا۔ اکبر کا خیال تھا کہ دوسرے

شعرا گن کے پتر ہیں مگر نرہری سہائے مہا پتر ہے۔
اکبر کے دربار کا ایک اور شاعر گنگا پرشاد تھا جو گنگ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی زندگی کے حالات بہت کم روشنی میں آئے گو کہ اُس کو اپنے زمانہ میں بہت شہرت و عزت حاصل ہوئی۔ تاہم اس وقت صرف تیس یا تینتیس اشعار اس کی یادگار ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار عبدالرحیم خان خاناں نے جو اس کا مربی تھا چھتیس شعر کے صلے میں چھتیس لاکھ روپیہ انعام عطا کیا۔ مزاح نگاری اور جنگ کی منظر کشی میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

کیشو داس

کیشو داس بندیل کھنڈ کی ریاست اورچھا کا رہنے والا تھا۔ اس کی ایک اہم تصنیف وگیان گیتا ہے جو اُس نے راجہ مدھوکر شاہ اورچھا کے نام سے معنون کی۔ کوی پریا اس کی نہایت عمدہ تصنیف ہے جس میں اُس نے شاعری کے حسن و قبح اور دیگر محاسن پر بحث کی ہے۔ یہی اس کا وہ شاہکار ہے جس نے اُسے شعرا میں ممتاز حیثیت بخشی۔ رائے پتوری کے نام سے معنون کی جو ایک مشہور شاعرہ ہوئی ہے اور جس نے بہت سی چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھیں۔
کیشو داس نے ایک اور کتاب رام چندر کا بھی لکھی تھی جو اُس نے مدھوکر شاہ کے لڑکے اندر جیت کے نام سے معنون کی۔ وہ کیشو داس ہی تھا جس نے راجہ بیربل کے ذریعہ سے وہ کثیر رقم جرمانہ جو شہنشاہ اکبر نے اندر جیت پر کیا تھا معاف کرایا۔ اس نے شاعری کے متعلق رسالک پریا

اور فن عروض کے متعلق راما النکرت منجری لکھی۔ ان کتابوں میں اُس نے صرف فن شاعری اور عروض کے قواعد وضوابط ہی نہیں دئے بلکہ ان کی مثالیں بھی دی ہیں۔ اس طور سے یہ کتابیں قواعد عروض کا مجموعہ اور بہترین اشعار کا خزانہ ہوگئیں۔ کیشو داس کے اشعار بہت آسان ہیں۔ پھر بھی محاسن سے خالی نہیں اور اس وجہ سے ان کا شمار اپنے زمانہ کے بہترین شعرا میں ہے۔ اس کے کلام کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں اور بہت سے شعرا نے اس کا تتبع کیا۔

केसव केसन अस करी जस अरिहु न करांय।
चन्द बदन मृगलोचनी बाबा कहि कहि जाँय।

کیشو کیسن اَس کری جس اَرِہو نہ کرائیں
چند بدن مرگ لوچنی بابا کہہ کہہ جائیں

معنی۔ کیشو کہتے ہیں کہ میرے سر کے بالوں نے میرے ساتھ وہ سلوک کیا جو دشمن بھی نہیں کرتا۔ ان بالوں کی بدولت یعنی سفید ہوجانے سے ماہرو اور آہو چشم مجھے بابا کہہ کے پکارتی ہیں۔ یعنی بزرگ گردانتی ہیں۔

کیشو داس کے بھائی بل بھدر نے بھی بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں ایک بھگوت پران کی شرح بھی ہے۔ اس کی ایک مشہور اور مستند

نظم نکھ سکھ ہے۔ اس نظم میں محبوب کا سراپا اس طرح کھینچا ہے کہ سر کی چوٹی سے پیر کے ناخن تک کا بیان نادر تشبیہات کے ساتھ ہے۔ اس کی ان تشبیہوں کو دیگر شعراء نے بھی استعمال کیا ہے۔ اس قسم کی ایک کتاب حبیب و محبوب کے متعلق نائک نائکہ بھید کے نام سے لکھی جو اپنی زبان اور شوخی کے باعث نمایاں ہے۔

اس زمانے کے دیگر مشہور شعراء بال کرشن تریاٹھی اور کاشی ناتھ گذرے ہیں۔ تریاٹھی کی راس چندر کا فن عروضی کی ایک اچھی کتاب ہے۔

केशव

देखहु भरत चमू सजि आये।
जानि अवल हमको उठि धाये।
हींसत हय बहु वारन गाजे।
जहँ तहँ दीरघ दुंदभि बाजे।

(रामचन्द्रिका से)

دیکھو بھرت چمو سج آئے
جان ابل ہم کو اُٹھو دھائے
ہینست ہے بہُو بارن گاجے
جہینہ تہینہ دیرگھ دندبھ باجے

معنی۔ دیکھو بھرت اپنی فوج آراستہ کر کے آرہے ہیں۔ انھوں نے شاید ہم کو کمزور سمجھ لیا ہے۔ اس وجہ سے حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ بہت سے گھوڑے ہنہناتے آرہے ہیں۔ ساتھ میں بہت سے ہاتھی ہیں اور جا بجا نقارہ بج رہا ہے۔

ریت کال کے دیگر شعراء

ہندی ادب کی ترویج کی جو کوشش شہنشاہ اکبر نے کی تھی اس کے اثرات اکبر کے انتقال کے بعد بھی ایک مدت دراز تک قائم رہے جہانگیر اور شاہ جہاں نے اکبر کی ادب نوازانہ پالیسی جائز رکھی۔ شاہجہاں کا بیٹا دارالشکوہ ادیبوں کا ایک بڑا مربی تھا اور خود بھی مذہب ہنود سے کافی واقفیت رکھتا تھا۔ اورنگ زیب کے زمانے تک باوجودیکہ وہ ہندی تعلیم کو اچھا نہ سمجھتا پھر بھی کوی رائے کا خطاب مستحق شعراء کو دیا جاتا تھا۔ ایک برہمن سندر نامی کو شاہجہاں کے دربار سے کوی رائے کا خطاب ملا۔ اس نے شاعری کے متعلق ایک کتاب سندر سنگار لکھی اور اس نے سنگھاسن بتیسی کا ترجمہ بھی برج بھاشا میں کیا جس کا اردو ترجمہ للوجی لال نے بعد میں کیا۔

اس دور میں سیناپتی بھی ایک مشہور شاعر گذرا ہے جو قنوج کا برہمن تھا۔ اس کا خاص کارنامہ کوتا رتناکر ہے جو ۱۶۴۹ء میں تصنیف ہوئی۔ یہ کتاب فن شاعری کے متعلق ہے۔ سیناپتی مناظر قطرت کی تصویر کشی اور نیچرل شاعری کے لئے مشہور ہے۔ اس نے ہندوستان کے مختلف موسموں کی نہایت عمدہ تصویر کشی کی ہے جس میں کہ وہ دیو کے علاوہ اور سب شعراء سے سبقت لے گیا ہے۔ اس کی ایک دوسری تصنیف کا دی کلپا درم ہے اور اس کی دیگر مختلف نظمیں جو وقتاً فوقتاً لکھی گئیں ایک مجموعہ کی صورت میں ترتیب دی گئی ہیں۔

مثال

सेनापति

लाल लाल टेसू फूलि रहे हैं बिलास संग,
स्याम रंग मई मानो मसि में मिलाए हैं।
तहाँ मधुकाज आय बैठे मधुकर पुंज,
मलय पवन उपवन बन धाए हैं।
'सेनापति' माधव महीना में पलास तरु,
देखि देखि भाव कविता के मन आए हैं।
आधे अंग सुलगि सुलगि रहे आधे मानो,
बिरही दहन काम क्वैला परचाए हैं।
(बसंत बर्णन)

لال لال ٹیسو پھول رہے ہیں بلاس سنگ
سیام رنگ مئی مانو مس میں ملائے ہیں
تہاں مدہو کاج آئے بیٹھے مدھوکر کنج
ملے پَوَن اُپون بن دہائے ہیں
سیناپت مادھو مہینہ میں پلاس ترو
دیکھ دیکھ بھاؤ کوِتا کے من آئے ہیں
آدھی انگ سُلگ رہے آدھے مانو
برہی دھن کام کوئیلا پرچائے ہیں
سیناپت بسنت موسم کا ایک سین یوں پیش کرتا ہے:—

لال لال ٹیسو کے پھول ہر طرف پھول رہے ہیں گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں شیام کے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ جس کی وجہ سے کچھ کچھ سیاہی مائل ہو گئے ہیں۔ ان پر بھونرے مست ہو کر شہد چوس رہے ہیں۔ چیت، بیساکھ کے مہینے میں ٹیسو کے پیڑ کو دیکھ کر شاعری کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یہ پھول ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ حسن کی دیوی نے اپنے مہجور کو ہجر کی آگ میں جلانے کے لئے کوئلوں کو دہکا رکھا ہے۔ جن میں سے کچھ دہک گئے ہیں اور کچھ دہکنے کے قریب ہیں۔ مناسبت پھول کی سیاہی اور سُرخی سے ہے۔

تر پاٹھی بندھو

رتناکر ترپاٹھی ایک قنوجی برہمن تھا ضلع کانپور کا رہنے والا تھا۔ اس کے چار بیٹے ہندی کے مشہور شاعر اورنگ زیب اور شاہجہاں کے زمانے میں گذرے ہیں۔ سترھویں صدی عیسوی کے بقیہ نصف میں کیشوداس نے جو شاہراہ نکالی تھی اس کو ترقی دی۔ سب سے بڑا بیٹا چنتامنی ترپاٹھی تھا۔ شاہجہاں اور دیگر فرمانرواؤں نے اس کی سرپرستی کی۔ وہ ہندی ادب میں ایک زبردست مصنف کہا جاتا ہے۔ اُس کی تصانیف میں سے چھند وچار جو فن عروض سے متعلق ہے اور کاوّ کلپتا درم اور کوی پرکاش میں اُس نے رامائن کو دوسری بحروں میں لکھا ہے۔ سب سے چھوٹے بھائی کا نام جٹا شنکر یا نیل کنٹھ ترپاٹھی تھا۔ یہ دونوں بھائی اپنے دیگر بھائی کو

بھوشن اور متی رام پر سبقت لے گئے۔

بھوشن ترپاٹھی

یہ بہت سے بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہوا۔ اس کے خاص مربّی شیوراج راجہ ستارہ اور چھترسال راجہ پنّا تھے۔ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ چھترسال خود اس کی پالکی اپنے کندھوں پر لے گیا۔ شیوراج نے بھی بہت کچھ انعام واکرام عطا کیے اور ایک مرتبہ پانچ ہاتھی اور پچیس ہزار روپیہ ایک نظم پر عطا کیے۔ بھوشن کا خاص کارنامہ شیوراج بھوشن ہے جو اس نے شیوراج کی مدح میں لکھی۔ یہ ۱۶۶۶ء اور ۱۶۷۳ء کے درمیان لکھی گئی۔ بھوشن کی بہت سی تصانیف ضائع ہوگئیں۔ شیوراج بھوشن کے علاوہ اور بہت سے اشعار شیوراج اور چھترسال کی تعریف میں ہیں۔ بھوشن کے خاص انداز رنج وغم وجانبازی وبہادری اور قوت کے اظہار میں پائے جاتے ہیں۔ ہندی شعراء میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ وہ خاص طور سے ہندوؤں کی ترقّی کا حامی تھا اور اس نہج سے اس کی شاعری زیادہ مشہور ہے۔

متی رام ترپاٹھی

پہلے یہ مہاراجہ بوندی کے یہاں اور بعد میں راجہ شمبھوناتھ کے دربار میں رہا۔ اس نے راجہ بوندی کی مدح میں ایک نظم للت رام لکھی۔ دیباچے میں بہت سے اشعار عشق ومحبّت کے متعلق لکھے ہیں۔ اس کی نظمیں خطیبانہ طرز ادا کا بہترین کارنامہ سمجھی جاتی ہیں۔ للت رام ۱۶۶۴ء میں لکھی گئی۔ متی رام کا دوسرا کارنامہ چھند سار پنگل ہے جو فن عروض میں ایک کتاب

ہے اور شمبھو ناتھ کے نام سے معنون ہے۔ اس کا ایک کارنامہ عشق و محبّت کے متعلق رس راج ہے۔ جس میں نائکہ بھید بھی درج ہے۔ یہ ایک مستند کتاب ہے۔ متی رام کی ست سئی ہندی ادب میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ (مثال)

मतिराम

शत्रुशाल सुत सत्य में भावसिंह भूपाल।
एक जगत में जगत है सब हिन्दुन की ढाल।
(ललित ललाम से)

شترسال سُت سَتم میں بھاؤ سنگھ بھوپال
ایک جگت میں جگت ہے سب ہندُن کی ڈھال

معنی۔ بوندی کے راجہ راؤ بھاؤ سنگھ کی تعریف میں متی رام کہتا ہے کہ:۔

بھاؤ سنگھ ہی ایک ایسا راجہ ہے جو دنیا میں مشہور ہے اور سب ہندوؤں کو بچانے کے لئے ڈھال کی مانند ہے۔

(از للت رام)

متی رام | متی رام کی شاعری شُستگی وصفائی ترنّم الفاظ، تشبیہات و استعارات اور تخیلات کے لئے مشہور ہے۔ اس کے بہت سے دوہے بہاری لال کے دوہوں سے ملتے جُلتے ہیں۔ (مثال)

होत दस गुनो अंक है दिये एक ज्यों बिंदु ।
दिये डिठौना यों बढ़ी आनन आभा इन्दु ।
(मतिराम सतसई)

ہوت دس گنو انک ہے دئے ایک جیوں بنُد
دئے ڈِٹھونا یوں بڑھی آنن ابھا اِندُ
(ست سئی متی رام)

معنی۔ جس طرح ایک پر صفر لگانے سے وہ عدد دس گنا ہوجاتا ہے۔ اسی طرح محبوب کے چہرے پر نظر بد کے لئے جو نشان لگاتے ہیں اس سے محبوب کا حسن بھی دس گنا بڑھ جاتا ہے۔

عہدِ شاہجہاں کے دیگر شعراء

راجہ شمبھوناتھ سنگھ۔ راجہ ستارا شعراء کا بڑا مربی تھا اور خود بھی شاعر تھا۔ نائیکہ بھید اور نکھ سکھ کا مصنف ہے جو بیحد پسند کی گئیں۔ یہ کتابیں اپنے فن کی بہترین کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔

سرسوتی یہ بنارس کا ایک برہمن اور سنسکرت کا بڑا عالم تھا۔ اس نے شاہجہاں کے حکم کے بموجب ہندی میں شاعری شروع کی۔ اس کا خاص کارنامہ کوندر کلپا ندا ہے جس میں دارا شکوہ، شہزادی جہاں آرا بیگم اور دیگر مربیوں کی مدح میں نظمیں ہیں۔

تلسی یہ ایک معمولی شاعر تھا لیکن اس نے ۱۶۵۵ء میں شاعروں کا ایک نہایت عمدہ مجموعہ کلام مرتب کیا۔

جس کا نام کوی مالا ہے۔ اس میں پچھتّر شعراء کے کلام ہیں جو ۱۴۴۳ء لغایۃ ۱۶۴۳ء میں گذرے ہیں۔ اس زمانے کا ایک اور مشہور شاعر وداند رائے بھی گذرا ہے۔ اس کی ایک کتاب جس میں ہندی سمبت اور قمری مہینوں کے اعداد و شمار لکھے ہیں، بہت مشہور ہے۔ یہ کتاب اس نے شاہجہاں کے حکم سے لکھی تھی۔

بہاری لال چوبے یہ اپنے زمانے کا سب سے مشہور ہندی شاعر گذرا ہے۔ اس کا زمانہ ۱۶۰۳ء لغایۃ ۱۶۶۳ء ہے۔

گوالیار میں پیدا ہوا اور اپنے بچپن کا زمانہ بندیلکھنڈ میں گذارا۔ شادی کے بعد متھرا کو قیام گاہ بنایا جو برج بھاشا کا مسکن ہے۔ اس لئے اس کی شاعری برج بھاشا میں ہی ہے۔ جے پور کے راجہ جے سنگھ اس کے مربّی تھے جنھوں نے بہاری لال کے ایک ایک دوہے پر ایک ایک اشرفی انعام دی ہے۔

بہاری لال کی تمام شہرت اس کی ست سئی کی وجہ سے ہے جو ۱۶۶۲ء میں لکھی۔ اس میں تقریباً سات سو دوہے اور سورٹھے شامل ہیں۔ یہ دوہے زیادہ تر رادھا اور کرشن کی محبّت کے آئنہ دار ہیں۔ ان میں صناعی اور شاعری سے زیادہ کام لیا گیا ہے۔ ان نظموں میں تسلسل نہیں ہے۔ پھر بھی دلچسپ ہیں۔ ایک نظم جو اورنگ زیب کے بڑے بیٹے شاہ عالم کے لئے لکھی گئی۔ عالم شاہی تصحیح کہلاتی ہے۔ اس نظم میں پہلے منفرد اشعار ہیں اُس کے بعد حبیب و محبوب اور آئین محبّت کے متعلق کئی سو اشعار ہیں۔ اس کے بعد قریب ایک سو ستّر اشعار ہجر کے متعلق ہیں۔ اس کا تیسرا حصہ نک سکھ ہے۔

(سراپا) اور آخر میں ہندوستان کے موسموں کا سماں پیش کیا گیا ہے۔ چوتھا حصہ اخلاقی نظموں پر مشتمل ہے۔ آخیر حصے میں خاتمے کے علاوہ بہت سے اشعار مختلف طرز شاعری کے متعلق ہیں۔

بہاری لال سے قبل تلسی داس اور دیگر ہندی شعرا نے ست سئی لکھی تھی لیکن بلاشبہ بہاری لال کو اس صنف سخن میں ایک زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کی ست سئی کے شارحین کی تعداد تیس کے قریب ہے اور بھی بہت سے ایسے ہیں جنھوں نے اس کا تتبع کیا ہے۔

कहलाने एकत बसत अहि मयूर मृग बाघ।
जगत तपोवन सौ कियो दीरघ दाघ निदाघ।

کہلانے ایکت بست۔ آہے میور مرگ باگھ
جگت تپتوون سو کیو۔ دیرگھ داگھ نداگھ

ست سئی

(از بہاری لال)

معنی۔ گرمی کی شدت سے پریشان ہو کر سانپ اور مور ہرن اور شیر ایک جگہ خاموش بیٹھے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کی شدت نے دنیا کو دشمنی کے جذبے سے پاک کر دیا ہے۔

بنارس کے ہری پرشاد نے ست سئی کا ترجمہ انگریزی میں کیا۔ اس کا ہر شعر بذات خود نہایت مکمل ہے اور ایک پورے معنی کا حامل جو

بہاری لال کی قابلیت کو روشن کرتا ہے۔ بہاری لال نے خصوصاً منظر کشی نہایت عمدہ کی ہے۔ اس کتاب میں خیالات کی نُدرت اور انوکھاپن ہے۔ چھوٹے چھوٹے الفاظ عمیق معنی کے حامل ہیں۔ اس لئے ایسی کتاب کا ترجمہ نہایت اہم ہے۔ بہاری ست سئی کی تعریف میں ایک دوہا مشہور ہے۔ وہ یہ ہے۔

सतसैया के दोहरे, ज्यों नाविक के तीर।
देखत के छोटे लगें, घाव करैं गम्भीर।

ست سیا کے دوہرے جیون ناوک کے تیر
دیکھت کے چھوٹے لگیں۔ گھاؤ کریں گمبھیر

معنی۔ ست سئی کے دوہے اُس چھوٹے تیر کی طرح ہیں جو دیکھنے میں تو چھوٹا ہے لیکن گہرا زخم لگاتا ہے۔

جسونت سنگھ مہاراجہ جسونت سنگھ راجہ جودھپور ہندوستان کی تاریخ میں اورنگ زیب کا مُنہ مقابل ہونے کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ اس کا زمانہ ۱۶۲۵ء لغایتہ ۱۶۸۱ء ہے۔ اوائل عمر ہی میں تخت نشین ہوا۔ اس کی کتاب بھاشا بھوشن کی وجہ سے ادب میں اُس کا نام مشہور ہوا۔ اس کتاب میں صنائع بدائع اور قواعد حُسن و عشق نہایت مکمل درج ہیں اور اس میں دو سو اکسٹھ دوہے ہیں۔ اس کا یہ کارنامہ سنسکرت کی ایک کتاب کے پہلو بہ پہلو لکھا گیا

اور اس کی متعدد شرحیں ہوئیں۔ کیشو داس کو حُسن و عشق کے عنوان پر کتاب لکھنے میں اوّلیت حاصل ہے۔ جسونت سنگھ کی بھاشا بھوشن بھی اسی نہج پر لکھی گئی۔ جو لوگ کیشو داس کی کتاب سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اُن کے لئے بھاشا بھوشن ایک رہنما کا کام دیتی ہے۔ جسونت سنگھ نے اور بھی بہت سی نظمیں لکھیں جو ویدانت کے فلسفے سے متعلق ہیں۔

دیوکوی

دیو دت جو دیو کوی کے نام سے مشہور ہے۔ سناڈھیا برہمن تھا۔ اٹاوہ میں پیدا ہوا۔ شہزادہ اعظم شاہ کے زمانہ کا مصنّف ہے۔ اس نے ہندوستان کے مختلف حصّوں کا سفر کیا لیکن اُسے کوئی قابل قدر مربّی نہ ملا۔ سیاحت کی بدولت اس کو ہندوستان کے مختلف حصص کے باشندوں کی طرز معاشرت سمجھنے کا اچھا موقع ملا۔ کثیر الاتصانیف اور تقریباً بہتر[۲] کتابیں مختلف عنوانوں پر لکھیں جن میں سے اس وقت صرف تیس باقی ہیں۔ اس کی ایک مشہور تصنیف دیو مایا پرپنچ देवमाया प्रपंच ہے جو ایک ناٹک ہے۔ اس کی دیگر مشہور تصانیف میں سے رس بلاس الیشٹ ایام اور پریم چندر کا ہیں۔ یہ نظم کی کتابیں ہیں۔ اس کی شاعری زیادہ تر عاشقانہ ہیں۔ وہ اپنی زبان اور طرز کے لحاظ سے ہندی شعراء میں ایک اعلیٰ مرتبہ رکھتا ہے۔ اس کی زبان برج بھاشا ہے اور اس کی شاعری میں ہر قسم کے وہ محاسن موجود ہیں جو اچھی شاعری کے لئے ضروری ہیں۔ اس کی شاعری قوافی کی پابندی، صنائع بدائع تشبیہات و استعارات اور عام محاورات کے لئے مشہور ہے۔ اِس کی محبّت

ہندوستان کی صنفِ نازک کے لئے مخصوص ہے۔ (مثال)

देव सबै सुखदायक संपति संपति दंपति दंपति जोरी।
दंपति सोई जु प्रेम प्रतीति प्रतीति कि रीति सनेह निचोरी।
प्रीति महा गुन गीत बिचार बिचार कि बानी सुधारस बोरी।
बानी को सार बखान्यों सिंगार सिंगार को सार किसोर किसोरी॥
(प्रेम चन्द्रिका)

دیو سبے سُکھ دایک سنپت   سنپت دمپت دمپت جوری
دمپت سوئی جو پریم پرتیت   پرتیت کہ ریت سنیہ نچوری
پریت مہاگن گیت وچار   بچار کہ بانی سدھارس بوری
بانی کو سار بکھانیو سنگار   سنگار کو سار کسور کسوری

دیو کوی
(از پریم چندرکا)

معنی۔ دولت سے ہر شخص کو آرام ملتا ہے۔ دولت ہی کی وجہ سے مرد و عورت میں محبت رہتی ہے۔ مرد و عورت کی محبت کا اظہار یقین پر ہے یقین کا محبت پر۔ محبت کے لئے شیریں کلامی ضروری ہے اور شیریں کلامی حسنِ ظاہری کو بڑھاتی ہے حسنِ ظاہری کے لئے کمسنی ضروری ہے۔

खोरिलौं खेलन आवति ये न तौ आलिन के मत मैं परती क्यौं।
'देव' गुपालहि देखती ये न तौ या बिरहानल मैं बरती क्यौं।

माधुरी मजुल आँबकी वालि सुभालिसी है उरमैं अरती क्यौं।
कोमल कूकि कै कोकिल कूर करे जनि की किरचै करती क्यौं।
(सुजान विनोद)

کھور یلو کھیلن آوتی اسے ناتو آلن کے مت میں پرتی کیوں
دیو گوپال ہے دیکھتی اسے نا تو بر ہا ئل میں برتی کیوں
مادھوری منجُلہ آمب کی بال سوبھال سی ہے اُریں اُڑتی کیوں
کومل کوک کے کوکل کور کرے جن کی کرچیں کرتی کیوں
(از سجان ونود)

اگر میں کھیلنے کے لئے گُل تک نہ پہنچتی تو سہیلیوں کی رائے میں شامل نہ ہوتی۔ نہ کرشن کو دیکھتی اور نہ ان کے ہجر میں جلتی۔ آم کی بال میرے سینے میں بھالے کی طرح نہ چبھتی۔ کوئل کی کوک میرے کلیجے کے ٹکڑے نہ اُڑا دیتی۔

عہد اورنگ زیب کے دیگر مشہور شعراء

سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ساتھ ہندی شاعری کا بھی زوال ہوا۔ اوّلاً ایک غیر محسوس طریقے سے انحطاط شروع ہوا جو بتدریج بڑھتا گیا اور اورنگ زیب کی حکومت کے اٹھارھویں صدی میں پورے طور سے ظاہر ہو گیا۔ گو کہ اس زمانہ میں شعراء کی تعداد کافی تھی لیکن ان میں سے کوئی بھی کوی قابل لحاظ نہیں۔ اورنگ زیب ہندی تعلیم کے خلاف تھا اس لئے اس کے زمانہ میں ہندی ادب کو کوئی ترقی

نہیں ہوئی۔ پھر بھی اکثر ہندی شعراء اورنگ زیب اور اس کے جانشین بہادر شاہ کے دربار سے ملحق رہے۔ مندرجہ ذیل فہرست اُن شعراء کی ہے جو اورنگ زیب کے زمانے سے اُنیسویں صدی عیسوی کے آخیر تک ہوئے ہیں:—

نام شاعر	مختصر حال	تصانیف
گل پتی مصر	آگرہ کا برہمن تھا۔ بہاری لال کا بھتیجا	رس رہسیا شعر و شاعری کے متعلق ہے۔ نائکہ بھید۔
رام جی		
منڈن	بندیلکھنڈ کا مشہور شاعر گذرا ہے	دیوان۔
سُکھ دیو مصر سنہ ۱۶۸۰ء	کمپل ضلع فرخ آباد کا رہنے والا تھا اُسے کوی راج کا خطاب ملا۔	فن عروض و شاعری پر کتابیں لکھیں۔
نواج سنہ ۱۷۰۰ء	قوم کا برہمن، راجہ پتا کا درباری شاعر۔	شکنتلا ناٹک۔
کالی داس دویدی سنہ ۱۷۰۰ء	دوآبہ کے موضع بانپور کا رہنے والا تھا۔ ایک عرصہ تک اورنگ زیب کے دربار سے متوسل رہا۔ اپنے زمانہ کا ایک اچھا شاعر تھا۔	مشہور تصنیف کالی داس ہجارا جس میں دو سو شعراء کے کلام کا انتخاب ہے۔
عالم سنہ ۱۷۰۳ء	برہمن تھا لیکن ایک مسلمان رنگریز عورت کی محبت میں مسلمان ہو گیا۔	کوئی تصنیف موجود نہیں۔

نام شاعر	مختصر حال	تصانیف
	اس کی محبوبہ بھی شاعرہ تھی۔ عالم اورنگ زیب کے لڑکے معظم شاہ کے یہاں ملازم تھا۔ حبیب و محبوب کی داستان اس شعر میں پنہاں ہے جس کا پہلا مصرع عالم کا اور دوسرا مصرع محبوبہ کا ہے۔ (عالم)	(مثال)

कनक छरी सी कामिनी, काहे को कटि छीन।
कटि को कंचन काटि करि, कुचन मध्य धरि दीन॥

کنک چھری سی کامنی۔ کاہے کو کٹ چھین
کٹ کو کنچن کاٹ کر کچن مدھ دھر دین

نام شاعر	مختصر حال	تصانیف
سری پتی سنہ ۱۷۲۰ء	فن شاعری کے بعض اصناف میں اس کا کلام بے نظیر سمجھا جاتا ہے۔	کوی سروج اور دیگر کتابیں۔
سران مصرا سنہ ۱۷۲۹ء	یہ آگرہ کا رہنے والا تھا۔ فن خطابت اور دیگر موضوعات پر خامہ فرسائی کی جس میں نکھ شکھ بھی ہے۔	بہاری لال کی ست سئی اور کیشوداس کی رسک پریا کی شرح لکھیں۔

تصانیف	مختصر حال	نام شاعر
دیوان۔	محمد شاہ کے وزیر قمر الدین خاں کا ملازم تھا۔ بنارس کا رہنے والا۔ قوم کا برہمن تھا اور ان کے دربار سے کافی انعام پائے اور مدح سرائی کی۔ اپنے وقت کا ایک اچھا شاعر سمجھا جاتا تھا۔	گنجن ۱۷۲۹ء
ست سئی۔	امیٹھی کا راجہ تھا۔ بھوپتی تخلص تھا۔ بہاری کی ست سئی کے مقابل میں ایک ست سئی لکھی ہے۔	گرودت سنگھ سنہ ۱۷۳۴ء
انگ درپن۔	اصلی نام سید غلام نبی تھا۔ بلگرام ضلع ہردوئی کا رہنے والا تھا۔ بہت سی نظمیں لکھیں جس میں نکھ سکھ بھی ہے۔	رسلین سنہ ۱۷۴۰ء
کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔	دوآبہ کے ضلع یانپور کا رہنے والا تھا۔ کالی داس دویدی کا بیٹا تھا۔ امیٹھی کے راجہ نے اسے ملک الشعراء کا خطاب دیا۔	اودے ناتھ دویدی سنہ ۱۷۴۰ء

نام شاعر	مختصر حال	تصانیف
کشور ۱۷۶۸ء	ایک مشہور شاعر تھا۔ اس نے ہندوستان کے موسموں کی منظر کشی بہت بہتر کی ہے۔	کشور سنگرہ۔
دیو دت ۱۷۷۰ء	اس نے مبالغہ آمیز شاعری پر ایک کتاب للت لتا لکھی ہے جو متی رام کی للت للام کے طرز پر ہے۔	للت لتا۔
رتن کوی ۱۷۷۰ء	اپنے زمانے کا مشہور شاعر گذرا ہے۔ فتح شاہ بندیلکھنڈ اس کا مربی تھا۔ اس کی مدح سرائی کی۔	فتح شاہ پرکاش اور فتح بھوشن۔
متی رام مصر ۱۷۷۲ء	چھپّن اشعار میں فن شاعری پر نہایت مختصر تبصرہ کیا اور شہرت حاصل کی۔	چھند چھپنی۔
بودھا فیروز آبادی	یہ ریاست پنّا سے ملحق تھا محبت اس کی شاعری کا اصلی عنصر ہے زیادہ تر اشعار اپنی محبوبہ سوبھان	عشق نامہ۔

نام شاعر	مختصر حال	تصانیف
	کی مدح میں لکھی ہے۔	
بھکاری داس	عام طور پر ہر داس کے نام سے مشہور ہے۔ ہندوپتی اس کا مربی تھا۔ اپنے وقت کا اچھا شاعر ہے۔	وشنو پران کا ہندی ترجمہ۔
رگھوناتھ ۱۷۴۵ء	بنارس کا رہنے والا تھا۔ گوکل ناتھ کا بیٹا۔ اس نے مہابھارت کا ہندی میں ترجمہ کیا۔ فن شاعری پر متعدد کتابیں لکھیں جو عام پسند ہوئیں۔	ترجمہ مہابھارت اور شرح سرسوتی بہاری لال۔
شیو ارشلا ۱۷۵۰ء	اس نے ہندی شاعری میں سب سے پہلے قصیدے کی بنا ڈالی۔	موجودہ تصنیف کوئی نہیں ہے۔
ہر چرن داس	یہ کشن گڑھ کا برہمن تھا۔ اس نے کیشو داس کی کوی پریا اور رسک پریا اور بہاری لال کی ست سئی پر شرحیں لکھیں۔	تصانیف مذکور۔

چوتھا دور

گدیہ کال

ہندوستان کی تاریخ میں ۱۸۵۷ء ایک ایسا مشہور و معروف سنہ گذرا ہے جو اپنی انقلاب آفرینی کی جہت سے امتیازی شان رکھتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس کی تمام داستان خونفشاں ہے لیکن بعض خصوصیات جو اسی کے اثرات سے اس کے ملحقہ سنین میں رونما ہوئیں وہ ملک کی آیندہ فلاح و بہبود کا سرچشمہ ثابت ہوئیں۔ بہت سے تاریخی حالات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے صرف سلطنت مغلیہ کا زوال کافی ہے۔ جب کہ طوائف الملوکی برسر حکومت تھی۔ غالباً یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ وہ بدحالیاں اور تباہیاں جو ملک میں چاروں طرف پھیل رہی تھیں انھیں انتہا تک پہنچانے کے بعد ۵۷ء ہی کی ہنگامہ خیزی نے ختم کیا۔ وہ زمانہ جب کہ سکون و اطمینان انقلاب و پریشانی سے بدلے ہوئے ہوں، انسانی زندگی کے تمام شعبے ابتر ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ معاشرت کی تباہی سے علوم و فنون تہذیب و تمدن اور زبان و ادب کے خوبصورت نقوش

بھی مٹ جاتے ہیں یا دُھندلے پڑ جاتے ہیں۔ اگر تاریخی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ تمام باتیں غدر سے پہلے نظر آئیں گی۔ غدر کے فرو ہونے اور السیٹ انڈیا کمپنی کے استحکام کے بعد اصلاحات کا دَور شروع ہوتا ہے۔ اِس دَور کی تمام خصوصیات کو روشنی میں لانا اپنے جادہ سے ہٹ جانا ہے۔ اس کتاب کا مقصد صرف ان اصلاحات سے بحث کرنا ہے جو ہندی ادب اور زبان کو نصیب ہوئیں۔

غدر ۵۷ء سے پہلے ہندی زبان میں نثر کا ذخیرہ بہت کم پایا جاتا ہے۔ تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہندی نثر کا بالکل فقدان تھا۔ سنہ مذکور سے صدیوں بیشتر نثر کا وجود ملتا ہے۔ شہنشاہ اکبر کے عہد میں ۱۵۷۰ء یا اس کے قریب کے زمانے میں گنگ بھاٹ نے کتاب "چند چھند برنن کی مہما" نثر میں لکھی۔ (نمونہ ملاحظہ ہو)

सिद्धि श्री श्री १०८ श्री श्री पादसाही जि श्री दलीपति जी अकबर साहाजी आम काश में तखत ऊपर विराजमान हो रवेह। और आम काश भरने लगा हे जीसमें तमाम उमराव आय आय कुलश बजाय बजाय जुहार करके अपनी अपनी बैठक पर बैठ जाया करै।

سدھ سری سری ۱۰۸ سری سری پات ساہی جی،
سری دلی پت جی، اکبر ساہا جی عام کاش میں تکھت اوپر
براجماں ہو رہیہ۔ اور عام کاش بھرنے لگا ہے۔ جیس میں

تمام اُمراء آ آ کے کُنٹرنش بجائے بجائے جہاز
کرکے اپنی اپنی بیٹھک پر بیٹھ جایا کرے۔

(از "چند چھند برنن کی مہما")
گنگ

اِسی طرح ۱۶۸۰ء میں جٹ مل نے گورا بادل کی کتھا تصنیف
کی۔ گریرسن کا یہ قول کہ انگریزوں نے ہندوستان میں ہندی نثر کی
بنیاد رکھی صحیح نہیں۔ اس قول کی تائید محض لاعلمی پر منحصر ہے۔ جس کی
تردید کے لئے سدا سُکھ لال اور انشاء اللہ خاں کی ہندی تصانیف
موجود ہیں۔ (نمونہ ملاحظہ ہو)۔

इंशा अल्ला खाँ

यह वह कहानी है कि जिसमें हिंदी छुट ।
और न किसी बोली का मेल है न पुट ।।

सिर झुका कर नाक रगड़ता हूँ उस अपने बनाने वाले के सामने जिसने हम सबको बनाया और बात की बात में वह कर दिखाया कि जिसका भेद किसी ने न पाया । आतियाँ जातियाँ जो साँसें हैं उसके बिन ध्यान सब फाँसें हैं । यह कल का पुतला जो अपने उस खिलाड़ी की सुध रक्खे तो खटाई में क्यों पड़े और कड़ुवा कसैला क्यों हो ? उस फल की मिठाई चक्खे जो बड़ी से बड़े अगलों ने चक्खी है ।

(रानी केतकी की कहानी से)

یہ وہ کہانی ہے کہ جس میں ہندی چھُٹ
اور نہ کسی بولی کا میل ہے نہ پُٹ

سر جُھکا کر ناک رگڑتا ہوں اس اپنے بنانے والے
کے سامنے جس نے ہم سب کو بنایا اور بات کی بات میں
وہ کر دکھایا کہ جس کا بھید کسی نے نہ پایا۔ آتیاں جاتیاں
جو سانسیں ہیں اس کے بن دھیان سب پھانسیں ہیں
یہ کل کا پُتلا جو اپنے اُس کھلاڑی کی سُدھ رکھے تو کھٹائی
میں کیوں پڑے اور کڑوا کسیلا کیوں ہو۔ اُس پھل کی
مٹھائی چکھے جو بڑوں سے بڑے اگلوں نے چکھی ہے۔

(از رانی کیتکی کی کہانی)

انشاء اللہ خاں

حقیقت یہ ہے کہ ہندی زبان میں دو جدا گانہ دَور ہوئے ہیں۔
ایک جدید اور دوسرا قدیم۔ دَور قدیم وہ دَور ہے جس میں شاعری کا
زبردست سلسلہ ہے اور نثّاری خال خال ہے۔ عہد جدید اُسے
کہہ سکتے ہیں جب کہ اُردو ہندی کی شکر رنجی سے ہندی نثر نے
پاؤں پھیلانے شروع کئے۔ یہ بھی ہندی کی خوش نصیبی تھی کہ ایسٹ
انڈیا کمپنی کی ادب نوازی یا خود اس کی اہم ضرورتوں نے فورٹ ولیم
کالج کلکتہ میں ہندی زبان و ادب کی ترقّی کا سامان کیا۔ لارڈ

سرجان گلکرائسٹ کی مردم شناس نگاہوں نے ہندی کے اچھے اچھے ادیبوں اور شاعروں کو مختلف اقطاع ہند سے چن لیا اور وہ سب کے سب کالج مذکور میں پہونچ کر ہندی زبان کی ترویج و ترقی میں منہمک ہو گئے۔ جس سے اب ہندی زبان میں تصنیف و تالیف و تراجم کا بازار گرم ہو گیا۔ اس موقع پر ہندی کی اعلیٰ خدمات جن لوگوں نے انجام دیں اُن میں منشی بہاری لال لاہوری، منشی بینی نرائن جہاںؔ اور سدل مصر، للولال جی وغیرہم کے نام خود اُن کے کارناموں کے ساتھ یادگارِ زمانہ ہیں۔

सदल मिश्र

वैशम्पायन मुनि राजा जनमेजय से कहते हैं, सूर्य समान तेजस्वी नासिकेत मुनि को, जिनके जाने से सभा शोभने लगी, देखते ही धर्मराज हर्षित हो तुरन्त उठ खड़े भए। आदर मान कर निकट अपने आसन पर ऋषि को बैठाया वो प्यार से समाचार पूछने लगे।

(नासिकेतोपाख्यान से)।

ویشمپاین مُنی راجہ جنمیجے سے کہتے ہیں سوریہ سمان تیجسوی (تجلّی والا) ناسکیت مُنی کو۔ جن کے جانے سے سبھا شوبھنے لگی۔ دیکھتے ہی دھرم راج ہرشت (خوش) ہو۔ تُرنت اُٹھ کھڑے بھئے۔ آدر مان کر نکٹ (نزدیک)

اپنے آسن پر رشی کو بٹھایا و پیار سے سماچار (حال) پوچھنے لگے۔

("از ناسکت اُپاکھیان")

سدل مصر۔ فورٹ ولیم کالج

लल्लू जी लाल

चार महीने वर्षा भी न हुई तिसमें सारे नगर के नदी नाले सरोवर सूख गये तृन अन्न भी कुछ न उपजा नभचर, जलचर, थलचर जीव जन्तु पच्छी और ढोर लगे व्याकुल हो सूख सूख मरने और पुरवासी मारे भूखों के त्राहि त्राहि करने। निदान सब नगर निवासी महा व्याकुल हो निपट घबराये श्री कृष्णचन्द दुख निकंद के पास आए और अति गिड़गिड़ाय अधिक अधीनता कर हाथ जोड़ सिर नाय कहने लगे।

(प्रेम सागर)

چار مہینے ورشا بھی نہ ہوئی تسمیں سارے نگر کے ندی نالے سرووَر سوکھ گئے۔ ترن ان بھی کچھ نہ اُپجا۔ نبھچر۔ جل چر۔ تھل چر۔ جیو جنتو پچھی اور ڈھور لگے بیاکل ہو۔ سوک سوک مرنے اور پُر واسی مارے بھوکوں کے مارے تراہ تراہ کرنے۔ ندان سب نگر نواسی مہا ویاکل ہو۔

ہنیٹ گھبرائے سری کشن چند دُکھ نکند کے پاس آئے اور اتی گڑگڑائے ادھیک ادھینتا کر ہاتھ جوڑ سر نائے کہنے لگے۔

(از پریم ساگر) للولال جی

سرودر = تالاب
ترن = تنکا
نبھچر = پرند
جل چر = آبی جانور

کھل چر = چرند
پُر واسی = گانوؤں کے رہنے والے
دُکھ نکند = دُکھ کو دُور کرنے والے

آج ہندی زبان وادب کو جو کامیابی حاصل ہو رہی ہے وہ فورٹ ولیم کالج کی مرہونِ منت ضرور کہی جا سکتی ہے۔ ہندی ادب کی وہ بہت بڑی کوتاہی جو عہد قدیم سے چلی آرہی تھی اور جس کی وجہ سے ہندی نثر کا سرمایہ بہت کم تھا، مذہبی شاعری کی بدولت تھی۔ شاعر تو ہزاروں تھے مگر نثار کم تھے۔ مذہبی شعراء کے علاوہ درباری شعراء کی بھی کثرت تھی۔ ان دونوں طبقہ کے شاعروں کا کام صرف شعر سے چلتا تھا کیونکہ مطمح نظر مذہب تھا یا راجاؤں کی مدح سرائی۔ فکر و نظر کا غیر محدود عالم مذہبی خیالات اور راجاؤں کی مدح سرائی تک محدود تھا۔ یہ ممکن تھا کہ فکریں مذہبی معتقدات اور راجاؤں کے تاریخی حالات و بیانات نثر کی کمی کسی قدر دور کرتیں۔

مثلاً کرشن جی اور دوسرے دیوتا۔ راجہ مہاراجہ اور ان کے عہد کے حالات جنھیں بہت سے شعراء نے نظم میں بیان کیا ہے۔ اگر وہ نظم کے بجائے نثر میں بیان کئے جاتے تو زیادہ مکمل اور تاریخی حیثیت سے مستند بھی ہوتے۔ نیز ہندی زبان میں نثر کا ایک دلچسپ ذخیرہ ہو جاتا ہے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ زمانہ ہمیشہ انسان کو اپنے نقشِ قدم پر چلایا کیا۔ سر جان گلکرائسٹ کی ہندی نواز کوشش اُس وقت شروع ہوئی ہے جب زمانہ بدل چکا تھا۔ مذہبی گروہ معدوم ہو چکے تھے اور راجاؤں کے درباروں کی داد و دہش ختم ہو گئی تھی۔ اب ہندی شاعری کا زور شور ہوتا تو کس کے بل بوتے پر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زمانہ کے ساتھ مذاق بدلا اور ہندی نظم کے مقابلہ میں نثر زیادہ ترقی پذیر ہوتی گئی۔

ہندی نثر کی ترقی کے اسباب

تمام دنیا کی وہ زبانیں جو مکمل کہی جانے کے لائق ہوتی ہیں، دو حصوں میں ہوا کرتی ہیں۔ ایک نظم اور دوسری نثر۔ نظم و نثر مختلف جذبات کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ اُن کے واسطے مختلف تحریکات کا ہونا لازمی ہے۔ نظم کا تعلق ان جذبات و حسیات سے ہوتا ہے جن میں قلبی سوز و گداز کو پوری پوری گنجائش ہو، خواہ وہ مسرت خیز ہو خواہ غم انگیز۔ نثر کا میدان بہت وسیع ہے کیونکہ اس کے تعلقات لامحدود ہیں۔ اس میں نظم کی طرح محرکات کی ضرورت ہوتی ہے۔

لیکن وہ جکڑ بندیاں نہیں جو نظم کے لئے ازبس ضروری ہیں اور جن کے بغیر نظم نظم ہی نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تمام مکمل زبانوں میں نظم سے نثر کا ذخیرہ بہت زیادہ ہے۔ نثر کی رفتار بھی نظم کی رفتار سے تیز تر ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے ہندی زبان میں نظم کا ذخیرہ نثر سے زیادہ تھا۔ ہندی کی ہزاروں برس کی پونجی نظم تھی لیکن جب ہندی ادب میں ترقی کا خیال پیدا ہوا اور عمل شروع ہوا تو پھر وہ وقت بھی آگیا کہ ہندی نثر کے خزانوں کی افزائش کے سامنے ہندی نظم کا سارا ذخیرہ ہیچ ہو گیا۔ جس چیز نے ہندی کو آگے بڑھانے میں سب سے زیادہ مدد پہنچائی وہ اُردو ہندی کا نزاعی مسئلہ ہے۔ اس نزاع کی بنیاد اسی وقت ہو چکی تھی جب کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی مشترکہ اور مخلوط زبان (اُردو) کے قواعد فارسی نہج پر مرتب ہوئے۔ مخالفین قواعد کو سنسکرت ویاکرن کے طریقہ پر ترتیب دینا چاہتے تھے۔ یہ ایک بنیادی اختلاف تھا جو بڑھتے بڑھتے اُردو کی جگہ وہ ہندوستانی لینا چاہتا ہے جسے مسلمان اور پچاس فی صدی ہندو نہ بخوبی بول سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے۔ اس جملۂ معترضہ کے بعد یہ بتانا ہے کہ اُردو ہندی کی نزاع نے ہندی کا راستہ اس قدر سہل اور آسان کر دیا کہ ہندی کو آگے بڑھنے میں زیادہ تردد نہ ہوا کیونکہ اُردو سے عربی و فارسی الفاظ اور تراکیب نکالنے کے بعد جو کچھ بچا وہ ہندی کا ذخیرہ بن گیا۔ اس کارروائی سے ہندی کی ترقی تو ضرور ہوئی لیکن

سیاسی نقطۂ نگاہ سے یہ فعل ناخوشگوار رہا کیونکہ مخلوط زبان کی تشکیل کا راز ہندو مسلم اتحاد تھا جو ملک کو نہایت اہم ضرورت ہے۔

ہندی نثر نثر کی عموماً تین قسمیں ہوتی ہیں۔ تصنیف۔ تالیف اور تراجم۔ ہندی میں تصنیف و تالیف و تراجم کا سلسلہ جو فورٹ ولیم کالج میں شروع ہوا اندازاً دس بارہ سال میں کافی مستحکم ہو گیا۔ حسن اتفاق کہ اسی زمانہ میں اہل ہنود نے اصلاح تمدن کی تحریک اُٹھائی۔ مذہبی اور معاشرتی ضرورتوں نے ہندی ادب کی تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت میں کافی مدد دی جس سے ہندی ادب میں نمایاں ترقی ہوئی۔ تراجم کے وسیع سلسلے نے عیسائی مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں امداد دی۔ انجیل اور اس کے بہت سے حصوں کا ترجمہ ہندی زبان میں آگیا۔ یہ ایک ایسا سلسلہ ہے جو اُس وقت سے اب تک جاری ہے۔ ہندی زبان کی ترقی و اشاعت میں سیاست ہند نے بھی نمایاں حصہ لیا ہے۔ کانگریس اور اس کے تمام کرتا دھرتا ہندی کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوئے۔ کانگریسی کارروائیاں اور تحریر و تقریر سب ہندی کی مددگار ہو گئیں۔ صحافتی شعبے قائم ہوئے۔ ہندی کے اخبار و رسائل جاری کئے گئے۔ مختلف زبانوں کی ضروری کتابوں کے ترجمے کئے گئے۔ یورپ کے بڑے بڑے مدبرین و مشاہیر کے خیالات اور ان کے اعلیٰ مضامین نیز ان کی مستقل کتابیں جو مختلف علوم و فنون کے ساتھ ساتھ ملکی سیاسیات کے

لئے سبق آموز تھیں ۔ ہندی کے مترجمین نے اُنھیں اپنا لیا۔ انگریزی وجرمنی زبانوں کے وہ خصوصی شاہکار جو غلامی و آزادی کے درمیان آہنی دیواروں سے زیادہ مضبوط و مستحکم تھے اور جن کے مطالعہ سے آزادی کی روح سینوں میں تڑپ اُٹھتی ہے ۔ ہندی ادب کے دامن پر موتیوں کی طرح بکھر گئے ۔

ایک طرف تو کانگرسی دل و دماغ کار فرما تھے جو مغرب کے جواہر پاروں کو چُن چُن کر مادرِ ہند ۔ کے لئے درگوش بنا رہے تھے ۔ دوسری طرف کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اپنی تہذیب و معاشرت کی اصلاح اور مذہبی زندگی کے طالب تھے ۔ وہ اُن غیر فانی درسیات کی جستجو کر رہے تھے جن سے انسانیت کی سچی تشکیل ہوتی ہے ۔ اس سلسلے میں اُنھیں جو بیش بہا خزانے ہاتھ آئے وہ زندہ جاوید ہستیوں کے کارنامے اور اُن کے سوانح ہیں یعنی پیشوایان و بانیان مذہب کے حالات زندگی اور اُن کے ارشادات ۔ یہ سب چیزیں جن کا اجمالاً ذکر کیا گیا دیگر زبانوں سے ہندی زبان میں لائی گئی ہیں ۔ جن کی آمد سے ہندی زبان کا ذخیرہ بہت بڑھ گیا ہے ۔

تراجم کے سلسلہ میں ہندی ادب نے بنگالی، مرہٹی، گجراتی اور تامل سے بھی بہت کچھ امداد حاصل کی ۔ ان زبانوں کی کتابوں کے معتدبہ ترجمے ہندی میں ہیں ۔ یہاں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ فورٹ ولیم کالج میں جب ہندی نے جنم لیا تھا وہ سیدھی سادی

اور شہر میں ہونے کے باعث مقبول عام اور دیرپا تھی۔ چنانچہ زمانۂ حال تک جتنی تصنیف و تالیف اور جس قدر تراجم ہوئے زیادہ سے زیادہ اسی جدید ہندی میں ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ اسّی بیاسی برس میں ہندی کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ ابتداءً اکثر لوگوں کو خیال تھا کہ اردو سے ہندی علاحدہ ہو کر سنسکرت کے نقشِ قدم پر چلے۔ اگر یہ خیال کامیاب ہو گیا ہوتا تو ہندی کو جو ترقی آج حاصل ہے نہ حاصل ہوئی ہوتی۔ اس کی رفتار الٹی ہو جاتی۔ آگے اُٹھنے والے قدم پیچھے ہوتے۔ جس رفتار کو اُس نے روزِ اوّل ترک کیا اُسے بعض حضرات پھر اختیار کرنا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ معلوم ہے۔

جدید ہندی کی داغ بیل جب پڑ رہی تھی تو اس وقت یا اس کے قریبی زمانہ کی تصانیف اکثر ایسی ہیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندی نثر دو قسم کی تھی۔ ایک آسان اور دوسری مشکل۔ مثال کے لیے راجہ شیو پرشاد ستارۂ ہند اور راجہ لچھمن سنگھ کی تصنیفات دیکھی جائیں تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ سہل ہندی کا انداز کیا تھا اور مشکل ہندی کا طریقہ کار کیا ہے۔

راجہ شیو پرشاد صاحب بنارس میں اسکولوں کے ناظم تھے۔ اُن کی کوشش سے ہندی نصاب مدراس میں داخل ہوئی۔ انھوں نے بہت سی کتابیں ہندی میں لکھوائیں اور خود بھی لکھیں۔ ان کی کتابوں میں سنسکرت کے ادق الفاظ نہیں ہیں۔ کتاب گو

آسان اور عام فہم بنانے کے لئے فارسی کے وہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو ہندوستان کی روزمرہ میں داخل ہیں مگر راجہ لچھمن سنگھ جنھوں نے شکنتلا کا ترجمہ ہندی میں کیا ہے ان کی ہندی سنسکرت کا گہرا اثر تو ہے جس سے ان کی زبان ادق ہونے کی وجہ سے عام فہم نہ ہو سکی۔

राजा शिवप्रसाद

राजा के जी पर एक अजब दहसत सी छा गयी। नीची निगाह करके गर्दन खुजाने लगा। सत्य बोला भोज तू डरता है तुझे अपने मन का हाल जानने में भी भय लगता है। भोज ने कहा कि नहीं इस बात से तो नहीं डरता क्योंकि जिसने अपने तई नहीं जाना उसने फिर क्या जाना।

(राजा भोज का सपना से)

راجہ کے جی پر ایک عجب دہشت سی چھا گئی۔ نیچی نگاہ کرکے گردن کھجانے لگا۔ ستیہ بولا بھوج تو ڈرتا ہے تجھے اپنے من کا حال جاننے میں بھی بھے لگتا ہے۔ بھوج نے کہا کہ نہیں اس بات سے نہیں ڈرتا کیونکہ جس نے اپنے تئیں نہیں جانا اس نے پھر کیا جانا۔

(از راجہ بھوج کا سپنا)

راجہ شیو پرشاد ستارۂ ہند

राजा लक्ष्मणसिंह

गौतमी—कुल वधुओं के लिये यह उपदेश बहुत श्रेष्ठ है। पुत्री इसको ध्यान में रखियो।

कण्व—बेटी, आ मुझ से और अपनी सखियों से एक बेर फिर मिल ले।

शकुन्तला—(कण्व से भेंट कर) हाय, मैं पिता की गोद से न्यारी होकर मलयागिरि से उखाड़े चन्दन के पौधे की भाँति बिहूनी भूमि में कैसे जीऊँगी।

(कालिदास के अभिज्ञान शकुंतल का अनुवाद)

گوتمی۔ کُل بدھوؤں کے لئے یہ اُپدیش بہت سرشٹ ہے۔
پُتری اس کو دھیان میں رکھیو۔

کنو۔ بیٹی۔ آ مجھ سے اور اپنی سکھیوں سے ایک بیر پھر مل لے۔

شکنتلا۔ (کنو سے بھینٹ کر) ہائے میں پتا کی گود سے نیاری
ہو کر ملیاگری سے اُکھاڑے چندن کے پودھے کی
بھانت بہیونی بھوم میں کیسے جیوں گی۔

(ترجمہ ابھجیان شاکنتل)
راجہ لچھمن سنگھ

معنے:—
بدھو = بہو
بہیونی = پرائی

اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے جدید ہندی کو اُردو کے نقش قدم پر چلایا ہے اُنھوں نے اس پر بڑا احسان کیا ہے۔ اُنھیں حضرات کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ نئی ہندی میں نشو ونما کی پوری پوری استعداد ہے جو ہندی نظم ونثر دونوں کو نئے سانچوں میں ڈھال کر آگے بڑھاتی جاتی ہے۔ ہندی شبد ساگر (لغات) کی تیاری میں بھی بڑی دانشمندی سے کام لیا گیا ہے۔ یہ ناگری پرچارنی سبھا کا بہترین کارنامہ ہے۔ یہ لغت آٹھ جلدوں میں ہے۔ اس میں ہر طرح کی نئی پرانی ہندی کے الفاظ جمع کئے گئے ہیں یہاں تک کہ عربی وفارسی کے وہ الفاظ جو ہندی میں مستعمل ہو کر رواج پا گئے تھے۔ وہ بھی جمع کئے گئے ہیں۔ ان کے استعمال سے ہندی زبان کی توسیع مقصود ہے۔

ہندی کی جدید تصانیف نثر

سطور بالا میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ راجہ شیو پرشاد کی کوشش سے ہندی اسکولوں تک پہنچی۔ یہ ہندی نثر کا ابتدائی زمانہ تھا۔ تاہم یہ ہندی کا وہ نیا دور تھا جس کے بڑھتے ہوئے حوصلوں میں ہندی ادب کی رفتار تیز ہونے والی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اب ہندی کی ترقی ریڈروں سے آگے بڑھی جس کا خیر مقدم کرنے والوں میں بابو بہار نند دو ہریش چندر۔ پنڈت بال کرشن بھٹ۔

پرتاپ نرائن مصر- پنڈت بدری نرائن چودھری- ٹھاکر جگموہن سنگھ-
بابو سری نواس داس- بابو رادھا کرشن داس وغیرہم کے نام قابل
ذکر ہیں- ان لوگوں کے ادبی ذوق نے مختلف اقسام کی کتابیں لکھیں
اور دوسری زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کیئے- اخبارات و رسائل
جاری کیئے، بابو ہریش چندر نے ہندی نثر میں وہ جدت اور تازگی
پیدا کی جس نے ادبی ذوق کو ابھارا اور مختلف اقسام کی کتابیں
تصنیف ہوئیں- انھوں نے کئی ناٹک لکھے اور بنگالی اور سنسکرت
ڈراموں کے ترجمے بھی کیئے- "ہریش چند میگزین اور ہریش چندر پتر کا
جاری کیا- (نمونے درج ذیل ہیں) :-

भारतेन्दु बाबू हरिश्चन्द्र

इन्द्र—कहिये इस समय कहाँ से आना हुआ ?
नारद—अयोध्या से। अहा! राजा हरिश्चन्द्र धन्य है। मैं तो उसके निष्कपट और अकृत्रिम सुभाव से बहुत ही सन्तुष्ट हुआ। यद्यपि इसी सूर्य कुल में अनेक बड़े बड़े धार्मिक हुए पर हरिश्चन्द्र तो हरिश्चन्द्र ही है।
इन्द्र - आप ही आप। यह भी तो उसका गुण गाते हैं।

(सत्य हरिश्चन्द्र नाटक से)

اندر- کہیئے اس سمے کہاں سے آنا ہوا؟
نارد- اجودھیا سے- آہا! راجہ ہریش چندر دھنیہ ہے- میں تو
اس کے نشکپٹ اور اکرترم سبھاؤ سے بہت ہی سنتشٹ

ہوا۔ یدپیا اسی سوریہ کل میں انیک بڑے بڑے دھارمک ہوئے پر ہریشچندر تو ہریشچندر ہی ہے۔

اندر۔ (آپ ہی آپ) یہ بھی تو اس کا گن گان کرتے ہیں۔

(از ست ہریشچندر ناٹک)

بھارت اندر بابو ہریشچندر

نشکپٹ = بلا بغض و کینہ۔

اکرترم = قدرتی۔

سنتشٹ = مطمئن

बालकृष्ण भट्ट

किन्तु स्पीच से बातचीत का ढंग ही निराला है। बातचीत में वक्ता को नाज नखरा जाहिर करने का मौका नहीं दिया जाता कि वह बड़े अन्दाज से गिन गिन कर पाँव रखता हुआ पुलपिट पर जा खड़ा हो और पुण्याह वाचन या नांदी पाठ की भाँति घड़ियों तक साहबान मजलिस, चेयरमैन, लेडीज एंड जेंटिलमेन की बहुत सी स्तुति करे करावे और तब किसी तरह वक्तृता का आरभ करे।

('बातचीत' शीर्षक लेख से)

کنتُ اسپیچ سے بات چیت کا ڈھنگ ہی نرالا ہے۔ بات چیت میں وکتا کو ناز نخرہ ظاہر کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا کہ وہ

بڑے انداز سے گن گن کر پاؤں رکھتا ہوا پلیٹ فارم پر جا کھڑا ہو اور بنیاہ واچن یا ناندی پاٹ کی بھانت گھڑیوں تک صاحبانِ مجلس، چیئرمین، لیڈیز اینڈ جنٹلمین کی بہت سی استٹ کر لے کرا دے اور تب کسی طرح وکرتا کا آرمبھ کرے۔

(از مقالہ بات چیت - بالکرشن بھٹ)

بنیاہ واچن = کلمات خیر۔ وکرتا = اسپیچ وکتا = اسپیکر۔
ناندی پاٹ = پرولوگ۔ آرمبھ = شروع کرنا۔

राय कृष्णदास

एक दिन शंकराचार्य गाँव से थोड़ी दूर पर अपने किसी आत्मीय के घर पर गये थे। रास्ते में एक क्षुद्र नदी पड़ती थी उस नदी में बहुत ही कम जल था इससे सब लोग अनायास पार चले जाते, नाव का प्रयोजन न होता।

ایک دن شنکراچاری گاؤں سے تھوڑی دور پر اپنے کسی آتمی کے گھر گئے تھے۔ راستے میں ایک چھدر ندی پڑتی تھی۔ اس ندی میں بہت ہی کم جل تھا۔ اس سے سب لوگ انایاس پار چلے جاتے۔ ناؤ کا پریوجن نہ ہوتا۔

(از آریہ چرتر شنکراچاریہ)
رادھا کرشن داس۔

آتمی = عزیز۔ پروجن = ضرورت۔
چھدر = چھوٹی۔ انایاس = بلا محنت کے۔

ہندی مضامین لکھنے والوں میں جنھوں نے امتیازی شان حاصل کی ان میں پنڈت بالکشن بھٹ و بالمکند گپت و پنڈت پرتاب نرائن مصری و پنڈت بدری نرائن چودھری اور ٹھاکر جگموہن سنگھ وغیرہ ہیں۔ سری نواس داس اور بابو رادھا کرشن داس نے ہندی زبان میں تمثیل نگاری کا حق ادا کیا۔ اخبار نویسوں میں بابو بالمکند گپت نے بہت ترقی حاصل کی۔ اسی زمانہ میں آریہ سماج کی مذہبی تصنیفات پنڈت بھیم سین شرما نے کئی جلدوں میں تیار کیں۔ ان سے پہلے آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی نے اپنے تمام مذہبی مضامین ہندی میں لکھے جسے آریہ بھاشا کہتے ہیں۔ ان لوگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ ہیں جنھوں نے اپنی اچھی تصنیفات سے ہندی ادب کو ترقی دی اور نہایت عمدہ مقالے۔ افسانے۔ ناول اور ڈرامے لکھے جن سے ہندی زبان اب مالامال نظر آتی ہے۔ ایک عرصہ دراز سے ملک کی کچھ ہستیاں اُنھیں زبان میں ادب تیار کرنے کی کوشاں تھیں جو ہندی اُردو کے درمیانی زبان ہو۔ انشاء اللہ خاں کی "رانی کیتکی کی کہانی" جس کا نمونہ پہلے دیا جا چکا ہے اسی ضمن میں آتی ہے۔ پنڈت اجودھیا سنگھ اُپادھیا نے بھی "ٹھیٹھ ہندی کا ٹھاٹھ" اسی مقصد سے لکھا ہے جس کا نمونہ درج کیا جاتا ہے۔

अयोध्यासिंह उपाध्याय

घर में जब यह दोनों साथ खेलते, उस घड़ी हेमलता की आँखों को इनकी जोड़ी देख कर बड़ा सुख मिलता। जब यह दोनों छोटे थे, उन दिनों हेमलता इनको कभी कभी फूलों से सजाती और दोनों को अपने गोद में बैठाल कर सरग-सुख लूटती।

(ठेठ हिन्दी का ठाठ)

گھر میں جب یہ دونوں ساتھ کھیلتے، اُس گھڑی ہیم لتا کی آنکھوں کو اِن کی جوڑی دیکھ کر بڑا سُکھ ملتا۔ جب یہ دونوں چھوٹے تھے، اُن دنوں ہیم لتا اُن کو کبھی کبھی پھولوں سے سجاتی اور دونوں کو اپنی گود میں بٹھال کر سَرگ سُکھ لوٹتی۔

(از ٹھیٹھ ہندی کا ٹھاٹھ)

اجودھیا سنگھ اُپادھیا

تمثیل کسی قوم یا ملک کی اصلاح کے لئے اچھے خراب اعمال اور اُن کے نتائج کی تمثیلی صورت میں پیش آنا نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ یوں تو بہت سے ایسے قصے اور ایسی کہانیاں ہیں جو مختلف قسم کی اچھی باتیں سکھانے یا بُری باتوں سے بچانے کے لئے لکھی گئیں۔ لیکن اُن میں زیادہ اثرات اس وجہ سے نہیں پیدا ہوئے کہ جو کچھ کہا گیا وہ کر کے دکھایا نہیں گیا۔ ہر قسم کے واقعات

یہاں ہوئے لیکن نظر نہیں آئے۔ بات یہ ہے کہ انسان جو کچھ سنتا ہے اس سے کم متاثر ہوتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے اُس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قصص و حکایات کے مقابلہ میں تمثیلات کو زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ تمثیلات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قابل عمل اور دوسری ناقابل عمل۔ یورپ کے بعض نقاد کا قول ہے کہ تمثیل وہی ہے جو اسٹیج کے لائق ہو۔ یعنی جو عملی صورت میں پیش ہو سکے۔ ناقابل عمل تمثیلات کو زیادہ سے زیادہ ناول یا افسانے کا درجہ مل سکتا ہے اور بس تمثیل یا ناٹک کے لئے یہ ضروری ہے کہ سماعت اور بصارت دونوں ساتھ ساتھ متاثر ہوں۔

تمثیل نگاری میں آغا حشر مرحوم کو اگر فخر ہندوستان کہا جائے تو بجا ہے۔ وہ اپنی کامیاب تصانیف کی بدولت شکسپیر آف انڈیا کہے جاتے ہیں۔ اس اعلیٰ کامیابی کا راز اسی میں ہے کہ ان کے تمام ڈرامے ناٹک گھروں کی جان ہیں۔ اُردو کے مایۂ ناز ڈرامہ نویس کا ذکر محض مثال کے طور پر پیش کیا گیا۔ اب مجھے ہندی کے ڈرامہ نگاروں کا جائزہ لینا ہے۔

انگریزوں کی آمد سے پہلے نہ تو تھیٹر کی کمپنیاں تھیں نہ ان کے لائق ڈرامے۔ تمثیل کا تھوڑا بہت رواج تھا بھی تو وہ نہایت مبتذل حالت میں۔ نٹوں اور نقالوں کے سپرد تھا۔ شرفاء اور پڑھے لکھے لوگوں کو اس سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ اگر تھی تو

صرف شادی بیاہ کے موقعوں پر تفریحی مذاق و مضحکات کے لئے۔
انگریزوں کی آمد اور تھیٹر گھروں کی آبادی کے بعد بھی تمثیل نگاری
میں جو حصّہ لیا گیا وہ مذہب کے ماتحت تھا۔ جس کی مثال رام لیلا
ہے، جو اب بھی دسہرہ کے زمانے میں اکثر مقامات پر منائی جاتی
ہے۔ (منشی جوالا پرشاد کے ظریفانہ ناٹک نوجوانوں کے لئے
تخریب اخلاق کے سوا کچھ نہیں رکھتے۔ ان لوگوں کے علاوہ بھی اور لوگوں
نے ناٹک لکھے۔ لالہ سری نواس داس نے "دن بہر" اندھ پریم موہنی۔
سنجوگتا سویمبر وغیرہ اور "رادھا کرشن داس" نے بھارانا پرتاب تصنیف
کیا۔ یہ تصنیف ادبی حیثیت سے خوب ہیں۔ پریم گھنی کا بھارت سوبھاگ
بھی اچھا ڈراما ہے مگر طولانی۔ بابو دیبی پرشاد پورن کا چندر کلا بھانو کمار
منظوم ڈراما ہے اور اپنی طرز میں اچھا ہے۔

ناول نگاری

ہندی زبان میں ناول نگاری اُس وقت
شروع ہوئی جب کہ بنگالی ناولوں کے
تراجم سے ہندی داں طبقہ لذّت یاب ہوا۔ سب سے پہلے
پنڈت کشوری لال گوسوامی نے طبع زاد ناول لکھے۔ اُن کی تصنیف
میں ادبیت کا وہ جوہر نہیں ہے جو انگریزی ناولوں میں عام طور
سے پایا جاتا ہے۔ زبان اپنے معیار سے گری ہوئی اور ظرافت
بھی بے موقع ہوتی ہے، تاہم ان کی کثیر تصانیف سے ہندی
کے ذخیرہ میں اور اضافہ ضرور ہوا۔

ہندی ناولوں میں بابو دیوکی نندن کھتری کی "چندر کانتا"
نہایت اچھی تصنیف ہے۔ لیکن ادب کے پایہ سے گری ہوئی ہے۔
اس کی دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ اس کے پڑھنے کے لئے بہت
سے جاہلوں نے ہندی سیکھی۔ یہ خصوصیت ہندی کے کسی
دوسرے ناول کو نصیب نہیں ہوئی۔ (نمونہ ملاحظہ ہو)۔

तेजसिंह ने उस सिपाही को एक पेड़ के साथ कस के बाँध दिया और देवीसिंह से कहा—"अब तुम यहाँ कुमार के पास ठहरो मैं जाता हूँ। जो कुछ हाल है पक्का पक्का पता लगा लाता हूँ।" देवीसिंह ने कहा—"अच्छा जाइये।" तेजसिंह ने देवीसिंह से कई बातें पूछीं और उसी सिपाही का भेष बना किले की तरफ रवाना हुआ।

(देवकी नन्दन खत्री – चन्द्रकान्ता से)

تیج سنگھ نے اس سپاہی کو ایک پیڑ کے ساتھ کس کے
باندھ دیا اور دیوی سنگھ سے کہا اب تم یہاں کمار کے
پاس ٹھہرو میں جاتا ہوں۔ جو کچھ حال ہے پکّا پکّا پتہ
لگا لاتا ہوں۔ دیوی سنگھ نے کہا "اچھا جائیے"۔
تیج سنگھ نے دیوی سنگھ سے کئی باتیں پوچھیں اور
اسی سپاہی کا بھیش بنا قلعہ کی طرف روانہ ہوا۔

(از چندر کانتا)
دیوکی نندن کھتری

ہندوستان کے مشہور ناول نگاروں میں منشی پریم چند ہیں۔ انھوں نے پہلے اُردو میں ناول لکھے اور اُردو ہی میں ناول نگاری کی مشاقی پیدا کی۔ یہی مشق ہندی میں بھی کام آئی۔ ان کی پہلی ہی تصنیف سیوا سدن۔ ہندی داں طبقوں میں مقبول ہوگئی اور جب دوسرا ناول پریم آشرم لکھا تو ان کی طرز نگارش و تخئیل یگانہ کی دھوم مچ گئی۔ "نرملا"۔ غبن۔ رنگ بھوم اور کایا کلپ وغیرہ نے ہندی ادب کی کایا ہی پلٹ دی اور یہ ناول نہایت مقبول ہوئے۔ منشی پریم چند کے متعلق یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ انھوں نے ہندی ناول نگاری میں شاندار دور کی ابتدا کی۔ ان کی کامیابی کا راز خود ان کی حسب ذیل خصوصیات میں ہے:۔

۱۔ سماجی زندگی کی مصوّری اور اس کی خرابیوں کو دور کرنا۔

۲۔ دیہاتیوں کے دُکھ سُکھ کا احساس کرنا۔

۳۔ انسان کی نفسیاتی تصویر کشی و اصلاح۔

۴۔ طنز و تشنیع کے عوض میٹھی میٹھی چٹکیاں لینا۔

۵۔ حقائق نگاری کرنا۔

۶۔ بیان کی روانی زور اور مولانا عبدالحلیم شرؔر کا رنگ اختیار کرنا۔ یہ وہ خاص موضوعات ہیں جو پریم چند کی شہرت اور ان کی تصنیفات کی جان ہیں۔ اُن کا آخری ناول گئو دان ہے۔ جو ان کا آخری شاہکار ہے۔

بابو جے شنکر پرشاد کی مشہور تصنیف "کنگال" ہے۔ اس ناول میں منگل دیو اور تارا دونوں کے متضاد کیرکٹر مختلف اثرات کے ماتحت مناسب الفاظ میں اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ محبّت اور نفرت کا صحیح جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ انداز نگارش سے پتہ چلتا ہے کہ مصنّف کو سیرت نگاری میں ملکہ حاصل ہے۔ اس ناول میں واقعات درد ناک اور مؤثر ہیں کیونکہ سماج کے اندرونی حالات کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔

ناول نگاری میں سُراغ رسانی بہت دلچسپ موضوع ہے۔ انگریزی مصنّفین نے اس موضوع پر عجیب و غریب داستانیں لکھ کر حیرت انگیز واقعات اور محویت خیز دلچسپیوں سے ناول کی دنیا ہی بدل دی۔ بہرام کی گرفتاری، نیلی چھتری مصنّفہ ظفر عمر خاں اسی عنوان کی تحت میں ہے۔ جس کا تمام ہندوستان میں ڈنکا بجا ہے۔ گمبھیر جی نے سُراغ رسانی کے انگریزی ناول کا ترجمہ ہندی میں کیا اور خود بھی ہندی زبان میں متذکرہ بالا موضوع پر ناول لکھے ہیں۔ لیکن ان کی زبان معیار ادب سے گری ہوئی دیہاتی ہے۔

افسانہ

ہندی میں افسانہ نگاری کی بنیاد گرجا کمار گھوش نے رکھی۔ ان کے بعد جے شنکر پرشاد۔ پریم چند۔ بشمبھر ناتھ شرما۔ سُدرشن اور ہردیش وغیرہ نے افسانہ نگاری کی ہے۔

ہندی افسانوں کی پالیسی مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) افراد کی خصوصیات کا بیان کرنا۔

(۲) سماج کی خرابیوں کا اظہار کرنا۔

(۳) تاریخی تذکروں کا بیان کرنا۔

اکثر افسانے فلسفیانہ رنگ میں بھی لکھے جاتے ہیں۔ علاوہ بریں دیگر مقاصد کو ادا کرنے کے لئے بھی چھوٹی چھوٹی کہانیاں وضع کی جاتی ہیں۔ جے شنکر پرشاد کے افسانوں میں جا بجا شاعری کا لطف بھی آتا ہے۔ تاریخ کا مزہ بھی ملتا ہے اور افراد کے نفسیات کی آئینہ داری بھی ہوتی ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن سے ان کا افسانہ افسانہ ہو جاتا ہے۔ جے شنکر پرشاد اور پریم چند کی افسانہ نگاری بھی اپنی اپنی جگہ خوب ہے۔ ان دونوں میں جو فرق ہے وہ بھی لطیف ہے۔ پریم چند کے یہاں دلچسپ واقعات ہیں تو جے شنکر پرشاد کے یہاں دلکش جذبات۔ ایک واقعات کی تصویر کشی میں کمال رکھتا ہے تو دوسرا جذبات کی مصوری میں چابکدست ہے۔ وشمبھر ناتھ شرما کی کہانیوں میں خانگی زندگی کی اصلاحات ہوتی ہیں۔ یہ اپنے رنگ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ سُدرشن کے افسانوں میں قدامت پرستی کو بہت کچھ دخل ہے۔ مقصد کی پاکیزگی سے انکار نہیں، لیکن ہندوستان کے پرانے گائے ہوئے گیت افسانوں میں افسانوی کیفیت نہیں پیدا کرتے۔ ہردلیش کی دلچسپ کہانیوں میں شاعری اور زبان میں رنگینی ہے۔

اِن کے یہاں واقعہ نگاری نہیں ہے۔ انمونے ملاحظہ ہوں۔

विश्वम्भरनाथ शर्मा कौशिक

मैं बहुधा यह सोचा करता हूँ कि लोगों को बटेर बाज़ी, कबूतर बाज़ी, पतंग बाज़ी में क्या मजा आता है ? मुझे तो यह सोलहों आने हिमाक़त बाज़ी दिखाई पड़ती है। परन्तु उन्हें कुछ तो मजा आता ही होगा, तो वे उसमें समय तथा धन नष्ट करते हैं। उस मजे को हम आप नहीं समझ सकते। इसी प्रकार देवता बाज़ी के मज़ों का अनुमान हम आप नहीं लगा सकते। हाँ देवता बाज़ों को किस बात में आनन्द मिलता है इसको मैंने समझने का प्रयत्न किया है।

(विजयानन्द दुबे जी की चिट्ठी)

میں بہودھا یہ سوچا کرتا ہوں کہ لوگوں کو بٹیر بازی، کبوتر بازی، پتنگ بازی میں کیا مزہ آتا ہے۔ مجھے تو وہ سولہو آنے حماقت بازی دکھائی پڑتی ہے۔ پرنتو اُنھیں کچھ تو مزا آتا ہی ہوگا تبھی تو وے اُس میں سمے تتھا دھن نشٹ کرتے ہیں۔ اُس مزے کو ہم آپ نہیں سمجھ سکتے۔ اسی پرکار دیوتا بازی کے مزے کا انمان ہم آپ نہیں لگا سکتے۔ ہاں دیوتا بازوں کو کس بات میں آنند ملتا ہے۔ اس کو میں نے سمجھنے کا پریتن کیا ہے۔

(از جادونند دوبے جی کی چٹھی)

بشمبھر ناتھ شرما کوشک

प्रेम चन्द

रात का समय था। तेहरान में मातम छाया हुआ था। कहीं दीपक या अग्नि का प्रकाश न था। न किसी ने दिया जलाया और न भोजन बनाया। अफ़ीमचियों की चिलमें भी आज ठंडी हो रही थीं। मगर क़ब्रिस्तान में मशालें रोशन थीं—शहज़ादे की अन्तिम क्रिया हो रही थी।

'वज्रपात शीर्षक कहानी से'

رات کا سمے تھا۔ طہران میں ماتم چھایا ہوا تھا۔ کہیں دیپک یا اگنی کا پرکاش نہ تھا۔ نہ کسی نے دیا جلایا اور نہ بھوجن بنایا۔ افیمچیوں کی چلمیں بھی آج ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔ مگر قبرستان میں مشعلیں روشن تھیں شہزادے کی انتم کریا ہو رہی تھی۔

(از افسانہ تجربات)

پریم چند

जयशंकर 'प्रसाद'

सुख जीने में है वलराज! ऐसी हरी भरी दुनियाँ फूल बेलों से सजे हुये नदियों के सुन्दर किनारे, सुनहला सबेरा, चाँदी की रातें! इन सबों से मुँह मोड़कर आँखें बन्द कर लेना!

कभी नहीं। सब से बढ़कर तो इसमें हम लोगों की उछल कूद का तमाशा है। मैं तुम्हें मरने न दूँगी।"

—'दासी' से

سُکھ جینے میں ہے بلراج - ایسی ہری بھری دنیا پھول سے سجے ہوئے ندیوں کے سُندر کنارے سُنہلا سویرا، چاندی کی راتیں، ان سبھوں سے مُنہ موڑ کر آنکھیں بند کر لینا! کبھی نہیں سب سے بڑھ کر تو اس میں ہم لوگوں کی اُچھل کود کا تماشہ ہے - میں تمھیں مرنے نہ دوں گی -

(از افسانہ داسی)
جے شنکر پرشاد

सुदर्शन

द्वारिकादास—"प्यारी स्त्री का प्यार दुनियाँ में बहुत उच्च वस्तु है परन्तु स्नेहमयी वहिन की प्रीति उससे भी उच्च है। वह अगर चाय है, तो यह मीठा दूध। चाय और दूध की तुलना किसने की है?"

—'धर्म सूत्र' से

دوارکاداس - پیاری استری کا پیار دنیا میں بہت اُچّ
دستو ہے - پرنتو اسنیہہ مئی بہن کی پریت اس سے بھی اُچّ

ہے۔ وہ اگر چائے ہے تو یہ میٹھا دودھ۔ چائے اور دودھ کی تُلنا کس نے کی ہے۔

اُچّ = اعلیٰ۔ اسنیہہ مئی = محبّت سے لبریز۔
وستو = چیز۔ تُلنا = مقابلہ۔

(از دھرم سوتر افسانہ)
سُدرشن

اشخاص مذکورہ کے علاوہ ہندی زبان میں اور بھی اچھّے اچھّے افسانہ نگار ہیں۔ مثلاً چترسین شاستری۔ رائے کرشن داس۔ ونود شنکر ویاس وغیرہ۔ جن کے قلم نے ہندی ادب کو تقویت پہونچائی۔

चतुरसेन शास्त्री

अभी ककड़ियाँ कहाँ ? वह तो कहो, मैं चार रखे लाया था। दो बिक गये, दो ये हैं, लेना हो तो लो, मोल भाव का काम नहीं, चवन्नी लूँगा।

(ककड़ी की कीमत से)

ابھی ککڑیاں کہاں؟ وہ تو کہو میں چار رکھے لایا تھا۔ دو بک گئے، دو یہ ہیں، لینا ہو تو لو، مول بھاؤ کا کام نہیں، چونّی لوں گا۔

(از افسانہ ککڑی کی قیمت)
چترسین شاستری

विनोद शंकर व्यास

जवानी के सरस दिनों में किसी के ऊपर अपना सर्वस्व निछावर कर देने की अथवा उस पर मर मिटने की कल्पना कितनी सुखद होती है। दुनिया में लोग इसे पागल पन समझते हैं, लेकिन कौन ऐसा है, जिसने अपने जीवन में एक बार इसका अनुभव न किया हो।

—'भूली बात' शीर्षक कहानी से।

جوانی کے سرس دنوں میں کسی کے اوپر اپنا سروسو
نچھاور کردینے کی اتھوا اس پر مر مٹنے کی کلپنا کتنی سکھد
ہوتی ہے۔ دنیا میں لوگ اسے پاگل پن سمجھتے ہیں لیکن
کون ایسا ہے جس نے اپنے جیون میں ایک بار اس کا
انبھو نہ کیا ہو۔

سرس = شیریں۔ کلپنا = خیال۔ انبھو = احساس۔
سروسو = سب کچھ۔ سکھد = آرام دہ۔

(از بھولی بات)
ونود شنکر ویاس

नारी गुहा-द्वार के सहारे खड़ी थी। उसका आधा शरीर लता की ओट में था। वहीं से वह अपने पुरुष का पराक्रम देख रही थी, आनन्द की कूकें लगा रही थी।

हाँ उसी दिन अन्त:पुर का प्रारम्भ हुआ था।

— अन्त:पुर का प्रारम्भ
(रायकृष्णदास)

ناری گوہا دوار کے سہارے کھڑی تھی۔ اُس کا آدھا
شریر لتا کی اوٹ میں تھا۔ وہیں سے وہ اپنے پُرش کا پراکرم
دیکھ رہی تھی، آنند کی کوکیں لگا رہی تھی۔
ہاں اُسی دن انتھ پور کا پرارمبھ ہوا تھا۔

گوہا = غار۔ لتا = بیل۔ پراکرم = بہادری۔
انتھ پور = محل سرا۔ پرارمبھ = شروعات۔
(از انتھ پور کا پرارمبھ)
رائے کرشن داس

مقالہ نگاری

مقالہ عربی لفظ ہے جو قال سے بنا ہے۔ اس کے لغوی معنی کہی ہوئی بات کے ہیں لیکن ادب کی اصطلاح میں عموماً اس مضمون کو کہتے ہیں جو ادب و اصلاح سے متعلق ہو۔ طبع زاد ہو یا غیر طبع زاد۔ معقولات میں ہو یا منقولات میں۔ اس کی تحت میں تمام علوم وفنون کے مختصر بیانات آسکتے ہیں۔ نثر کے تمام اصناف اور بیان کا جزو بنا کر مقالات میں لائے جا سکتے ہیں۔ منطق۔ فلسفہ۔ تاریخ۔ تنقید۔ مذہب۔ سیاست۔ غرضکہ ہر قسم اور ہر نہج کے

مضامین مقالہ نویسوں کے قلم کا جوہر ہوتے ہیں۔ جدید ہندی میں مقالہ نویسی کی رسم ابتدا ہی سے کم ہے اور جو مقالے ملتے ہیں وہ ہندی ادب کے لئے شایاں نہیں۔ پنڈت بال کرشن بھٹ اور پرتاب نرائن مصر کے کچھ مضامین ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ان کے ابتدائی زمانہ کی انشا پردازی ہے۔ مضامین کے ڈھنگ بھی اسی قول کی تائید کرتے ہیں۔ ان مضامین میں ظرافت کی چاشنی ہے، ادب کی دل آویزی نہیں۔ اس لئے دائرہ ادب میں انھیں کوئی امتیازی جگہ دینا مشکل ہے۔ مہابیر پرشاد دویدی نے بھی اکثر مقالے لکھے ہیں۔ لیکن انھیں بھی کوئی ممتاز درجہ حاصل نہیں۔ گلاب رائے نے جو فلسفیانہ مضامین لکھے ہیں وہ بھی ہندی ادب میں جگہ نہیں پا سکتے ہیں۔ رامچندر شکل اور بابو شیام سندر داس کی مقالہ نویسی اچھی ہے۔ انھوں نے اچھے اچھے مضامین مختلف عنوان مختلف جذبات کے ماتحت لکھے ہیں۔ لیکن یہ لوگ بھی مقالہ نویسی کی کمی کو پورا نہیں کر سکے۔ البتہ پورن سنگھ نے اس کمی کو پورا کیا ہے، گو کہ ان کے چند مقالے ہی دستیاب ہوئے۔ مثال۔

बालमुकुन्द गुप्त

नारंगी के रस में जाफरानी वसन्ती बूटी छान कर शिव शंभु शर्मा खटिया पर पड़े मौजों का आनन्द ले रहे थे। खयाली

घोड़े की बागें ढीली कर दी थीं। वह मनमानी जकंदे भर रहा था। हाथ पाँव की स्वाधीनता दी गई थी। वे खटिया के तूल अरज की सीमा उल्लंघन करके इधर उधर निकल गये थे।

تازگی کے رس میں جافرانی ٹسبتی بوٹی چھان کر
شیو شمبھو شرما کھٹیا پر پڑے موجوں کا آنند لے
رہے تھے۔ خیالی گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی کر دی تھیں۔
وہ من مانی زکندیں بھر رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں کو سوادھنتا
دی گئی تھی۔ وے کھٹیا کے طول ارض کی سیما
اُلنگھن کرکے اِدھر اُدھر نکل گیا۔

فارسی الفاظ = زعفرانی - زقندیں - موج - خیالی - طول - ارض -

ہندی الفاظ } سوادھنتا = آزادی - اُلنگھن = کھلانگنا -

("از" درآشتا")
بالمکند گپت

प्रताप नारायण मिश्र

चार दिन के पाहुन कछुआ, मछली अथवा कीड़ों की परसी हुई थाली, कुछ अमरौती खाके आए हैं नहीं, कौवे के बच्चे हई

नहीं, बहुत जिएँगे दस वर्ष। इतने दिन में मर पच के दुनिया भर का पीकदान बन के दस लोगों के तलवे चाट के अपने स्वार्थ के लिये पराये हित में बाधा करेंगे भी तो कितनी; सो भी जब देश भाइयों का एक बड़ा समूह दूसरे दर्रे पर जा रहा है तब आखिर थोड़े ही दिन में आज मरे कल दूसरा दिन होता है।

(वृद्ध शीर्षक लेख से)

چار دن کے پاہُن، اُچھوا، مچھلی، اکھوا کیڑوں کی پریسی
ہوئی بھالی کچھ امرتی کھا کے آئے ہی نہیں۔ کوّ ے
کے بچّے ہیں ہی نہیں بہت جئیں گے دس ورش۔ اِتنے
دن میں مر پچ کے دنیا بھر کا پیکدان بن کے دس
لوگوں کے تلوے چاٹ کے اپنے سوارتھ کے لئے
پرائے ہِت میں بادھا کریں گے بھی تو کتنی سو بھی
جب دیش بھائیوں کا ایک بڑے سموہ دوسرے
ڈھرّے پر جا رہا ہے تب آخر تھوڑے ہی دن میں
آج مرے کل دوسرا دن ہوتا ہے۔
(از مقالہ "وردہ")
پرتاپ نرائن مصر

महाबीर प्रसाद द्विवेदी

आँख उठाकर जरा और देशों तथा और जातियों की ओर तो देखिये। आप देखेंगे कि साहित्य ने वहाँ की सामाजिक और राजकीय स्थितियों में कैसे कैसे परिवर्तन कर डाले हैं। साहित्य ने वहाँ समाज की दशा कुछ की कुछ कर दी है; शासन-प्रबन्ध में बड़े बड़े उथल पुथल कर डाले हैं; यहाँ तक कि अनुदार और धार्मिक भावों को भी जड़ से उखाड़ फेंका है।

'साहित्य की महत्ता' लेख से

آنکھ اُٹھا کر ذرا اور دیشوں تتھا اور جاتیوں کی اور تو دیکھئے۔ آپ دیکھیں گے کہ ساہتیہ نے وہاں کی ساماجک اور راج کیہ استھتیوں میں کیسے کیسے پرورتن کر ڈالے ہیں۔ ساہتیہ نے وہاں سماج کی دشا کچھ کی کچھ کر دی ہے۔ شاشن پربندھ میں بڑے بڑے اُتھل پُتھل کر ڈالے ہیں۔ یہاں تک کہ انودار اور دھارمک بھاووں کو بھی جڑ سے اُکھاڑ پھینکا ہے۔

راج کیہ = سرکاری۔ ساماجک = سوشل۔ استھیوں = حالات۔
پرورتن = تبدیل۔ شاشن = حکومت۔ انودار = آزاد خیال۔
دھارمک = مذہبی۔

(از مقالہ ساہتیہ کی مہتہ)
مہابیر پرشاد دویدی

रामचन्द्र शुक्ल

मीठे वचनों को सुनकर हम सब लोग सन्तुष्ट होते हैं। ये सब बातें हमें मनोनीत होती हैं शिक्षा द्वारा प्रतिष्ठित आदर्श के अनुकूल होते हैं।

'मित्रता' शीर्षक लेख से

میٹھے بچنوں کو سُن کر ہم سب لوگ سنتشٹ ہوتے ہیں۔ یہ سب باتیں ہمیں منونیت ہوتی ہیں سکچھا دوارا پرتشٹھت آدرش کے انکول ہوتے ہیں۔

سنتشٹ = مطمئن۔ منونیت = پسند۔ سکچھا = تعلیم۔
پرتشٹھت = قائم کیا گیا۔ آدرش = نادر۔ انکول = مطابق۔

(از مقالہ "متر تا")
رام چندر شکل

श्यामसुन्दर दास

संसार में बहुत से ऐसे भी नीच और कुत्सित लोग होते हैं जो झूठ बोलने में अपनी चतुराई समझते हैं और सत्य क छिपाकर धोखा देने या झूठ बोल कर अपने को बचा लेने में ही अपना परम गौरव मानते हैं। ऐसे लोग ही समाज को नष्ट करके दुःख और संताप फैलाने के मुख्य कारण होते हैं। इस प्रकार का झूँठ बोलना स्पष्ट न बोलने से अधिक निन्दित और कुत्सित कर्म है।

'कर्त्तव्य और सत्यता' लेख से

سنسار میں بہت سے ایسے بھی نیچ اور کتسست لوگ ہوتے ہیں جو جھوٹ بولنے میں اتنی چترائی سمجھتے ہیں اور ست کو چھپا کر دھوکا دینے یا جھوٹ بول کر اپنے کو بچا لینے میں ہی اپنا برم گورو مانتے ہیں - ایسے ہی لوگ سماج کو نشٹ کر کے دکھ اور سنتاپ پھیلانے کے مکھ کارن ہوتے ہیں - اس پرکار جھوٹ بولنا اسپشٹ نہ بولنے سے ادھک نندت اور کتسست کرم ہے -

کتسست = قابل نفرت - گورو = بزرگی -

(از مقالہ کرتویہ اودستیتا)

شیام سندر داس

पूर्ण सिंह

प्रकृति की मन्द मन्द हँसी में ये अनपढ़ लोग ईश्वर के हँसते हुये ओंठ देख रहे हैं। पशुओं के अज्ञान में गंभीर ज्ञान छिपा हुआ है। इन लोगों के जीवन में अद्‌भुत आत्मानुभव भरा हुआ है। गड़रिये के परिवार की प्रेम मजदूरी का मूल्य कौन दे सकता है।

—मजदूरी और प्रेम से

پراکرت کی مند مند ہنسی میں یہ ان پڑھ لوگ ایشور کے ہنستے ہوئے اونٹھ دیکھ رہے ہیں - پشوؤں کے اگیان میں

گمبھیر گیان چھپا ہوا ہے۔ ان لوگوں کے جیون میں
ادھ بھُت آتما بھو بھرا ہوا ہے۔ گڈریے کے
پریوار کی پریم مزدوری کا مول کون دے سکتا ہے۔
پراکرت = قدرت۔ اگیان = بیوقوف۔
آدھ بھُت = عجیب۔ آتما بھو = احساس خودی۔
(از مزدوری اور پریما)
پورن سنگھ

حقیقت یہ ہے کہ ہندی ادب کے ابتدائی عہد میں ہندی کی گرامر کی طرف ادیبوں کی توجہ نہ تھی جس سے ادبی زبان اور تحریر میں وہ خصوصیت نہیں تھی جو گرامر بننے کے بعد ہوئی۔ دور جدید میں یہ کمی جاتی رہی۔ مہابیر پرشاد دویدی نے اس طرف توجہ کر کے جدید ہندی کی قواعد مرتب کی۔ دوسرا عیب جو لغات کی عدم ترتیب کی وجہ سے تھا وہ بھی "شبد ساگر" کے عالم وجود میں آجانے سے جاتا رہا۔ اب ہندی کے انشاپردازوں کے لئے تمام راستے صاف ہو چکے ہیں اور ہندی ادب کی موجودہ ہیئت بہت کچھ خوشگوار ہے جس سے امید کی جا سکتی ہے کہ اس کا مستقبل اچھا ہو گا اور وہ زمانہ قریب تر ہے جب کہ ہندی کی انشاپردازی درجۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی۔

سوانح عمری

سوانح عمری لکھنے کا دستور قریب قریب اُن تمام زبانوں میں ہے جن میں ایسی چیزوں کے جمع کرنے کی صلاحیت ہے۔ جس طرح ہر قوم کے لئے اس کی تاریخ ضروری ہے اسی طرح اس کے مشہور افراد کے حالات زندگی مفید ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان میں بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں جن سے اچھا سبق ملتا ہے۔ اسی لئے لوگ قوم اور ملک کے حدود کو عبور کر کے مشاہیر عالم کی اچھی اچھی سیرتیں اپنی زبان میں لکھتے ہیں یا ترجمہ کرتے ہیں۔ اس سے کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اپنی زبان اور اپنے ادب میں اضافہ ہوتا ہے۔ تقلید و تاسّی کے لائق افراد اور اُن کے حالات ملتے ہیں۔ سیرت کی دلچسپی سے عام لوگوں میں کتب بینی کی مزاولت پیدا ہوتی ہے۔ غرضیکہ سوانح عمری نہایت مفید ہے۔ جدید ہندی نے اس طرف بھی کافی ترقی کی ہے۔ اس وقت تک جتنی سوانح عمریاں لکھیں یا دوسری زبانوں سے ہندی میں ترجمہ کی گئی ہیں، اُن میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں:۔

آنحضرت صلعم۔ سوامی رام تیرتھ۔ سوامی وویکانند۔ آتما کتھا گاندھی جی۔ آتما کتھا لاجپت رائے۔ موتی لال نہرو۔ جواہر لال نہرو۔ سبھاش چندر بوس۔ شنکر آچاریہ۔ چتندر ناتھ داس۔ ہٹلر۔ موسولینی۔ نپولین بونا پارٹ۔ جے۔ این۔ ٹاٹا۔ گرلیس اور روم کے مہا پُرش۔ جان اسٹورٹ مل۔ کاڈر۔ میزنی (شہنشاہ) اکبر۔ شیخ سعدی دو خدائی

خدمت گار۔ راجہ مہندر پرتاب سنگھ۔ راناڈے۔ پنڈت توکارام۔ گنیش شنکرودیارتھی۔ رنجیت سنگھ۔ پرتھوی راج۔ ودیاساگر۔ ستنارائن۔

ان کے علاوہ جدید ہندی میں اور بھی بہت سی عجیب سوانح عمریاں اب تک لکھی جاچکی ہیں۔ کچھ تو ایسی ہیں جو ہندی زبان وادب کی خاص ملکیت ہیں اور کچھ فن تراجم کی مرہون منت۔

تراجم یہ سچ ہے کہ جو مرتبہ اصل کتابوں کو حاصل ہوتا ہے وہ ترجمہ کو نہیں حاصل ہوتا۔ ترجمہ کی حیثیت اس چیز کی سی ہے جو عاریتاً کسی غیر سے لے لی گئی ہو۔ دنیا میں جس طرح بغیر قرض اور عاریت کے کام نہیں چلتا اسی طرح زبان وادب کی سرمایہ داری صرف اس کے مصنفین کی کوششوں سے نہیں ہوسکتی، کیونکہ ہر ایک زبان کی وسعت اس کے ممالک تک محدود ہوتی ہے۔ علمی۔ ادبی۔ قومی۔ ملکی اور تمدنی فوائد میں عالمگیر اضافہ نہیں ہوتا۔ اس لئے مختلف قطعات عالم کی مروجہ زبانوں کے خزائن سے گوناگوں جواہر پارے حاصل کئے جاتے ہیں۔ اسی طریقۂ حصول کو فن ترجمہ کہتے ہیں جو دنیا کی تمام زبانوں میں جاری اور ساری ہے۔

تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ ہندی اس میدان میں بھی گامزن ہے۔ دیسی زبانوں میں گجراتی، بنگالی، مرہٹی، تامل وغیرہ اور غیر ملکی زبانوں میں انگریزی۔ روسی۔ فرانسیسی اور جرمنی وغیرہ سے بہت سی کتابیں اور مفید مضامین کے ترجمے ہندی میں کئے گئے ہیں۔

ان ترجموں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ادبیات کی تحت میں اور دوسری ملکی ضروریات میں۔ ادبیات میں مذکورہ زبانوں کے ڈرامے۔ افسانے۔ ناول سوانح عمریاں۔ علوم معاشیات و فلسفہ تعلیم وغیرہ کی کتابوں کے ترجمے ہیں۔ وہ مغرب نژاد ناول جن کے ترجمے جدید ہندی میں کئے گئے ہیں۔ اُن میں سے چند مشہور ناولوں کے نام یہ ہیں:—

شکل وسنا سندری The woman in white
پریم کانت The Vicar of Wakefield
سرلا Innocent
سُکھ داس Silas Marner
گوبند رام shyloc Homes
ہڑتال (پریم چند) strike

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہندی میں یہ جدّت کی گئی ہے کہ جب یوروپین ناولوں کا ترجمہ کیا جاتا ہے تو ضرورت کے موافق اُن کی ہیئت بدل دی جاتی ہے۔ اشخاص ناول کے نام بھی بدل دئے جاتے ہیں اور اس امر کی کوشش کی جاتی ہے کہ انگریزی طرز کا ناول ہندوستانی ڈھنگ پر آجائے۔ لیکن اس کوشش میں ابھی کامیابی نہیں ہوئی۔ عام ناکامی کے مختلف وجوہ ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جو ناول یا ڈرامے یورپ میں لکھے گئے ہیں وہ وہیں کے ماحول اور وہیں کی تہذیب کے مطابق ہیں۔ ہندوستان میں جب ان کا ترجمہ ہوگا تو ماحول اور

تہذیب بدل جائے گی۔ جس سے ترجمہ پر نمایاں اثر پڑے گا۔ نیز بعض زبان کے بعض الفاظ اور ان کی ترکیب ایسی ہوتی ہے کہ دوسری زبان میں ترجمہ ہو کر بجنسہٖ وہی مفہوم ادا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بھی ترجمہ زیادہ کامیاب نہیں ہوتا۔

دیسی زبانوں میں بنگال کے شہرۂ آفاق شاعر و ادیب رابندر ناتھ ٹیگور کی کتابوں کے ترجمے جدید ہندی میں بکثرت کئے گئے ہیں، ان تراجم کی طویل فہرست یہاں نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں۔ جن کتابوں کے ترجمے قابل ذکر ہیں وہ یہ ہیں :—

ٹیگور — روس کی چٹھی۔ عید کا چاند۔ ڈاک گھر۔ آنکھ کی گرمی۔ پراچین ساتھ۔ ہاسیہ کوتک۔ جیون سمرتی وغیرہ۔

ڈی۔ ایل رائے — بنگال کے مشہور و معروف ناول نگار اور ڈرامہ نویس تھے۔ ان کی دلچسپ تصنیفات ہندی کے مترجمین نے اپنے یہاں لے لیں۔ جن کے نام یہ ہیں:۔ اُس پار۔ دُرگاداس۔ تارابائی۔ چندر گپت۔ رانا پرتاب۔ بھیشم۔ شاہجہاں۔ سیتا اور بھارت رجنی۔

بنکم چٹرجی — ڈی۔ ایل رائے کے ناولوں کی طرح بنکم چٹرجی کے ناول بھی بنگالی کے دل آویز شاہکار ہیں۔ درگیش نندنی۔ آنند مٹھ۔ اندرا۔ کپال کنڈلا۔ رجنی وغیرہ وہ ناول ہیں جنھیں کافی شہرت اور مقبولیت حاصل ہے۔ ان کے ترجمے ہندی

ادب کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کی رو میں آ گئے۔

سرت چندر چیٹرجی
بنگالی ناول نویسوں میں سرت چندر چیٹرجی کا نام خصوصیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ان کے ناولوں نے بنگالی ادب کو بہت اچھالا ہے۔ جدید ہندی کے متلاشیان نے ان کے مقبول ناول منجھلی دیدی اور بڑی دیدی۔ چتر سین اور دیہاتی سماج وغیرہ کے ترجمے سے اپنی چہیتی زبان کو سنوارا۔

کالی داس
مہابیر پرشاد دویدی جی کے ذوق ادب نے کالی داس کے منظوم ڈراموں کا ترجمہ کیا۔ مگر ان کے تمام ترجموں میں صرف "کار سنبھو" کا ترجمہ اچھا ہے۔ ابھجیان شاکنتل کا ترجمہ بھی کیا گیا۔ راجہ لچھمن سنگھ کا ترجمہ زیادہ تر مقبول ہوا۔

شیکسپیر
انگریزی مشہور ادیب شیکسپیر کے ڈراموں کا بھی ہندی میں ترجمہ کیا گیا۔ لیکن مترجمین کے قلم نے لغزشیں کھائیں۔ ان پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ لالہ سیتا رام بی۔ اے کا نام اس ضمن میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

ٹالسٹائے
افسانوی دنیا میں ٹالسٹائے کے رشحات قلم نے کافی شہرت پائی۔ ان کے مندرجہ ذیل افسانے جدید ہندی میں ترجمہ ہوئے۔ زندہ لاش۔ جیون کیا ہے۔ پھالسنی وتگیا ناٹ کہانیاں۔ ٹالسٹائے کی کہانیاں۔ استری اور پرش۔ مالا کا ہردے۔ "جیسے کو تیسا" وغیرہ۔

مغربی مشاہیر ادب سوئٹ مارٹ۔ جیس میں ایلین۔ جالنسن۔ ڈرائی ڈن۔ گوئٹے۔ برنارڈ شاہ وغیرہ کی کتابوں کا ترجمہ ہندی میں کیا گیا۔ تمام مصنفین کے اسماء یا تصنیفات کی فہرست طولانی ہے۔ لہذا "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر ذیل میں چند دلچسپ کتابوں کے نام دئے جاتے ہیں:۔

فادر انڈیا۔ فرانس۔ راج کرانتی۔ جاپان کی باتیں۔ بھارتھ جاگیرتھ۔ بہادر شاہ کا مقدمہ۔ بیگموں کے آنسو۔ آج کا روس۔ کانگریس کا اتہاس۔ بھارتی ودیا رتھی۔ سام واد۔ بھارت کا سرکاری دن۔ نازی ازم۔ فاسزم۔ ہند سوراج وغیرہ۔

جن لوگوں نے ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا انھیں اندازہ ہوگا کہ جدید ہندی کا ادبی ذوق کہاں تک پہنچا ہے اور ہندی کے مترجمین نے کیسے کیسے شاہکار اپنے یہاں جمع کئے ہیں۔

جدید ہندی نظم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندی نثاروں کے ساتھ ساتھ ہندی شاعروں کا بھی مختصر تذکرہ کردیا جائے تاکہ زبان کے دونوں اصناف کی ترقی کا اندازہ ہو سکے۔ اس سلسلہ کی شروعات "بھارت اندو ہرلش چندر" سے کی جاتی ہے، کیونکہ ان کی شاعری جدید ہندی نظم میں نقش اوّلین کا مرتبہ رکھتی ہے اور ان کے بعد والے تمام شعراء نے ان کی پیروی کی ہے۔ ہندی شاعری کے اس دور تغیر میں ہرلش چندر کی شخصیت اپنی اوّلیت کے لحاظ سے

نہایت اہم سمجھی جاتی ہے۔ ان کی قدر و منزلت ان کی تصانیف کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے ہندی شاعری کے لئے ایک جدید شاہراہ نکالی۔ عہد ماضی میں بھوشن کوی نے عشقیہ شاعری کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا مگر انھیں وہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جو اس نوع میں ہریشچندر کو اپنی جدت طرازی سے ہوئی۔ ہریش چندر کے ساتھ بھارت اندو کا الحاق غالباً خطابی صورت میں ہے جس کے معنی "مہتاب ہند" ہو سکتے ہیں۔ اس خطاب سے ہی ان کی زندگی پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے ہندی شاعری کے طرز قدیم کو بالکل ترک کر دیا۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ انھوں نے ایک نیا راستہ جاری کیا جو نہ صرف زبان و ادب کے لئے سُراغ منزل ہے بلکہ ملک و قوم کے واسطے بھی جادۂ مُراد قرار پایا۔ ہریش چندر کے یہاں ایسی نظمیں پائی جاتی ہیں جو حسن و عشق کی پُرانی داستانوں سے ملتی جلتی ہیں لیکن ان کا جذبۂ محبت لیلیٰ وطن کے لئے وقف ہے۔ "بھارت دردشا" ناٹک اسی جذبہ کے ماتحت لکھا گیا۔ اس ناٹک میں غلام دیس کی تباہی و بربادی اور زبون حالی کی دردناک منظر کشی کی گئی ہے۔ دل سے نکلی ہوئی باتیں بھلا دل پر گہرا اثر کیوں نہ کرتیں۔ قوم نے کروٹ بدلی۔ اپنے حالات کا جائزہ لیا۔ اصلاح عمل نے خیالات میں جگہ پائی۔ قومی زبان و ادب کو ہندوستان میں وسیع کرنے کی سعی و کوشش ہونے لگی۔ بھارت دردشا کے اثرات سے جو انقلاب پیدا ہوا اس کی سب سے بڑی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ اس نے ہندی

ادب میں تغیر پیدا کر دیا۔

ہریش چندر کی شاعری ہندی ادب میں ایک نیا باب ہے۔ دوسرے شعراء نے بھی ان کی تقلید کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان سب کی متحدہ کوششوں سے قومی۔ ادبی۔ سیاسی اور تمدنی رنگ نکھرنے لگا۔ تعلیم کا چرچا بڑھا۔ حالات بدلے تو جذبات و خیالات بھی بدلے۔ طبیعتیں بدلیں تو طبقوں کی کیفیتیں بھی بدلیں۔ اب شاعری بھی مجبور ہوئی اور رخت کہن اتار پھینکا۔ نیا بانک پن اختیار کیا۔ نئے انداز نئے آثار دکھائے۔ فرضی حسن و عشق کی جگہ وطن اور محبت وطن نے پائی۔ ہریش چندر کی شاعری میں جس چیز نے چار چاند لگائے وہ یہی جذبہ حب الوطنی تھی جس سے پرستاران حکومت کی مخالفتوں نے اور بھی آگ لگادی۔

ہریشچندر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ عبدالرحیم خان خاناں۔ ملک محمد جائسی اور کبیر کی طرح زبان کے ماہر نہیں۔ ان کے جذبات میں چشمے کی سی مستقل روانی نہیں۔ انھیں والمیک کی طرح مناظر قدرت کی تصویر کشی نہیں آتی۔ اس تنقید و تنقیص کے ہوتے ہوئے بھی ان کی شاعری اپنے رنگ میں یکتا ہے۔ ان کی حریت پسند طبیعت نے ہندی ادب کے سبزہ زاروں میں بیداری و آزادی کے بیج بوئے ہیں۔ قوم کی محبت میں دلنشین نغمے گائے جن کے اثر نے مقبولیت حاصل کی۔

جدید ہندی شاعری کے رجحانات

اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ ہندی زبان کا شاعر صرف مذہب کا پجاری یا کسی راج دربار کا غلام بن کر رہ جائے یا حسن و عشق کے کوچے میں ٹھوکریں کھاتا پھرے۔ ضرورت ایجاد کی ماں کہی جاتی ہے۔ عہد حاضر کی ضروریات عہد ماضی کی ضروریات سے بہت مختلف ہیں۔ جن کا اثر فطری طور سے طبائع پر ہونا لازمی ہے۔ آج کرشنائی اور رامائی نظموں میں وہ مزے نہیں پیدا کئے جا سکتے جو قومی اور ملکی جذبات کو منظوم کرنے میں خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ آج کسی راجہ مہاراجہ کی قصیدہ خوانی بدترین خوشامد سے زیادہ وقیع نہیں۔ لیکن وہ اشعار جو ملک کے لئے قربانیاں دینے والے قید و بند اور سولیوں کی مصیبت سہنے کے لئے لکھے جائیں گے زیادہ قابل قدر اور باثر ہوں گے۔ ہندوستان کی سیاسیات کا جو اثر ہندی نثر نے قبول کیا ہے، وہی ہندی نظم نے بھی لیا ہے۔ اور جس طرح نثر آسان و سہل ہوئی اسی طرح نظم بھی تمام فہم لکھی جاتی ہے۔ اس وقت ہندی شاعری کے خاص موضوعات جذبات قومیات اور اشتراکیات و تصوف ہیں۔ یہیں یہ بات بھی ظاہر کرنا ضروری ہے کہ تمام جدید شاعری کھڑی بولی میں ہے۔ کسی وقت میں خیال تھا کہ کھڑی بولی اپنی کرختگی کی وجہ سے شاعری کے لئے غیر موزوں ہے لیکن جدید شعراء کا کلام دیکھنے سے گذشتہ شاعروں کا جو نظریہ کھڑی بولی کے متعلق تھا غلط ثابت

ہوتا جارہا ہے۔ ہریشچندر وغیرہ نے اپنی قادر الکلامی سے کھڑی بولی کو نرم۔ شیریں۔ شستہ بناکر شعر و شاعری کے لئے موزوں بنادیا۔ جدید شعراء کے کلام کا بلیساختہ پن اور اُن کی تمام خوبیاں جو زبان سے تعلق رکھتی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرٹھ اور اُس کے گردونواح میں بسنے والی ناقابل التفات بولی نے کہاں تک ترقی کی منزلیں طے کیں اور کس کس رنگ میں اپنی اداکاریاں دکھائیں۔

سطور بالا میں ہندی شاعری کے چند موضوعات دئے گئے ہیں۔ اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ان موضوعات پر کس کس نے طبع آزمائی کی۔ شعراء کے اختلاف موضوعات سے جو تقسیم عمل ہوئی وہ جدید ہندی زبان و ادب کے لئے فال نیک ہے۔

قومیات اس موضوع پر مندرجہ ذیل شعراء کی مشہور تصانیف درج کی جاتی ہیں:—

نام مصنّف	تصنیف
پریمی جی	سوران دہان स्वर्ण विहान
میتھلی شرن گپت	بھارت بھارتی भारत भारती
سری دھر پاٹھک	بھارت گیت भारत गीत
رام نریش ترپاٹھی	"ملن" मिलन "پتھک" पथिक "سوپن" स्वप्न

جذباتی مختلف اقسام کے جذبات کی خوبصورت نقّاشیاں کرنے والے شعراء میں جنھیں خصوصیت حاصل ہے وہ ہری بھاؤ اوپادھیا ۔ سیارام ۔ شرن گپت اور گروبھگت سنگھ ہیں۔

اشتراکیات روس کے مشہور ومعروف مسئلہ بالشوازم کے اثرات کم وبیش تمام عالم میں پہنچے ۔ ہندوستان میں بھی بہت سے لوگ اس سے متاثر ہوئے اور وقتاً فوقتاً اِس موضوع پر مضامین حوالۂ قلم ہوئے ۔ بہت سی نظمیں بھی لکھی گئیں۔ جدید ہندی میں جن شعراء نے اپنی طبیعت کے جوہر اس موضوع پر دکھائے اُن میں جگناتھ پرشاد ملند ۔ ہری کرشن پریمی ۔ نوین اور اُدے شنکر بھٹ بہت کامیاب ہوئے ہیں۔

تصوّف عہدِ قدیم کی یادگار میں تصوّف بھی ہے کیونکہ یہ رنگ بھگتی کال ہی میں جماب چکا تھا ۔ لیکن اِن میں اب وہ پُرانا دقیانوسی رنگ نہیں ہے ۔ قدیمی جذبات کو نہایت احتیاط سے نئے خیالات میں ڈھال کر جدّت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ اس موضوع پر نظم لکھنے والوں میں سمترا نندن پنتھ ۔ نرالا ۔ رام کمار ورما ۔ مہا دیوی ورما ۔ رام ناتھ سومن ۔ راما شنکر ہر دلے وغیرہم نے اچھی مہارت پیدا کی ہے ۔ تصوّف کے ساتھ ساتھ مندرجہ بالا شعراء نے دیگر موضوعات پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ اِن کے علاوہ

اور بھی بہت سے شعراء ہیں جن کی شاعری کا مسلک مختلف ہے۔
یہ بھی واضح رہے کہ ہندوستان میں جس طرح مسلک مختلف ہے
زبانیں بھی مختلف ہیں۔ سنسکرت کے بطن سے تقریباً دو درجن زبانیں
پیدا ہوئیں جن میں شاعری کو خوب پھولنے پھلنے کا موقع ملا۔
یہاں تک کہ کھڑی بولی جسے کبھی شعراء ناپسند کرتے تھے اب
وہ شاعری کی تگ و دو کے لئے اچھا خاصہ میدان تھی۔ اس میں
کوئی شک نہیں کہ کھڑی بولی روکھی پھیکی بے نمک تھی۔ اس
کے کھُردرے پن میں نہ کوئی جاذبیت تھی اور نہ کرختگی میں نزاکت
و لطافت۔ مگر باوجود ان خرابیوں کے جب ہندی شعراء نے
اس کی طرف توجہ کی تو اس کی تمام خرابیاں رفتہ رفتہ دور ہوگئیں۔
اور کڑوی کسیلی زبان میں میٹھے میٹھے بول پیدا ہو گئے۔ جدید
ہندی کو جن شعراء نے اپنی کوششوں سے سنوارا ہے ان میں
سے چند شاعروں کا مختصر ذکر اور نمونۂ کلام ذیل میں درج کیا
جاتا ہے تاکہ ہمیں اس وقت کی شاعری کا اندازہ ہو جائے:۔

اجودھیا سنگھ اُپادھیا

کھڑی بولی کے مشہور و معروف
شاعروں میں بھارتیند و ہرشچیندر
کے بعد اجودھیا سنگھ اُپادھیا کا نام عزت کے ساتھ لیا جاتا
ہے۔ نئی ہندی کے میدان میں سب سے پہلا کارنامہ جو نظر آتا ہے
وہ اُپادھیا جی کی پریہ پرواس ہے۔ اس میں کرشن کی زندگی کے

واقعات پر بڑی خوش اسلوبی سے کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ بھگت کال کے شعراء نے رادھا اور کرشن کے حالات لکھنے میں اپنی طبعی شوخیوں سے جو لغزشیں کی ہیں وہ ان کے یہاں نہیں ہیں۔ ان کے خیالات جس طرح پاکیزہ ہیں اسی طرح زبان بھی پاکیزہ ہے۔ مگر یہ پابہ داس میں سنسکرت کے الفاظ بہت زیادہ استعمال کئے گئے ہیں۔

ان کی دوسری تصنیفات "بول چال" جو کھے چوپدے اور چھتے چوپدے میں بالکل اردو کی طرز پر منجی ہوئی صاف ستھری اور بامحاورہ زبان ہے، ابھی حال میں آپ نے "رس کلس" لکھی ہے۔ یہ کتاب برج بھاشا میں ہے۔ اس میں رت کال کی شاعری کا رنگ ہے۔

(مثال ملاحظہ ہو)

मुकुट था शिर का शिखि पुच्छ का,
अति मनोहर मिडित माधुरी ।
असित रत्न-समान सुरंजिता,
सतत थी जिसकी वर चन्द्रिका ।
(प्रिय प्रवास)

مکٹ تھا شر کا شکھ پچھ کا،
اتی منوہر منڈت مادھری

آست رتن سما ئر بختا
ستت تھی جس کی ورحیندر کا
جس کا تاج مور کے پروں کا بنا ہوا تھا اور اس
کے نشان نہایت خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔
(از "ویدیہ پرداس")
اجودھیا سنگھ اپادھیا۔

बूंद गिरते देखकर यों मत कहो,
आँख तेरी गड़गई या लड़ गई ।
जो समझते ही नहीं तो चुप रहो,
किर किरी इस आँख में है पड़ गई ।
(चौपदों से)

بوند گرتے دیکھ کر یوں مت کہو
آنکھ تیری گڑ گئی یا لڑ گئی
جو سمجھتے ہو نہیں تو چپ رہو
کرکری اس آنکھ میں ہے پڑ گئی
(از چوپدے)

میتھلی سرن گپت

کھڑی بولی کے شعراء میں بہت مشہور ہیں۔
ہندی شاعری کی ترقی کی کوشش میں

بہت کامیاب ہوئے۔ کلام تصوّف آمیز ہونے کی وجہ سے بہت مقبول ہے۔ میتھلی سرن گپت کی تیسری تصنیف "بھارت بھارتی" بطرز مسدس حالی بتائی جاتی ہے۔ اس نظم کے ذریعہ سے قوم کے نوجوانوں میں زندگی کے آثار جوش وخروش اور غیرت ملّی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ فنّی اعتبار سے زیادہ کامیاب نہیں۔ دوسری نظم "چندر رکھ یدھ" ہے۔ اس میں درد و اثر کے ساتھ بہادری کا جذبہ ہے۔ تیسری نظم "ہندو" ہے۔ اس میں گیتا کی مشہور تعلیم دُہرائی گئی ہے۔ چوتھی نظم "پنچ وٹی" یہ بہت اچھی نظم ہے۔ اس میں لچھمن کی سیرت پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ ان تصانیف کے علاوہ تین نظمیں اور بھی قابل ذکر ہیں۔ ساکیت۔ دواپر۔ یشودرا۔ ساکیت میں رام چندر کے مشہور واقعات نہایت عمدہ پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں۔ بعض مقامات پر سیرت نگاری سلیقہ سے کی گئی ہے۔ اس نظم کی ابتدا ذرا چُست نہیں ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس میں تیزی پیدا ہو گئی۔ یہ تصنیف جدید ہندی شاعری میں ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ دواپر یہ اپنے رنگ میں ایک نئے ڈھنگ کی نظم ہے۔ اس میں کرشن کی داستان کے تمام افراد نے اپنی سرگزشت آپ سُنائی ہے جس سے اثر پیدا ہو گیا ہے۔ یشودرا ایدھر کا براگ اور یشودرا کا حال سوز و گداز کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اگر اس نظم میں بیجا طوالت کے بدلے اختصار سے کام لیا گیا ہوتا تو یہ نظم اور بھی بہتر ہوتی۔

میتھلی سرن گپت کے متعلق نقادانہ طور پر یہ کہا گیا ہے کہ انھوں نے مہابیر پرشاد دویدی کی تقلید کرکے اپنی شاعری کو ترقی دی۔ لیکن اس تقلید نے اُن کی زبان کسی قدر سنسکرت آمیز کردی۔ تاہم جدید ہندی کی خدمت سے انکار کی گنجائش نہیں۔ (مثال)

अबला-जीवन हाय ! तुम्हारी यही कहानी—
आँचल में है दूध और आँखों में पानी ।
(यशोधरा से

ابلا جیون ہائے! تمھاری یہی کہانی
آنچل میں ہے دودھ اور آنکھوں میں پانی
(از "یشودھرا")
میتھلی شرن گپت۔

ललित ग्रीवा-भंग दिखलाकर अहा !
उर्मिला ने लक्ष कर प्रिय को कहा —
"और भी तुमने किया कुछ है कभी,
या कि सुग्गे ही पढ़ाये हैं अभी ?"
हार जाते पति कभी पत्नी कभी,
किन्तु वे होते अधिक हर्षित तभी,
प्रेमियों का प्रेम गीतागीत है
हार में जिसमें परस्पर जीत है,
(साकेत से)

للّت گریوا بھنگ دکھلا کر آیا ارملا نے لکشمن کر پریہ کو کہا
اور بھی تم نے کیا کچھ ہے کبھی یا کہ گھُسگتے ہی بڑھائے ہیں ابھی
ہار جاتے جیت کبھی جیتن کبھی کنتو وے ہوتے ادھک ہرشت ابھی
پریمیوں کا پریم گیتا تیت ہے ہار میں جس میں پرس پر جیت ہے
("از ساکیت")

میتھلی شرن گپت۔

گریوا = گردن۔
گیتا تیت = ناقابل۔
پرسپر = باہم۔

सखे तुम जाओ हँसकर भूल,
रहूँ मैं सुधकर के रोती ।
तुम्हारे हँसने में हैं फूल,
हमारे रोने में मोती !
(साकेत से)

سکھے تم جاؤ ہنس کر بھول
رہوں میں سدھ کر کے روتی
تمھارے ہنسنے میں ہیں پھول
ہمارے رونے میں ہیں موتی
(از "ساکیت")

ماکھن لال چترویدی

آپ اخبار کرم ویر کے اڈیٹر ہیں۔ جو کھنڈوا سے نکلتا ہے۔ زمانۂ موجودہ کے اچھے شعرا میں آپ کا شمار ہے۔ آپ کی شاعری قومی جذبات اور وحدانیت سے پُر ہوتی ہے اور تصوّف کی جھلک پائی جاتی ہے۔ گنگا جمنا کے سنگم کی طرح آپ کی شاعری میں حب الوطنی اور تصوّف کے جذبات مدغم ہو گئے ہیں۔ الفاظ اور جذبات نہایت شیریں اور نازک ہوتے ہیں۔ آپ نے کافی تعداد میں نظمیں کہیں لیکن ہنوز کوئی مکمل دیوان یا مجموعہ شائع نہیں ہوا۔ (مثال)۔

वैभव की पनिहारिन आई, द्वारे अमृत पिलाने,
रुठी, दुखित गई, देव ! तुम थे मुझपर दीवाने;
आज शूल की वीर-सेज पर, सोचा काटूँ रातें,
वह आई आशा की डोरी लेकर करने घातें;
बँध मत जाना मेरे जीवन व्रति हो झाँकी झाकूँ।
चले चूर कर मनसूबे अब किन चरणों को ताकूँ।

(तरंग पाश में से)

ویبھو کی پنیہارن آئی دوارے امرت پلانے
روٹھی دُکھیت گئی دیو! تم تھے مجھ پر دیوانے
آج شول کی ویر سیج پر سوچا کاٹوں راتیں
وہ آئی آشا کی ڈوری لے کر کرنے گھاتیں

بندھ مت جانا میرے جیون بال ہو جہاں کی جھانکوں
چلے چور کر منصوبے اب کن چرنوں کو تاکوں
(از ترنگ سیا سمینی)
ماکھن لال چترویدی

وَیبھو = جاہ وجلال۔

جے شنکر پرشاد

بنارس کے رہنے والے تھے۔ اوائل عمر ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ خانگی مصروفیتوں کے باوجود بھی آپ نے جو خدمت ادب ہندی کی کی وہ نہایت قابل قدر ہے۔ آپ نے ہر صنفِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ ایک اچھے شاعر ہونے کے علاوہ آپ ایک اچھے نثار اور ناول نگار بھی ہیں۔ تخیل کی بلندی۔ جذبات کی فراوانی حسن وعشق۔ ہجر وغیرہ آپ کی شاعری کی جان ہیں تصوّف کی جھلک بھی کچھ کچھ پائی جاتی ہے۔ منجملہ دیگر نظموں کے آپ کی نظم "آنسو" "لہر" اور "کامایینی" نہایت مشہور اور مقبول خاص وعام ہوئیں جن میں کامایینی واقعاتی ہے۔
(مثال)

आँसू से भीगे अचंल पर, मन का सब कुछ रखना होगा ।
तुमको अपनी हिम्मत-रेखा से, यह सन्धिपत्र लिखना होगा ।।
(कामायनी ६ सर्ग से)

آنسو سے بھیگے آنچل پر من کا سب کچھ رکھنا ہوگا
تم کو اپنی اِسمِت رکھا سے یہ سندھ پتر لکھنا ہوگا
(از کامائینی)
جے شنکر پرشاد۔
اِسمِت = تبسّم۔ سندھ پتر = صلحنامہ۔

رام نریش ترپاٹھی آپ ضلع جونپور کے رہنے والے ہیں۔ آپ کی شاعری تصوّف سے لبریز اور قومی جذبات سے پُر ہے۔ حق کی تلاش۔ انسانی ہمدردی۔ قومی خدمت آپ کا شعار ہے۔ گو آپ میں شاعری کے عنصر تمام وکمال موجود نہیں ہیں، تاہم اپنی انتھک کوششوں سے زمانۂ حال کے اچھے شعرا میں آپ کا شمار ہے۔ آپ کی مشہور نظمیں ملن۔ پتھک اور سوپن ہیں جو حب الوطنی کے جذبات وخیالات سے پُر ہیں جن میں سے پتھک زیادہ مقبول ہوئی۔ کیونکہ گاندھی جی کے نظریہ کی تائید کی گئی ہے۔ (مثال)

जाना नहीं चाहता हूँ क्षण भर को भी मैं जग में।
चलता रहूँ यही इच्छा है सदा प्रेम के मग में।
यह इच्छा है नदी और नालों का वेश धरूँगा।
गाता हुआ गीत मस्ती से पर्वत से उतरूँगा।

جانا نہیں چاہتا ہوں چھن بھر کو بھی مَیں جگ میں
چلتا رہوں یہی اِچّھا ہے سدا پریم کے مگ میں

یہ اچھا ہے ندی اور نالوں کا ولیش دھروں گا
گاتا ہوا گیت مستی سے پروت سے اتروں گا
(از پتھک)
رام نریش تریاٹھی

چھنٹر = لمحہ۔ مگ = راستہ۔ ولیش = بھیس۔

جگنّاتھ داس رتناکر برج بھاشا کے شاعروں میں رتناکر کو خاص مقبولیت حاصل ہے۔ ان کی نظم ہریش چندر کی عام طور پر تعریف کی جاتی ہے۔ گنگا اترن بھی اچھی نظم ہے۔ اس میں فطرت کی گلکاریوں کو سراہا گیا ہے۔ ان کے خیالات میں علم النفس کو بھی دخل ہے اور ان کی زبان بدیاکر کی زبان سے ملتی جلتی ہے۔ آپ کی ادھوشناگ سادگی، سلاست اور ترنّم کی اچھی مثال ہے۔

छोभ-छलक ह्वै गई प्रेम की पुलक अंग मैं।
थहरनि के ढरि ढंग परे उछरति तरंग मैं।
भयो बेग उद्वेग पैंग छाती पर धरकी।
हरहरान धुनि विघटि सुरट उघटी हरहर की।
(गंगावतरण से

(ان اشعار میں برج بھاشا میں گنگا کی تیزی سے آنے کا ذکر کیا گیا ہے)۔
چھوب چھلک ہوئے گئی پریم کی پلک انگ میں
تھرن کے ڈھر ڈھنگ پرے اچھرت ترنگ میں

بھیّو بیگ اُدویَت بینیگ چھاتی پر دھر کی
ہر ہر ان دُھن وگھٹ شرٹ اُگھٹی ہر ہر کی
(از گنگا ر ترن)
(جگنّاتھ داس رتناکر)

پنڈت ناتھو رام شرما

جدید ہندی زبان میں ان کی شاعری صاف ستھری اور سادگی کی وجہ سے دلکش ہوتی ہے۔ سنسکرت کے ثقیل الفاظ استعمال کر کے زبان کو مشکل نہیں بناتے بلکہ اُس سے بجائے آسان بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انھیں اپنے اس ادبی طریقۂ کار میں خاص ملکہ حاصل ہے۔ شاعری کی مقبولیت کا بہت بڑا راز زبان کی سلاست میں ہوتا ہے۔ جو لوگ زبان میں خواہ مخواہ شکوہ و جبروت پیدا کرنے کیلئے شاندار الفاظ استعمال کرتے ہیں وہ اکثر زبان کی پاکیزگی سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ شاعری میں لطف تو جب ہی ہے کہ سادے سادے لفظ اپنے محل پر اس طرح لائے جائیں جیسے نگینہ ڈاک پر رکھنے سے چمک اُٹھتا ہے۔ جن لوگوں نے زبان کی سادگی کو اپنا شیوہ بنا لیا ہے اُن کے خیالات کتنے ہی سطحی کیوں نہ ہوں، کلام ان کا مقبول ضرور ہوتا ہے۔ ایسے شاعروں کی مثال قریب قریب ہر زبان میں ملے گی۔ پنڈت ناتھو رام شرما سادہ اور شستہ زبان کے پرستار ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کی نظموں میں روانی اور شعریت ہوتی ہے۔ (امثال)۔

नाथूराम 'शङ्कर'

गुरु गौरव-हीन कुचाल चलें, मत-भेद प्रसाद प्रपंच रचे।
दिन रात मनोमुख मूढ़ लड़े चहुँ ओर घने घमसान मचें।
व्रत साधन के मिस पाप करें हठ छोड़ न हाय! लबार लचें।
कवि शंकर मोह महासुर से विरले जन पाय विवेक बचें।
(प्रशस्त पाठ)

گُرُ گَورَوہین کچال چلیں مت بھید پرساد پرپنچ رچیں
دن رات منومکھ موڑھ لڑیں چھوں اور گھنے گھمسان مچیں
ورت سادھن کے مس پاپ کریں ہٹ چھوڑ ہائے لوار لچیں
کوِ شنکر موہ مہاسُر سے ورلے جن پائے بویک بچیں
(از "پرشست پاٹھ")
ناتھورام شنکر

دیوگی ہری اُنھیں بھی برج بھاشا کے مشہور شعرا میں نمایاں جگہ دی جاتی۔ ان کے تخیئل میں فلسفیانہ نزاکتیں پائی جاتی ہیں۔ مگر پُرانے شعرا کی طرح اکثر و بیشتر شجاعت کی تعریف کی ہے۔ انھوں نے ویر رس کو برج بھاشا کے نئے پیمانوں میں ڈھالا ہے۔ اوائل عمر ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا۔ ابتدائی کلام پُرانے بھگتوں کے طرز پر ہے۔ آپ کی مشہور تصانیف پریم شتک۔ پریم پتھک اور ویر ست سئی وغیرہ ہیں۔ ویر ست سئی میں ویر رس کے دوہے ہیں جو برج بھاشا کے لئے ایک نئی شئے ہے۔ اِن

دوہوں میں اکثر قدیم ہندی شعرا کے خیال کی ترجمانی کی گئی ہے۔ ویر رس کے لیئے دوہے کی بحر ناکافی ہے۔ اس لیئے یہ اس میں زیادہ کامیاب نہیں ہوئے۔ آپ کی تصنیف پر انھیں ہندی ساہتیہ سمیلین سے بارہ سو روپیہ کا انعام عطا ہوا۔ (مثال)۔

कादर तो जीवत मरत दिन मे बार हजार ।
प्रान पखेरू वीर के उड़त एक ही बार ।
(वीर सतसई)

کادر تو جیوت مرت دن میں بار ہزار
پران پکھیرو ویر کے اُڑت ایک ہی بار
(ویر ست سئی)
دیوگی ہری

کادر ۔ یعنی بُزدل۔

ست نرائن

آپ کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ بی۔ اے تک انگریزی تعلیم بھی حاصل کی۔ سادگی پسند تھے۔ برج بھاشا پر آپ کو پورا عبور حاصل تھا۔ برج بھاشا کے علاوہ آپ نے کھڑی بولی میں شاعری کی ہے۔ آپ کی شاعری یاس و حرماں کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ قومی جذبات سے بھی متاثر نظر آتے ہیں۔ برج بھاشا میں قومی جذبات کا فقدان تھا۔ آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے قومی جذبات مکمل طور سے برج بھاشا میں داخل کیئے۔ بعض ادیبوں کا خیال ہے کہ آپ برج بھاشا کے آخر شاعر ہیں۔ (مثال)۔

सत्यनारायण कविरत्न

झूमत ज्यों मतवारो मतंग,
सो प्रेम की बेलि को होय न चेरो।
ज्ञान को आँकुस मानत ना,
मनमोह कुपंथ सों जान न फेरो।
सत्य जितै ही तितै चलि जात है,
ठीक न ठाक कछू यह केरो।
कै करुणा करि बाँह गहो,
कि कहो करुणानिधि नाम न मेरो।

جھومت جیوں متوار متنگ سو پریم کی بیل کو ہوئے نہ چیرو
گیان کو آنکس مانت نا من موہ کوپنت سوں جان نہ پھیرو
ست جتے ہی تتے چل جات ہے ٹھیک نہ ٹھاک کچھو یہ کیرو
کے کرونا کر باںہہ گہو کہو کرونا ندھی نام نہ میرو
(از ست نرائن)

چیرو = شاگرد۔ چیلا۔ کرونا = مہربانی۔
کوپنت = بُرا راستہ کرونا ندھی = مہربانی کا خزانہ۔

پنڈت گیا پرشاد شکل سینہی ان کی شاعری کا مقصد اور موضوع عموماً قومی اصلاح و ترقی سے والبستہ رہتا ہے۔ سماجی زندگی کو سُدھارنے میں ان کی فکر سماج سے خراج تحسین پانے کی مستحق ہے۔ سینہی کے کلام میں کہیں کہیں عشقیہ رنگ بھی پایا جاتا ہے جس میں ہلکی

ہلکی سی شانِ تغزّل ہوتی ہے۔ ان کی زبان جدید ہندی ہے جو نہایت سلیس اور شُستہ ہے۔ پنڈت ناتھورام کی طرح یہ بھی سنسکرت کے ادق الفاظ سے بچتے ہیں اور لالہ بھگوان دین کی طرح جدید ہندی کو دلچسپ اور اپنے کلام کو عام فہم بنانے کے لئے اُردو کی آمیزش سے کام لیتے ہیں بلکہ موقع موقع سے فارسی کے آسان اور زبان پر چڑھے ہوئے الفاظ بھی بہت خوبصورتی سے استعمال کر جاتے ہیں۔

پنڈت سینہی کا یہ حسنِ عمل کھڑی بولی کے لئے نہایت عمدہ اور دوسروں کے لئے قابلِ تقلید ہے۔

کھڑی بولی کو بنانے اور سنوارنے میں اُردو کا آئینہ بہت کام دے گا۔

सनेही

नरपति सुत होके यों उदासी बनेगी,
यह खबर किसे थी दैव ऐसा तनेगा।
पल-पल भर में ही थी उसे देख लेती,
उस पर अपना मैं वार सर्वस्व देती।

نرپت سُت ہو کے یوں اُداسی بنے گا ـــــ یہ خبر کسے تھی دیو ایسا تنے گا
پَل پَل بھر میں ہی تھی اُسے دیکھ لیتی ـــــ اس پہ اہی میں اپنا وار سروس دیتی

(از کوشلیا ولاپ)
گیا پرشاد شکل سنیہی

نرپت = بادشاہ۔ سُت = لڑکا۔ سروس = سب کچھ۔

گوپال سرن سنگھ

آپ کا وطن ریاست ریواں ہے۔ ریاست کے اوّل درجہ کے جاگیر دار ہیں۔ شعر و سخن کا شوق اوائل عمر ہی سے تھا۔ پہلے برج بھاشا میں شاعری کی اور اب کھڑی بولی کے مستند شعرا میں آپ کا شمار ہے۔ آپ قدامت پسند ہیں۔ اس لئے خیالات قدما سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ آپ نے اپنی ذہانت اور طباعی سے پُر اپنے خیالات کو نئے سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے اور ایک حد تک کامیاب ہیں۔ آپ کی شاعری آسان۔ عام فہم۔ شیریں اور جذبات سے پُر ہے۔ آپ کی شاعری باوجودیکہ کھڑی بولی میں ہے لیکن چونکہ پہلے مشق سخن برج بھاشا میں جاری تھی اس لئے کچھ کچھ جھلک برج بھاشا کی پائی جاتی ہے۔ اپنی شاعری میں زیادہ تر کوِت اور سویّا بحر استعمال کرتے ہیں۔ (مثال)

मैंने कभी सोचा वह मंजुल मयंक में है,
देखता इसी से उसे चाव से चकोर है,
कभी यह ज्ञात हुआ, वह जलधर में है
नाचता निहार के उसी को मंजुमोर है।
कभी यह हुआ अनुमान, वह फूलमें है,
दौड़ कर जाता भृङ्ग-वृन्द उस ओर है।
कैसा अचरज है, न जान पाया मैंने कभी
मेरे चित्त में ही छिपा मेरा चित्त चोर है।

गोपालशरण सिंह

میں نے کبھی سوچا وہ منجل مینک میں ہے
دیکھتا اسی سے اُسے چاؤ سے چکور ہے
کبھی یہ گیات ہوا وہ جل دھر میں ہے
ناچتا نہار کے اُسی کو منج مور ہے
کبھی یہ ہوا انمان وہ پھول میں ہے
دوڑ کر جاتا بھرنگ ورند اُس اور ہے
کیسا اچرج ہے نہ جان پایا میں نے کبھی
میرے چت میں ہی چھپا میرا چت چور ہے
(از گوپال سرن سنگھ)

مینک = چاند۔ جلدھر = بادل۔ منج = خوبصورت۔
انمان = اندازہ۔ بھرنگ ورند = بہت سے بھونرے

गोपालशरण सिंह

खिलती हैं चम्पक-कलियाँ
जलती हैं दीप शिखायें।
कोमल गुलाब के दल पर
होती हैं प्रेम-कथायें।

کھلتی ہیں چمپک کلیاں جلتی ہیں دیپ شکھائیں
کومل گلاب کے دَل پر ہوتی ہیں پریم کتھائیں
(از گوپال سرن سنگھ)

چمپک = چمپا دیپ شکھا = چراغ کی لو دل = پتّا

گرُبھگت سنگھ

آپ کا تخلص بھگت ہے۔ قدرتی مناظر کی تصویر کشی آپ کے قلم کی خاص روش ہے۔ آپ کی مخصوص تصنیفات ہیں:—

کُسُم کُنج۔ نَرَس سُمن۔ چَیلا اور نور جہاں بہت شہرت پذیر ہیں اور تصنیفات مذکورہ میں نور جہاں کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔ اس کے فن شاعری کا تمام کمال اسی تصنیف سے ظاہر ہوتا ہے۔ زبان سہل اور عام فہم ہے۔ نور جہاں کے سبق آموز حالات زندگی لکھنے میں کردار نویسی کی پوری پوری داد دی ہے۔

यकायक छाया नखलिस्तान।
डूबतों न पाया जलयान।
खजूर खड़े थे ज्यों मस्तूल।
पथिक लख, गये हर्ष से फूल।
पाल से पत्ते लहराते।
हवा में उड़ते दिखलाते।

یکایک آیا نخلستان ڈوبتوں نے پایا جلیان
کھجور کھڑے تھے جوں مستول پتھک لکھ گئے ہرش سے پھول
پال سے پتّے لہراتے ہوا میں اُڑتے دکھلاتے
(از "نور جہاں")

جلیان = پانی کی سواری ہرش = خوشی

पर नारी के घर में घुसना, पति का खून बहाने।
फिर भी अपने को सलीम कह, आया मुँह दिखलाने।
रुको वहीं, उलटे पावों तुम फ़ौरन वापिस जाओ।
होकर कौन, चले क्या करने, जरा शर्म तो खाओ।

(नूरजहाँ से)

پر ناری کے گھر میں گھسنا پت کا خون بہانے
پھر بھی اپنے کو سلیم کہہ، آیا مُنہ دکھلانے
رُکو وہیں، اُلٹے پاؤں تم فوراً واپس جاؤ
ہوکر کون، چلے کیا کرنے، ذرا شرم تو کھاؤ

(از نور جہاں)

گوربھگت سنگھ

نرالا — پہلے سنسکرت اور بنگلہ میں شعر کہتے تھے بعد میں ہندی ہی سے دلچسپی ہوئی اور اسی زبان میں شاعری کرنے لگے۔ بچپن سے فلسفیانہ خیالات رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں فلسفہ بہت کافی پایا جاتا ہے۔

سنسکرت کے الفاظ استعمال کرنے کے باوجود بھی آپ کی زبان زیادہ مشکل نہیں ہے۔ قیود شاعری سے آزاد ہوکر اُن کی شاعری ترنّم آمیز ہے۔ حالی کی طرح آپ نے بلینک ورس کے قسم کی شاعری خوب کی ہے۔ (مثال)

दो टूक कलेजे करता पछताता पथ पर आता ।
साथ दो बच्चे भी हैं सदा हाथ फैलाये,
बायें से वे मलते हुये पेट को चलते,
और दाहिना दया-दृष्टि पाने की ओर बढ़ाये ।
भूख से सूख ओठ जब जाते,
दाता—भाग्य विधाता से क्या पाते ?
घूँट आँसों के पी कर रह जाते,
चाट रहे जूठी पत्तल वे कभी सड़क पर खड़े हुये ।
और झपट लेने को उनसे कुत्ते भी हैं अड़े हुये ।

'भिक्षुकशीर्षक कविता से'

دو ٹوک کلیجے کے کرتا پچھتاتا پتھ پر آتا
ساتھ دو بچے بھی ہیں سدا ہاتھ پھیلائے
بائیں سے وے ملتے ہوئے پیٹ کو چلتے
اور داہنا دیا درشٹ پانے کی اور بڑھائے
بھوک سے سوکھ ہونٹ جب جاتے
داتا بھاگ ودھاتا سے کیا پاتے
گھونٹ آنسوؤں کے پی کر رہ جاتے
چاٹ رہے جھوٹی پتل وے کبھی سڑک پر کھڑے ہوئے
اور جھپٹ لینے کو ان سے کتے بھی ہیں اڑے ہوئے

(بھکشک)
(نرالا)

तुम मृदु मानस के भाव और मैं मनोरंजिनी भाषा।
तुम नन्दन-वन-घन-विटप और मैं सुख शीतलतलशाखा।
तुम प्राण और मैं काया,
तुम शुद्ध सच्चिदानंद ब्रह्म,
मैं मनो मोहिनी माया।

'तुम और मैं' कविता से

تم مردو مانس کے بھاؤ اور میں منورنجنی بھاشا
تم نندن ون گھن وٹپ اور میں سکھ سیتل ساکھا
تم پرانڑ اور میں کایا
تم شدّھ سچّدانند برہم میں منوّر موہنی مایا

مطلب :- تم دل کے شیریں جذبات اور میں شیریں زبان
تم اندر کے باغ کے درخت ہو اور میں اس کی شاخیں
تم اگر جان ہو تو میں جسم ہوں
اگر تم خالق ہو تو میں خلق کا جوہر

(تم اور میں)
"نرالا"

سیارام سرن گپت | ان کے پاکیزہ جذبات میں قومی درد شامل ہے۔ خاکستر میں دبی ہوئی آگ جب ہوا پاتی ہے تو بھڑک اٹھتی ہے۔ سماج زندگی کی دردناک تصویر کشی میں انھیں ملکہ حاصل ہے۔

ان کی اکثر نظم تڑپتے ہوئے دل کی آواز ہے جس کے لئے اثر لازمی ہے۔ قومی اور تمدنی جذبات کو بہت بہتر نظم کیا ہے۔ (مثال)

सियारामशरण गुप्त

[illegible] भोग कर जब मैं छूटा,
पैर न उठते थे घर को।
पीछे ठेल रहा था कोई,
भय जर्जर तनु पंजर को।
पहले की-सी लेने मुझको
नहीं दौड़ कर आई वह।
उलझी हुई खेल में ही, हा।
अब की दी न दिखाई वह।
(एक फूल की चाह)

ڈنڈ بھوگ کر جب میں چھوٹا | پیر نہ اٹھتے تھے گھر کو
پیچھے ٹھیل رہا تھا کوئی | بھیتے جرجر تن پنجر کو
پہلے کی سی لے نے مجھ کو | نہیں دوڑ کر آئی وہ
اُلجھی ہوئی کھیل میں ہی ہا | اب کی دی نہ دکھائی وہ

ڈنڈ = سزا | (ایک پھول کی چاہ)
ڈر جرجر تن پنجر = ڈر سے کمزور جسم | "از سیارام سرن گپت"

ان کا شمار دور جدید کے مشہور شعراء میں کیا جاتا ہے۔ ان کے کلام کی شستگی سے معلوم	پنڈت سمترا نندن پنت

ہوتا ہے کہ انھوں نے زبان کو کہاں تک دھویا ہے۔ ان کے دو قلمی شاہکار "دیلو"، گنجن بہت کامیاب ہیں تخلیل کی بلندی کے ساتھ ساتھ نزاکت و لطافت بھی کافی ہے۔ خیالات کی باریکی اور زبان کی نیرنگی کا توازن اُن کے کلام کی خوبی ہے۔ ان دو شاہکار کے علاوہ اور بہت سی ایسی نظمیں ہیں جن میں فطرت کے مختلف مناظر کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ زبان نرم اور ترنم آمیز ہے۔ یہ کھڑی بولی کو سدھارنے میں بہت کامیاب ہوئے۔ (مثال)

हाँ सखि ! आओ, बाँह खोल, हम,
लगकर गले जुड़ालें प्राण।
फिर तुम तम में, मैं प्रियतम में,
हो जावें द्रुत अन्तर्धान।

'छाया' से

ہاں سکھی آؤ بانہہ کھول ہم — لگ کر گلے جڑالیں پرانڑ
پھر تم تم میں میں پیتم میں — ہو جاویں درُت انتر دھان

تم = اندھیرا — دُرُت = جلد — انتر دھان = مدغم ہو جانا

("انہ جہایا")

चिर जन्म मरण को हँस हँस कर,
हम आलिंगन करतीं पल पल,
फिर फिर निस्तल से उठ-उठ कर,
फिर फिर उसमें हो-हो ओझल,

'लहरों का गीत'

پُرَ چیتم مَرَن کو ہنس ہنس کر ہم النگن کرتیں پل پل
پھر پھر لیش تل سے اُٹھ اُٹھ کر پھر پھر اس میں ہو ہو او جھل

(لہروں کا گیت)

پُرچھ = قدیم لنگن کرنا = لپٹانا لیش تل = نیچے کی سطح

سوبھدرا کماری چوہان

آپ کھنڈوا (سی۔پی) کے رہنے والے ٹھاکر لچھمن سنگھ چوہان کی اہلیہ ہیں۔ ہندوستان میں جب حب الوطنی کی لہریں پیدا ہوئیں تو یہ بھی متاثر ہوئیں۔ آپ کی شاعری میں وطنی جوش و خروش اور پاکیزہ محبت کا حصہ بہت نمایاں ہے۔ ان کی تصنیفات آسان ہوتی ہیں۔ زبان عام فہم ہے۔ جھانسی کی رانی، لکشمی بائی کی تعریف میں جو نظم لکھی وہ بہت مقبول ہوئی۔ مکل اور تر دھارا آپ کی نظموں کے مجموعے ہیں۔ (مثال)

मैं बचपन को बुला रही थी, बोल उठी बिटिया मेरी।
नन्दनवन सी फूल उठी यह छोटी सी कुटिया मेरी।
'माँ ओ' कह कर बुला रही थी, मिट्टी खाकर आई थी।
कुछ मुँह में, कुछ लिये हाथ में, मुझे खिलाने आई थी।
पाया मैंने बचपन फिर से, बचपन बेटी बन आया।
उसकी मंजुल मूर्ति देखकर, मुझमें नव जीवन आया।
मैं भी उसके साथ खेलती, खाती हूँ तुतलाती हूँ।
मिलकर उसके साथ स्वयं मैं भी बच्ची बन जाती हूँ।

'मेरा नया बचपन' से

میں بچپن کو بلا رہی تھی بول اُٹھی بٹیا میری
نندن بن سی پھول اٹھی یہ چھوٹی سی کٹیا میری
ماں او کہہ کر بلا رہی تھی مٹی کھا کر آئی تھی
کچھ منہ میں کچھ لئے ہاتھ میں مجھے کھلانے آئی تھی
پایا میں نے بچپن پھر سے بچپن بیٹی بن آیا
اس کی بھولی مورت دیکھ کر مجھ میں تو جیون آیا
میں بھی اس کے ساتھ کھیلتی ۔ کھاتی ہوں تتلاتی ہوں
مل کر اس کے ساتھ سوئیم میں میں بھی بچی بن جاتی ہوں
(میرا نیا بچپن)

ठुकरा दो या प्यार करो

पूजा और पुजापा प्रभुवर, इसी पुजारिन को समझो।
दान दक्षिणा और निछावर इसी भिखारिन को समझो।
चरणों पर अर्पित है इसको, चाहो तो स्वीकार करो।
यह तो वस्तु तुम्हारी ही है, ठुकरा दो या प्यार करो।
मुकुल से

پوجا اور پجاپا پربھو ور اسی پجارن کو سمجھو
دان دکچھنا اور نچھاور اسی بھکارن کو سمجھو
چرنوں پر ارپت ہے اس کو چاہو تو سویکار کرو
یہ تو وستو تمھاری ہی ہے ٹھکرا دو یا پیار کرو

مہادیوی ورما ایم۔اے

آپ پریاگ مہلاودیا پیٹھ کی پرنسپل ہیں۔ آپ کے گیتوں میں تصوف کا رنگ غالب ہے۔ مجاز سے حقیقت کی طرف جاتی ہیں۔ آپ کے قلم کی رفتار بہت کامیاب ہے۔ خیالات وجذبات درد انگیز اور ترنم آمیز ہوتے ہیں۔ مناظر قدرت کو الفاظ کا جامہ پہنانے میں آپ کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ جس کا بہترین نمونہ "ساندھیہ گیت" میں ہے جو اپنا جواب آپ ہے۔ اس تصنیف کے علاوہ ان کے ہندی گیتوں کے مجموعے "نیہار" "رشمی" "نیرجا" وغیرہ ہیں۔ ہندی فن شاعری میں استادانہ کمال رکھتی ہیں۔ ان کو شاعری مجسمہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ عہد حاضرہ کی مشہور و لائق شاعرہ سبھدرا کماری چوہان کے بعد صنف نازک میں آپ کا نمبر اوّل ہے اور ہندی ادب کو انھیں ہستیوں پر ناز ہے۔ آپ کی مندرجہ ذیل نظم "پریچیہ" یعنی تمہید کا انتخاب درج کیا جاتا ہے جس میں اردو عروض کے مطابق مطلع بحر وزن و قافیہ سب موجود ہے اور سب کی پابندی کی گئی ہے:۔

रजनी ओढ़े जाती थी, झिलमिल तारों की जाली।
उसके बिखरे वैभव पर जब रोती थी उजियाली।
मेरी आहें सोती हैं, इन ओठों की ओटों में।
मेरा सर्वस्व छिपा है, इन दीवानी चोटों में।
चिन्ता क्या है निर्मम! बुझ जाये दीपक मेरा।
हो जायगा तेरा ही, पीडा का राज्य अँधेरा।

'मेरा राज्य' गीत से

رجنی اوڑھے جاتی تھی جھلمل تاروں کی جالی
اس کے بکھرے ویبھو پر جب روتی تھی اجیالی
میری آہیں سوتی ہیں ان اوکھوں کی اوٹوں میں
میرا سروسو چھپا ہے ان دیوانی چوٹوں میں
چنتا کیا ہے ہے نرمم بجھ جائے دیپک میرا
ہوجائے گا تیرا ہی پیڑا کا راج اندھیرا

ویبھو = جاہ وجلال
سروسو = سب کچھ
نرمم = بے رحم
پیڑا = ٹیس

کنور رام دھاری سنگھ دنکر

بہار کے رہنے والے نوعمر شاعر ہیں اور ماشاءاللہ ابھی سے ایسے اچھے پہلو نمایاں کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ اُٹھان اچھی ہوگی۔ آپ کی شاعری نہایت شیریں اور شستہ ہے۔ آپ کا اسلوب دیدہ زیب ہے اور طرز ادا نہایت دل کش ہے۔ ہندوستان کی قدیم تہذیب کے دلدادہ ہیں اور ملک و قوم کی موجودہ ابتری سے متاثر ہوکر خود بھی روتے ہیں اور دوسروں کو بھی رلاتے ہیں۔ آپ کی نظموں کا مجموعہ "رینوکا" کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔

सलिल कण हूँ कि पारावार हूँ मैं,
स्वयं छाया स्वयं आधार हूँ मैं।
बँधा हूँ स्वप्न हूँ छोटा बना हूँ;
नहीं तो व्योम का विस्तार हूँ मैं।
जलन हूँ, दर्द हूँ दिल की कसक हूँ,
किसी का हाय खोया प्यार हूँ।
गिरा हूँ भूमि पर नन्दन-विपिन से,
अमर-तरु का सुमन सुकुमार हूँ मैं।
मुझे क्या गर्व हो अपनी विभा का,
चिता का धूलि कण हूँ क्षार हूँ मैं।
पता मेरा तुझे मिट्टी कहेगी,
समा जिसमें चुका सौ बार हूँ मैं।
न देखे विश्व पर मुझको घृणा से;
मनुज हूँ सृष्टि का शृंगार हूँ मैं।
पुजारिन धूलि से मुझको उठाले।
तुम्हारे देवता का हार हूँ मैं।

سلل کن ہوں کہ پاراوار ہوں میں
سویم چھایا سویم آدھار ہوں میں
بندھا ہوں سوپن ہوں چھوٹا بنا ہوں
نہیں تو ویوم کا وستار ہوں میں
جلن ہوں درد ہوں دل کی کسک ہوں
کسی کا ہائے کھویا پیار ہوں میں

گرا ہوں جھوم پر تندن وپن سے
امر ترو کا سمن سُکمار ہوں میں
مجھے کیا گرو ہو اپنی وِبھا کا
چیتا کا دھول کن ہوں چھار ہوں میں
پتہ میرا تجھے مٹی کہے گی
سما جس میں چُکا سو بار ہوں میں
نہ دیکھے وشو پر مجھ کو گھرڑاں سے
منج ہوں سرسٹ کا سر نگار ہوں میں
پجارن! دھول سے مجھ کو اُٹھا لے
تمھارے دیوتا کا ہار ہوں میں

بچن ان کا نام ہربنس رائے ہے۔ الہ آباد کے رہنے والے ہیں۔ آپ کو ہندی کا عمر خیام کہا جاتا ہے۔ آپ ہندی میں ایک نئی قسم کی شاعری کے موجد ہیں جسے "مدھوشالہ واد"
(मधुशाला वाद)
(خمریات) کہتے ہیں۔ زبان نہایت سلیس اور شستہ ہے۔ خیالات اتنے گہرے نہیں ہوتے کہ سمجھنے میں دشواری ہو۔ جگرؔ مرادآبادی اور ریاضؔ خیرآبادی کی طرح ان کے یہاں بھی شراب اور ساقی کی کمی نہیں ہے۔ ان کی اس طرز سے اکثر لوگوں نے اختلاف بھی کیا مگر یہ اپنے رنگ کے بڑے پکے۔ نہایت پختہ ہیں۔ کلام چونکہ عام طور پر بہت دلچسپ ہوتا ہے۔ لہذا

نوجوانوں کا ایک بڑا طبقہ انھیں بہت پسند کرتا ہے۔ ان کی مخصوص تصنیفات "مدھ شالہ" (मधुशाला) (بمعنی مے خانہ) "مدھ بالا" (मधुबाला) (بمعنی ساقی) "مدھ کلش" (मधुकशल) (بمعنی خم) اور ترانہ مشہور ہیں۔

सूर्य बने मधु का विक्रेता, सिन्धु बने घट जलहाला,
बादल बन-बन आये साकी, भूमि बने मधुका प्याला।
झड़ी लगाकर बरसे मदिरा, रिमझिमरिमझिमरिमझिम कर,
बेलि विटप-तृण बन मैं पीऊँ, वर्षा ऋतु हो मधुशाला।

'मधुशाला से'

سوریہ بنے مدھو کا وکریتا، سندھ بنے گھٹ جل ہالا
بادل بن بن آئے ساقی، بھوم بنے مدھ کا پیالا
جھڑی لگا کر برسے مدرا، رم جھم رم جھم رم جھم کر
بیل وٹپ ترنڑ بن میں پی لوں برشا رت ہو مدھ شالا

وکریتا = بیچنے والا
سندھ = سمندر
گھٹ = خم
ہالا = شراب
وٹپ = پیڑ
ترنڑ = تنکا
مدھ شالا = میخانہ

मुसलमान औ हिन्दू हैं दो, एक मगर उनका प्याला,
एक मगर उनका मदिरालय, एक मगर उनकी हाला,
दोनों रहते एक न जब तक, मन्दिर मसजिद में जाते;
लड़वाते हैं मन्दिर मसजिद मेल कराती मधुशाला,
(मधुशाला से)

مسلمان اور ہندو ہیں، دو ایک مگر اُن کا پیالا
ایک مگر اُن کا مدرالیہ ایک مگر اُن کی ہالا
دونوں رہتے ایک نہ جب تک مندر مسجد میں جاتے
لڑواتے ہیں مندر مسجد میل کراتی مدھشالا

مدرالیہ = شراب خانہ۔

ہندی کے ادبی ادارے
ناگری پرچارنی سبھا کاشی

ناگری پرچارنی سبھا ہندوستان کی اُن چند جماعتوں میں ہے جن کا ملک میں کافی نام ہے اور جس کو اہل ہنود نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ سبھا ہندی کی ممتاز خدمت میں ہندوستان کی کسی ادبی جماعت یا انجمن سے کم نہیں۔ ہر صنف میں ہندی ادب کی تصنیف و

تالیف اور طباعت و اشاعت اس کا اونتیس سالہ کارنامہ ہے۔ اپنی انتھک کوششوں کے باعث اس نے ہندی زبان کی زبردست خدمت کی ہے اس وجہ سے سرکار دربار اور عوام میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ یہ انجمن کے کاربرداران اور متعلقین کی محنت کا ثمرہ ہے کہ اس انجمن نے اتنی قلیل مدت میں اس قدر ترقی حاصل کی۔ ہندی ادب نے اونتیس سال میں جو ترقی کی ہے گویا یہ اسی انجمن کی ترقی ہے۔ اب سے اونتیس برس پہلے بھارت اندو بابو ہریشچندر کے انتقال کے نو برس بعد اور کانگرس کے وجود کے پانچ سال بعد ۱۶ر جولائی ۱۸۹۲ء کو یہ سبھا وجود میں آئی۔ اس کی غرض ہندی زبان کی ترقی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ انگریزی داں حضرات ہندی پڑھنے سے ناک بھوں چڑھاتے تھے۔ چنانچہ ان حالات میں انگریزی اسکولوں اور دیسی مدرسوں میں ایسے اساتذہ کا قحط تھا جو ہندی زبان پڑھا سکتے یا اس کی ترقی کے لئے قدم بڑھا سکتے۔ مگر یہ سبھا اپنا کام کئے بغیر نہ رہی۔ اس کے سب سے پہلے معاونین بابو شام سندر داس بی۔ اے۔ پنڈت رام نرائن مصر اور ٹھاکر شیو کمار تھے جو ایک ع۔ م مستقل لے کر ہندی کی امداد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی انتھک کوششوں میں کامیاب ہونے لگے۔ ایسے لوگ جو دامے درمے اس انجمن کی مدد کر سکے اس میں شامل ہونے سے گریزاں تھے۔ وہ بھی رفتہ رفتہ اراکین انجمن کی کوششوں سے انجمن کے ممبر ہوتے گئے۔ پنڈت امبکا دت ویاس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ زبردستی

ایک جلسہ میں بلائے گئے۔ بابو ہریش چندر کے برادر خورد بابو رادھا کرشن داس ۷ ار فروری ۱۸۹۳ء کو اس انجمن کے صدر مقرر ہوئے۔ سبھا کے لئے ایک قیام گاہ اور روپیہ کی سخت ضرورت تھی۔ صدر موصوف نے نہایت جانفشانی سے اس ضرورت کو پورا کیا۔ بہت سی کتابیں بھی مہیا کیں۔ یہ آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ ہندی کے زبردست ادیب رائے بہادر پنڈت لچھمی شنکر مصرا، بابو اندر نرائن سنگھ جگن ناتھ رتناکر، بابو رام کرشن ورما، پنڈت کشوری لال گوسوامی، بابو کارتک پرشاد کھتری، بابو دیوکی نندن کھتری، ٹھاکر گدادھر سنگھ اس انجمن کے ممبر ہو گئے۔ اور اب یہ انجمن نہایت زوروں پر اپنے مقصد کی کامیابی کے لئے گامزن ہو گئی۔ سب سے پہلے جلسے کے صدر رائے بہادر پنڈت لچھمی شنکر مصرا بنائے گئے اور بابو شیام سندر داس سکریٹری مقرر ہوئے جو عرصہ تک اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ پہلے جلسے میں بہت سے ادبی مضامین پڑھے گئے جس میں بابو رادھا کرشن داس کا ناگری داس پر ایک مضمون تھا جس کی تعریف بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی میں بھی کی گئی۔

چونکہ اس سبھا کے کارکنان کا مقصد اعلیٰ تھا جس کسی کام کے لئے قدم اٹھایا ان میں کامیابی ہی نظر آئی۔ بہت سے ایسے قلمی نسخے جو مخصوص حضرات کے قبضے میں تھے انھیں اس انجمن نے نہایت کوشش سے حاصل کیا اور طبع کرایا تاکہ تمام ملک اس سے مستفید

ہو۔ بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی اُتّر پردیش و پنجاب کی حکومت سنسکرت کی کتابوں کی تلاش و حفاظت میں مشغول تھی لیکن اس انجمن نے قدیم ہندی کتابوں کے لئے اپنی خدمات صرف کیں۔

سنہ ۱۸۹۹ء میں منجانب سرکار مبلغ چار سو روپیہ قدیم ہندی کتابوں کی تلاش و طباعت کے لئے اس انجمن کو عطا ہوا۔ بابو شیام سندر داس کے سپرد یہ خدمت کی گئی جس کو اُنھوں نے ایسی خوبی سے انجام دیا کہ ڈاکٹر گریرسن، ڈاکٹر ہارنل، پروفیسر ورتھ ایسے مستشرقین نے بھی داد دی۔ تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ اور حسن انتظام کی بنا پر دوسرے ہی سال سرکار نے امداد کی رقم میں ایک سو کا اضافہ کر دیا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۶ء سے اس کی امدادی رقم ایک ہزار روپیہ سالانہ کر دی گئی اور اب سنہ ۱۹۲۲ء سے اس انجمن کو صوبہ کی گورنمنٹ دو ہزار سالانہ دیتی ہے۔ اس اُنتیس سال کے زمانے میں سینکڑوں معدوم کتابیں اور ایسے شعراء کے کلام جو اب تک گوشۂ گمنامی میں پڑے تھے اوّل روشنی میں لائے گئے۔ اس تلاش و جستجو کی تمام تر ذمہ داری بابو شیام سندر داس اور پنڈت شیام بہاری مصر کے سر تھی۔ اب یہ جستجو بابو ہیرالال کی سرپرستی میں جاری ہے۔ اس شعبے کے کارنامے کتابی صورت میں پیش کر دئے گئے ہیں۔ اس سبھا کے قیام کے وقت فارسی خط عدالتی رسم الخط تھا۔ اس سبھا کی کوشش سے سمن اور نوٹس وغیرہ اردو اور ہندی خط میں لکھے جانے لگے۔ اس انجمن کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ سنہ ۱۸۹۵ء

میں جب حضور گورنر بہادر بنارس تشریف لائے تو ایڈریس کے سلسلے میں عدالتی دفاتر اور ہندی زبان کا مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا گیا جس کے جواب میں اس تجویز پر غور کرنے کا وعدہ فرمایا۔ اس مقصد کو کامیاب کرنے کے لئے عام رائیں طلب کی گئیں۔ چنانچہ ہزار ہا آدمیوں کے دستخط سے ایک محضر تیار کرایا گیا اور صوبہ کے مختلف نمایندوں میں بھیج کر قریب ساٹھ ہزار دستخط کرائے گئے اور بذریعہ مہاراج پرتاب ترائن سنگھ راجہ اجودھیا سر انٹونی میکڈانلڈ کے روبرو ۲ر مارچ ۱۸۹۸ء کو یہ محضر نامہ پیش کیا گیا۔ ملک کی رائے جمع کرنے میں بابو شیام سندر داس اور بابو کرشن بلدیو ورما وغیرہم نے مختلف اضلاع مثلاً لکھنؤ۔ پریاگ۔ کاشی۔ علی گڈھ۔ متھرا۔ مرادآباد۔ بریلی۔ شاہجہاں پور۔ سہارنپور۔ آگرہ کا دورہ کرتے ہوئے ہر مقام پر ناگری سبھا کی شاخیں قائم کیں۔ اس کوشش میں کہ ہندی زبان بھی عدالتی زبان قرار دی جائے، ہر امکانی کوشش کی گئی اور جب حضور گورنر بہادر کاشی تشریف لائے تو انجمن کا ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا جس کے معروضات پر اُمید افزا جواب ملا اور آخر کار گورنمنٹ کی طرف سے ۱۸ر اپریل ۱۹۰۰ء کو یہ حکم جاری ہوا کہ عدالتی کاغذات ہر دو زبان میں جاری ہوں اور جو شخص چاہے وہ اپنی عرضی ناگری رسم الخط میں بھی دے سکتا ہے۔

اس سبھا نے انگریزی اسکولوں میں ہندی زبان کی کتابیں داخل

کرانے کی بابت بھی کافی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شری گیانش بابو اندر نرائن سنگھ ٹکسٹ بک کمیٹی کے ممبر ہو گئے۔ اس کامیابی کے بعد "بھاشا پتر بودھ" "بھاشا سار سنگرہ" اور "کھیتی ودیا کی پہلی پستک" مرتب کر کے درسی کتابوں میں شامل کی گئی۔ سبھا نے اس امر کی بھی کوشش کی کہ ہندی زبان درست ہو جائے اور طرز ادا مناسب ہو لیکن اس میں زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ محکمہ تعلیم نے جس وقت یہ حکم جاری کیا کہ ہر طالب العلم کے لئے آٹھویں درجہ تک ہندی اردو دونوں زبانوں کا جاننا ضروری ہے تو سبھا نے اس حکم کی سختی سے مخالفت کی اور اس سلسلے میں ایک وفد گورنر صاحب بہادر کی خدمت میں بھیجا مگر لاحاصل رہا۔ صاحب گورنر بہادر نے اس رائے سے تو اتفاق کیا کہ لڑکوں کو بہت سی زبانیں نہ سکھائی جائیں مگر چونکہ اردو ہندی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس لئے ان دونوں زبانوں کا جاننا ضروری قرار دیا ہے۔

کلکتہ ہائی کورٹ کے جج شری گیانش بابو شاردا چرن مصر نے اس امر کی کوشش کی تھی کہ اپنی تصانیف ناگری خط میں لکھی جائیں سبھا نے بھی ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کافی کوشش کی تھی اور اس مقصد کے لئے صوبہ پنجاب اور بمبئی کو وفد روانہ کئے جہاں انھیں کامیابی حاصل ہوئی۔ ہندوستان کے پولیٹیکل لیڈر لوکمانیہ تلک مصر، گوکھلے اور پروفیسر پرانجپی نے بھی سبھا کے

اس مقصد سے اتفاق کیا۔

سنہ ۱۹۰۵ء میں جب کہ کانگریس کا اجلاس بنارس میں منعقد ہوا۔ اس سبھا نے ہندوستان کے مختلف صوبوں سے نمایندے بُلاکر ایک کانفرنس منعقد کی جس کا مقصد یہ تھا کہ تمام ہندوستان میں دیوناگری قومی زبان تسلیم کرلی جائے۔ اس کانفرنس کے صدر مسٹر آر۔ سی۔ دت تھے اور لوکمانیہ تلک پروفیسر وجے رگھوا چاری، پروفیسر راناڈے دیوان بہادر راجہ لال ساگر لال ڈی سائی وغیرہ مشاہیر نے یہ متفقہ تجویز پاس کی تھی کہ دیوناگری رسم الخط ہی تمام ہندوستان کا رسم الخط ہونا چاہیے۔ سر رشتۂ تعلیم ہندی کی طرف سے یہ حکم تھا کہ صوبہ کی درسی کتابیں صوبہ کی زبان میں ہوں۔ سبھا نے اس حکم کی سختی سے مخالفت کی جس میں اُسے کامیابی ہوئی۔

اس سبھا نے ایک اور کام کیا کہ سر رشتۂ تعلیم سے ایسے ادیبوں کو انعام دلوائے جو ہندی کے اچھے ادیب تھے۔ ان انعامات کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ سنہ ۱۸۹۶ء میں جو مشرقی ادب کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں سبھا کی جانب سے بابو شیام سندر داس بحیثیت نمایندہ شریک ہوئے تھے اور انھوں نے ایک مختصر تاریخ ہندی بھاشا اور ساہتیہ لکھ کر کانفرنس میں پیش کی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سے مستشرقین کا خیال ہندی زبان اور ادب کے مطالعہ کی طرف رجوع ہو گیا۔

ہندی تحریک و توسیع کے علاوہ تصنیف و تالیف اور قدیم و نایاب کتابوں کی تلاش و جستجو کی طرف بھی اس سبھا نے کافی توجہ کی۔ پرتھی راج راسو ایسی نادر کتاب جو معدوم ہوتی جا رہی تھی از سر نو طبع کرائی اور ہندوستان کے مشہور ادیبوں سے اُس پر شرحیں لکھوائی ہیں۔ اس کے علاوہ اس سبھا نے خود بھی انعامات اور تمغے عطا کر کے اچھے اچھے ادیبوں سے کتابیں لکھوائیں جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ مصنفین کے علاوہ اس سبھا نے ادیب بھی تیار کئے۔ ہندی ادب میں کوئی عمدہ قواعد صرف و نحو کا نہ ہونا ایک بدنما داغ تھا۔ چنانچہ ایسی کتاب کو ترتیب دینے کے لئے اس نے انعام کا اعلان کیا اور کافی غور و خوض کے بعد یہ کام پنڈت کامتا پرشاد کے سپرد ہوا۔ موصوف نے آٹھ سال کی محنت میں ایک قواعد صرف و نحو تیار کی جو زبان دانوں کی ایک مجلس کے سامنے پیش ہو کر منظور ہوئی اور طالب العلموں کی استعداد کے مطابق دو حصوں میں شائع ہوئی۔

ہندی ادب میں اصطلاحات علمیہ بالکل نہ تھے۔ اس لئے دوسری زبانوں کے ادبی کتابوں کے ترجمے یا دیگر علوم کی کتابیں لکھنے میں جو کسی فن سے تعلق رکھتی تھیں بڑی دشواری پیش آتی تھی۔ سبھا نے ایک کتاب فن اصطلاحات کی ترتیب دی۔ یہ کام پنڈت مہابیر پرشاد دویدی، پنڈت مادھو راؤ، مہا مہوم پادھیا، پنڈت سدھاکر دویدی

اور بابو شام سندر داس کی کوششوں سے انجام کو پہنچا اور اس طرح سے اس سبھا نے ہندی ادب کی ایک بڑی کمی پوری کر دی۔

سبھا نے ایک ادبی رسالہ ناگری پرچارنی پتر کا بھی جاری کیا۔ جس کا مقصد ادبی تعلیم کا عام کرنا تھا۔ یہ رسالہ ۱۸۹۷ء سے اب تک جاری ہے۔ پہلے یہ سہ ماہی تھا۔ اس کے بعد ماہانہ ہوا مگر اب پھر سہ ماہی ہو گیا۔ یہ رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالوں کی طرح ہے۔ ادیبوں میں اس کی بڑی قدر ہے۔ کیونکہ رسالہ کا معیار بہت بلند ہے۔ اس میں نہایت قابل ادیبوں اور مصنّفوں کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔

الفاظ کی تراش خراش اور چھان بین کا کام سبھا کا اصلی مقصد ہے۔ جو ۱۹۰۶ء سے شروع ہوا ہے۔ اس مقصد کے حصول میں کافی کوشش کرنے کے بعد ایک مکمل لغت ترتیب دیا گیا جو نہایت مستند ہے۔ اس مقصد کے حصول میں سبھا کو قدر دانا یان علم نے دامے درمے کافی امداد پہنچائی اور سنٹرل گورنمنٹ سے پانچ ہزار اور صوبہ کی سرکار سے تین ہزار روپیہ کی امداد ملی۔ اس کے علاوہ ریاستہائے اندور۔ کشمیر۔ بڑودہ۔ بیکانیر۔ بھاؤنگر۔ چھتر پور وغیرہ نے بھی کافی اعانت کی۔

سبھا کی سرپرستی میں ایک اور رسالہ سرسوتی بھی جاری کیا گیا جو ہندوستان کے دیگر رسالوں میں نہایت موقر ہے اور اب تک

جاری ہے اور اس کے ذریعہ سے یہ سبھا اب بھی ہندی ادب کی توسیع اور اشاعت میں کافی حصّہ لے رہی ہے۔

ہندی ساہتیہ سمیلن پریاگ کی شروعات کا سبب بھی یہی سبھا ہوئی تھی۔ اس سبھا کا پہلا اجلاس بصدارت پنڈت مدن موہن مالوی ناگری پرچارنی سبھا کے زیر انتظام منعقد ہوا تھا۔ ان تمام واقعات سے اہل ادب پر یہ بات بخوبی روشن ہو جائے گی کہ اس سبھا نے ہندی ادب کی بقا، قیام اور توسیع و اشاعت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

ہندوستان جیسے ملک میں جہاں ہمیشہ روپیہ کا کال رہا کرتا ہے اور خصوصاً ادبی ضروریات کے لئے یہ قحط اور زیادہ ہو جایا کرتا ہے لیکن یہ سبھا مستحق تہنیت ہے کہ اس نے جب کبھی روپیہ کے لئے اپیل کی تو اہل ملک نے نہایت فراخ دلی سے امداد کی جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کو اس سبھا پر کافی اطمینان تھا اور اب بھی ہے۔

کسی سبھا کے قیام اور بقا کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اُس کی ذاتی عمارت اور اپنا سرمایہ ہو۔ اس سبھا کی ذاتی عمارت نہایت عالیشان کاشی کے پوربی گوشے میں ہے جو ۱۹۰۴ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس عمارت کا سنگ بنیاد مہاراجہ بنارس نے ۱۹۰۲ء میں اپنے دست مبارک سے رکھا اور یو۔پی کے گورنر سر جیمس لاٹوش نے فروری ۱۹۰۴ء میں اس کا افتتاح کیا۔ زمین کی خریداری اور تعمیر عمارت میں تینتیس ہزار پانچ سو دس روپیہ خرچ ہوئے۔ اس سبھا کا ایک

ذاتی کتب خانہ بھی ہے جو ہندوستان میں ہندی کتابوں کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔ اس کتب خانہ کا نام "آریہ بھاشا لیستکالیے" ہے۔

اوّل اوّل سبھا نے ایک چھوٹا سا کتب خانہ قائم کیا تھا جس کا نام "ناگری بھنڈار پُستکالے" تھا۔ اس وقت اس کا ذخیرہ قلیل تھا۔ سنہ ۱۸۹۶ء میں سر گنیاش گیادھر سنگھ اور پنڈت مہابیر پرشاد دویدی نے اپنا اپنا کتب خانہ جس میں بہت سی نادر و نایاب کتابیں تھیں۔ اس سبھا کو عطا کر دیا جس سے اس مختصر کتب خانے کا علمی ذخیرہ بہت بڑھ گیا۔

قریب قریب ہر صوبہ میں اس سبھا کے ممبروں کی اچھی خاصی تعداد موجود رہتی ہے اور اب تک ممبر بننے اور بنانے کا سلسلہ جاری ہے۔ یورپ میں بھی اس سبھا کے کچھ ممبر ہیں جو اکثر اپنے گرانقدر آراء سے سبھا کی اعانت کرتے اور حوصلہ افزائی فرماتے رہتے ہیں۔ ہندوستان کے بہت سے راجگان بھی اس سبھا کے رُکن ہیں۔

مالی طور پر بھی سبھا کی حالت بہتر ہے۔ اسے بعض بعض ایسے ایسے عطیے ملے ہیں جن کے سود سے مستند ادیبوں کی قدر دانی اور حوصلہ افزائی کر کے ہندی ادب میں قابل قدر کتابیں لکھوائی جاتی ہیں۔ روپیہ کی فراہمی میں پنڈت چندر دھر شرما گلیری کا نام کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا جن کے انتقال سے سبھا کو سخت نقصان پہنچا۔

حقیقت یہ ہے کہ سبھا نے ہندی ادب کی توسیع و تحفظ میں وہ کام کئے ہیں جو سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ہندی ادب کے سلسلہ میں اس سبھا کے کارنامے کبھی بھلائے نہیں جا سکتے۔

۲۔ ہندی ساہتیہ سمّیلن پریاگ

اوراقِ گذشتہ میں اس ادارے کا حوالہ دیا جا چکا ہے کہ اس سبھا کا وجود پہلے پہل ناگری پرچارنی سبھا کے زیرِ اہتمام بنارس میں ۱۹۱۰ء میں ہو چکا تھا جب کہ پرشوتم داس ٹنڈن اس سبھا کے معتمد تھے۔ اس سبھا کا دفتر بنارس سے پریاگ منتقل ہو گیا۔ گو کہ اس کی ابتدا بنارس میں ہو چکی تھی لیکن اس سبھا نے عملی صورت پریاگ منتقل ہونے کے بعد اختیار کی۔ کارکنان کے خلوص کی وجہ سے اس سبھا نے اُمید سے زیادہ ترقی کی۔ اس سبھا کے سالانہ جلسے مختلف مقامات پر ہوا کرتے ہیں جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ ان جلسوں کی صدارت ہندوستان کی عظیم الشان ہستیوں کے سپرد رہی۔ مثلاً مہاتما گاندھی۔ پنڈت مدن موہن مالوی۔ سوامی شردھانند۔ پرشوتم داس ٹنڈن۔ اجودھیا سنگھ اُپادھیا۔ راجہ برڑودہ وغیرہ۔ اس سبھا کے مقاصد ہندی ادب کی توسیع اور اشاعت اور نادر و نایاب قدیمی کتابوں کو از سرِ نو زندگی بخشنا اور ان کو جمع کرنا ہے اس کے علاوہ ناگری رسم الخط میں ایسا ردّ و بدل کرنا کہ جس سے وہ

بآسانی چھاپے کے کام میں آسکے یہ بھی سبھا کا ایک خاص مقصد ہے۔
سنہ ۱۹۱۰ء میں جن حضرات نے ناگری پرچارنی سبھا کے آغوش میں اس ادارے کو جنم لیتے ہوئے دیکھا ہوگا ان کو یہ گمان بھی نہ ہوگا کہ یہ ادارہ اپنی تینتیس سالہ عمر میں ہندی کے ذریعہ سے شمالی اور جنوبی ہند کو متحد کر دے گا۔ اس کی ترقی کی یہ تیز رفتاری شرکار کے خلوص کا بیّن ثبوت ہے۔ ان کارکنان ادارہ میں بابو پرشوتم داس ٹنڈن کا نام نامی جلی حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ آپ اس ادارہ کے کام میں اس قدر منہمک رہے کہ اسے اپنی زندگی کا جزو سمجھتے تھے۔
یہ ادارہ پہلے پہل ایک قلیل سرمایہ سے شروع کیا گیا اور ظاہر ہے کہ اپنی کم مائیگی کی وجہ سے وہ عظیم کام جو اسے کرنا تھے، اس کے بس کی بات نہ تھی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۸ء میں جب کہ اس کا اجلاس زیر صدارت مہاتما گاندھی اندور میں منعقد ہوا تو مہاراجہ اندور اور سیٹھ حکم چند نے دس دس ہزار کی رقم کے عطیے ہندی ادب کی توسیع اور اشاعت کے لئے عطا فرمائے۔ اس مالی امداد نے ادارے کو ہر طرف ترقی کرنے کا موقع دیا۔ چنانچہ مہاتما گاندھی کے اشارہ سے جنوبی ہند میں بھی ہندی ادب کی اشاعت کی گئی۔ سیٹھ جمنا لال بجاج نے اس مقصد کی کامیابی کے لئے کافی کوشش فرمائی۔
سمیلن کا چوبیسواں اجلاس پھر اندور میں ہوا، اس اجلاس میں اس سبھا کے دو خاص مقصد قرار دئے گئے جن کا اثر نہ صرف ہندی

ادب پر یہ ہی ہوا بلکہ ملک کا تمدن بھی متاثر ہوا۔ وہ مقاصد یہ تھے :۔

(۱) ناگری رسم الخط کی ایسی ترتیب اور رد و بدل کہ اس کا ٹائپ تیار ہو سکے۔

(۲) مختلف صوبوں کے اُدبا سے متحد الخیال ہو کر ہندی ادب کی توسیع۔

ہر دو مقاصد کے لئے کمیٹیاں ترتیب دی گئیں۔ پہلے مقصد کی کمیٹی کے صدر کاکا کالیکر تھے اور دوسرے مقصد کی کمیٹی کے مہتمم کنھیا لال منشی مقرر ہوئے۔

پہلے مقصد کے لئے مختلف زبانوں کے رسم الخط کے مقابلہ کے بعد چند تجاویز ٹائپ کے متعلق پیش کی گئیں۔ مثلاً :۔

(۱) اوپر کی لکیر کو حذف کر دیا جائے۔

(۲) دھا ध اور گھا घ کی ترمیم ध घ

(۳) یا प اور را र کی آمیزش य

(۴) آ अ کی مختلف صورتیں وغیرہ अि अु अे

یہ تجاویز غور و خوض کے بعد تسلیم کی گئیں اور اس پر عمل بھی ہوا مگر مخالفتوں کی وجہ سے عرصہ تک قائم نہ رہ سکیں۔

دوسرے مقصد کے لئے کنھیا لال منشی نے سبھا کے آئندہ سالانہ اجلاس میں ہندوستان کے ادبا کی ایک کانفرنس منعقد کی۔ اس کانفرنس میں ہندی ادب کی آئندہ ترقیات کا ایک خاکہ تیار کیا گیا اور نہایت

گرمجوشی کے ساتھ کام شروع کیا گیا۔ اسی موقع پر قواعد تذکیر و تانیث و دیگر قواعد کے متعلقات پر غور کرنے کے لئے بھی ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جس کے مہتمم بابو پرشوتم داس ٹنڈن مقرر ہوئے۔

اپنے مقاصد کی آسانی کے لئے سبھا نے تقسیم کار کے اصول پر اپنے کام کو مندرجہ ذیل شعبوں میں منقسم کر دیا:۔

(۱) ہندی ادب کی توسیع۔

(۲) امتحانات کے ذریعہ سے ہندی کو عوام میں پھیلانا۔

(۳) خالص ادبی خدمت اور ہندی کتابوں کی اشاعت۔

(۴) ذرائع قیام سبھا۔

(۵) یادگار قائم کرنا۔

(۶) انتظامات سبھا۔

ناگپور کے اجلاس کی ایک تجویز کے مطابق ہندی کی توسیع کے لئے ایک کمیٹی "راشٹر بھاشا پرچار سمیتی" قائم ہوئی جس کا مرکز واردھا رکھا گیا۔ اس کمیٹی نے اس قلیل مدت میں نہایت اہم امور انجام دئے اور آسام۔ بنگال۔ اتکل۔ سندھ۔ گجرات۔ بمبئی۔ مہاراشٹر وغیرہ میں صوبہ وارانہ کمیٹیاں قائم کیں تاکہ کام میں سہولت ہو اور یہ کام منظم ہو جائے۔ بنگال اور اتکل میں یہ کام کلکتہ کی "پورو بھارتیہ راشٹر بھاشا پرچار سبھا" کے زیر نگرانی جاری ہے۔

راشٹر بھاشا پرچار سمیتی واردھا کی طرف سے توسیع کے

متعلق امتحانات بھی رائج ہیں اور کتابیں بھی شائع ہوتی ہیں۔ اِس ادارہ میں اساتذہ کو توسیع کے کام کے لئے تیار کیا جاتا ہے اور اُس کی تعلیم علیحدہ دی جاتی ہے۔

شعبۂ امتحانات میں پرتھما۔ مدھما اور اتما کے امتحانات قائم ہیں۔ یہ ادبی امتحان ہیں، ان کے علاوہ مُنیبی۔ عرائض نویسی۔ مختصر نویسی۔ ٹائپ۔ صحافت۔ زراعت اور حکمت کے امتحانات بھی ہر سال ہوتے رہتے ہیں۔ ان امتحانات کے مرکز قریب قریب ہر صوبہ میں کافی تعداد میں موجود ہیں۔

ادبی خدمت کے سلسلہ میں اس سبھا کی زیرِ نگرانی بہت سی نادر و نایاب کتابیں تیار ہوئیں۔ امتحانات کے نصاب کی کتابیں بھی اسی شعبے سے شائع ہوتی ہیں۔ مہاراجہ بڑودہ نے مبلغ پانچ ہزار روپیہ توسیع اور اشاعت کے لئے عطا فرمایا تھا۔

سنہ ۱۹۲۸ء میں جس سال اس سبھا کا اجلاس مظفر نگر میں منعقد ہوا انعام موسومہ "منگلا پرشاد پار توشک" بارہ سو روپیہ کا دلو کی ہری کو عطا ہوا جنھوں نے انعام کی تمام رقم سمیلن کو عطا فرمائی کہ وہ کسی کارِ خیر میں صرف کی جائے۔ چنانچہ وہ رقم پرشوتم داس ٹنڈن۔ پنڈت پدم سنگھ شرما اور ڈاکٹر بھگوانداس کی رائے سے بچوں کے لئے اچھی اچھی کتابوں کی اشاعت میں صرف ہو رہی ہے۔

مہاراجہ صاحب اورچھا کی جانب سے ایک ہزار روپیہ سال کا

ایک ادبی انعام موسومہ "دیو پرسکار" بہترین نظم لکھنے والے کو عطا ہوا کرتا تھا۔ چونکہ دو سال تک کوئی ایسی نظم پیش نہ ہوئی جو معیار پر پوری اترتی اس لئے وہ دو ہزار کی رقم ناگری پرچارنی سبھا اور اس ادارے کو بحصہ مساوی عطا ہوئی جو شعبۂ اشاعت میں صرف ہوئی۔

اس ادارے کے ذرائع آمدنی مندرجۂ ذیل ہیں:۔

(۱) فیس امتحانات۔ (۲) عطیات۔ (۳) چندہ ممبران۔
(۴) دیگر چندے۔ (۵) فروخت کتب وغیرہ۔

مالی حالت بہت اچھی ہے۔ کیونکہ تقریباً پچاس ہزار روپیہ بینک میں جمع ہے اور قریب پندرہ ہزار روپیہ کتابوں کی تجارت میں لگا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ جائداد منقولہ وغیر منقولہ قیمتی تقریباً اسی ہزار اس ادارہ کی ملکیت ہیں۔ یہ ادارہ اپنی ذاتی عمارت میں قائم ہے جس سے ملحق ایک سنگرالہ (کتب خانہ) ہے۔ کتب خانہ میں کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ انڈکس کا طریقہ بالکل جدید ہے۔ کتابوں کے بہت قدیم نسخے جو اب نایاب ہو چکے ہیں۔ اس کتب خانہ میں موجود ہیں اور تمام جدید تصانیف جمع کی جاتی ہیں تاکہ زبان کی چھان بین کرنے والوں کے لئے کافی مواد موجود رہے۔ عمارت کے اندر سنگ مرمر کے کتبے لگے ہوئے ہیں جن پر مشہور شعراء کا چیدہ کلام کندہ ہے۔

برج بھاشا کے آخری شاعر پنڈت ست نرائن آنجہانی کی یادگار

میں ایک کمرہ تعمیر کیا گیا ہے۔ وہ تمام عطیات جو بابو پرشوتم داس ٹنڈن کو بسلسلہ دورہ ملتے ہیں اسی کتب خانہ میں داخل ہو جاتے ہیں جن سے اس کتب خانہ کی نادرات کا سرمایہ روز بروز ترقی کرتا جا رہا ہے۔ اس کتب خانے سے ملحق ایک مطالعہ کا کمرہ بھی ہے جس میں تمام اخبارات ورسائل آتے ہیں۔ پریاگ میونسپل بورڈ سے بھی سالانہ امداد ملتی ہے۔

ساہتیہ سدن الہٰ آباد کی عمارت بھی اس ادارے کی ملکیت ہے۔

(۳) دکشن بھارت ہندی پرچار سبھا مدراس

اس سبھا کا مقصد بھی جنوبی ہند میں ہندی ہندوستانی کی توسیع ہے تاکہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو جائے۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں جب کہ ہندی ساہتیہ سمیلن کا اجلاس زیر صدارت مہاتما گاندھی منعقد ہوا تھا، اس سبھا کے قائم کئے جانے کے متعلق ایک تجویز پاس ہوئی تھی اور یہ کام مہاتما گاندھی نے اپنے بیٹے دیوداس گاندھی اور سوامی ست دیو کے سپرد کیا۔ مہاراجہ صاحب اندور، جمنالال بجاج اور سیٹھ حکم چند نے اس سبھا کی مالی ضروریات اپنے ذمہ لیں اور پرشوتم داس ٹنڈن نے تمام انتظام کا ذمہ لیا۔ یہ تمام امور جن کا ذکر کیا گیا ہے، رفتہ رفتہ ہوتے رہے۔ عوام نے بھی اس میں کافی دلچسپی کا اظہار کیا۔ یہاں تک

کہ ۱۹۲۷ء میں یہ سبھا مکمل طور سے قائم ہوگئی اور توسیع و اشاعت کے کام کو نہایت مستعدی سے انجام دیا۔ اس سبھا نے اسکول کھولے اور امتحانات قائم کئے جو اب تک جاری ہیں جنوبی ہند میں ہندی کا رواج اسی سبھا کے ذریعہ سے ہوا۔ اس سبھا کی ایک نہایت وسیع اور عالی شان ذاتی عمارت ہے۔ جنوبی ہند کے دیگر حصص میں اس کی شاخیں قائم ہیں جو اس سبھا کے زیر نگرانی اپنا کام کر رہی ہیں۔ دکشنٹر بھارت اخبار اسی سبھا کا اخبار ہے جس کا پہلا نام ہندی پرچارک تھا۔ پنڈت ہری ہر شرما کے زیر نگرانی اس سبھا نے بڑی ترقی کی۔

(۴) مدھیہ بھارت ہندی ساہتیہ سمیتی اندور

اس ادارے کے قیام کے لئے پہلا مشورہ سری مان مادھو راؤ ونائک کے ایوان میں ۱۲ر نومبر ۱۹۱۴ء کو ہوا اور ۰ ار جنوری ۱۹۱۵ء کو یہ ادارہ وجود میں آ گیا۔ اس کا پچیس سالہ کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اس مدت میں ایک پریس مالیتی تیرہ ہزار اور ایک عمارت مالیتی ساٹھ ہزار اور مستقل فنڈ باون ہزار کا پیدا کر لیا۔ ہندی کی توسیع اور اشاعت اس کا مقصد ہے۔ اس ادارہ کی تین سو سے زائد لائبریریاں اور ریڈنگ روم ہیں۔ اس ادارہ سے ایک اخبار "وینٹرال" نکلتا ہے۔ اس کی ترقی کا سہرا اسیٹھ حکم چند کے سر ہے جنھوں نے اپنی انتھک

کوششوں سے اس ادارے کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

(۵) سری ویریندر کیشو ساہتیہ پریشد اورچھا

اس سبھا کی بنیاد سری سوامی مہندر مہاراجہ ویر سنگھ دیو جو بہادر اورچھا کے پہلے سالگرہ کے دربار میں ۵ اپریل ۱۹۳۰ء کو قائم ہوئی۔ اس ادارے کی قیام کا سہرا راجہ اورچھا کے وزیر اعظم راؤ راجہ رائے بہادر پنڈت شیام بہاری مصرا یم۔ اے کے سر ہے۔ یہ ادارہ مہاراجہ صاحب اورچھا کا مرہون منت ہے اور انھیں کی نظر عنایت سے ہندی کی توسیع کا کام کر رہا ہے۔ مہاراجہ صاحب اورچھا ادیبوں اور شعرا کے بڑے مربی ہیں اور ہر سال اس ادارے کے ذریعہ سے بسنت کے دربار کے موقع پر ہندی کی سب سے اچھی منظوم تصنیف پر دو ہزار روپئے عطا کئے جاتے ہیں۔ ایک سال برج بھاشا کی تصنیف اور دوسرے سال کھڑی بولی کی تصنیف کے لئے یہ انعام ۱۹۳۴ء سے جاری ہے۔ اس ادارے نے وسط ہند میں ہندی کی کافی اشاعت کی۔

(۶) ساہتیہ سدن ابوہر (پنجاب)

یہ ادارہ ۱۹۲۵ء میں قائم ہوا۔ ہندی ساہتیہ سمیلن پریاگ سے اس کا الحاق ہی نہیں ہے بلکہ یہ اس کی ملکیت بھی ہے۔ پنجاب

کے ایک نہایت سر سبز و شاداب مقام پر یہ آبادی سے دور واقع ہے۔
جہاں قدرتی مناظر سکون اور اطمینان بدرجۂ اتم موجود ہیں، اس کی ملکیت
میں ایک کتب خانہ اور پریس ہے۔ کتب خانہ کی عمارت میں ادبی خدمت
کرنے والوں کے قیام کے لئے مکان بنے ہوئے ہیں۔ عمارت نہایت
شاندار ہے جس کی اکثر سیاحوں نے تعریف کی ہے۔ اس ادارہ نے
گشتی کتب خانے بھی قائم کئے ہیں جس کے ذریعہ سے چھوٹے چھوٹے
دیہاتوں میں بھی پڑھنے کا شوق عام ہو گیا ہے۔ یہ ادارہ پنجاب میں
ہندی کی توسیع و اشاعت اعلیٰ پیمانہ پر کر رہا ہے۔ اس ادارے
کی تمام ترقی سوامی کیشوانند کی مرہون منت ہے۔ جن کی خدمات اور
خوش اخلاقی شمالی ہند میں بہ نظر استحسان دیکھی جاتی ہیں۔

جدید ہندی کی موجودہ روش

منظور ہے گذارش احوال واقعی اپنا بیان حسنِ طبیعت نہیں مجھے

اردو اور ہندی ایک ماں کی دو بیٹیاں ہیں، دونوں کا فرض ہے
کہ ایک دوسرے کے کام آئیں۔ اردو کے متعلق تو کچھ کہنے سننے کی ضرورت
ہی نہیں کہ اس نے ہندی سے کیا پایا کیونکہ اس کا تو جنم ہی ہندی کے
دیس میں ہوا۔ اور اسے بھی ہندوستان میں حق وطنیت اسی طرح حاصل
ہے جس طرح ہندی کو حاصل ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جدید ہندی جو اپنی
ترقی و ترویج کے لئے میدان عمل میں گامزن ہے اس نے اردو

سے کیا سیکھا۔ اس بات کا پتہ ہندی کے نثر نگاروں کے یہاں سے بآسانی و بخوبی ملے گا۔

جدید ہندی نثر کے دور اوّلین میں دو گروہ نظر آتے ہیں، ایک گروہ وہ جو اُردو سے قطعاً بچنا چاہتا ہے۔ دوسرا ہندی کو اُردو کے نقش قدم پر چلانا چاہتا ہے۔ گروہ اوّل الذّکر کا یہ شیوہ تھا کہ وہ ہندی کے چلتے ہوئے راستوں میں نادانستہ طور پر روڑے بچھانے ہی میں کامیابی سمجھتا تھا یعنی سنسکرت کے ثقیل ترین اور نامانوس الفاظ استعمال کرنا ہی باعث حسن و خوبی تھا۔ موخر الذکر گروہ نے اُردو کی طرز تحریر سے ہندی کو بہت فائدہ پہنچایا۔ ہندی کا ایک معتدبہ حصّہ ایسا ہے جس کی آب و تاب اُردو کی درخشانیوں سے حاصل ہوئی۔ اُردو ہی کے محاوروں سے جدید ہندی زبان و ادب میں لوچ پیدا ہوا۔ جن لوگوں نے اسے اُردو کی ملکیت سمجھ کر خواہ مخواہ اس سے مغائرت برتی ہے ان کی زبان خواہ کتنی ہی علمی و ادبی ہو لیکن وہ ایک قالب بے جان ہے۔ ہندی زبان کی کثیر التعداد تصانیف خود ظاہر کرتی ہیں کہ اس نے اُردو سے بہت کچھ لیا۔ تاریخ۔ تنقید۔ تمثیل۔ ناول۔ افسانہ اور سوانح نگاری کی دل آویز طرز تحریر اُردو ہی سے حاصل کی گئی۔ ہندی نے سب سے اچھا ذریعہ جو اپنی ترقی کے لئے اختیار کیا، وہ یہ ہے کہ اُردو کی پیدا کردہ شاہراہ پر چل کر اپنے لئے ادارہ جات قائم کئے۔ اس پاکیزہ مقصد سے ہندی

نظم و نثر دونوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ ہندی کے ادبی رسالے اُردو رسالوں کی پیروی کر رہے ہیں اور اُردو کی غزلیں ہندی کے پیکرِ ادب میں نظر آنے لگی ہیں۔ ہندی کا ذخیرہ بڑھانے کے لئے ایسی کتابیں بھی لکھی گئیں جن کی زبان کلّیتاً یا کسی خاص حد تک اُردو ہے۔ صرف رسم الخط ہندی ہے۔ نیز ایسی تصنیفات بھی ہیں جن میں اُردو کی طرح عربی و فارسی الفاظ بھی بے تکلف صرف کئے گئے ہیں۔ بھارتندو اور ہریش چندر کی تصنیفات میں سنسکرت اور عربی و فارسی الفاظ کا خوبصورت توازن قابل قدر ہے۔ مگر اسے عہدِ حاضرہ کی جدّت طرازی نہ خیال کرنا چاہئے۔ اب سے بہت پہلے کبیرداس وغیرہ بھی اپنی تصنیفات میں عربی و فارسی کے الفاظ استعمال کر چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں زمانہ حال کی خصوصیت یہ ہے کہ ہندی لغت میں عربی و فارسی الفاظ مستقلاً رکھ لئے گئے ہیں کیونکہ الفاظ کی بہتات ہی سے زبان کی ترقّی ہوتی ہے۔ کسی غیر زبان پر چھوت چھات کا حکم جاری کرنا وہی برہمنیت ہے جو مندر کی چہار دیواری سے نکل کر وسیع میدانوں میں نہ کبھی آئی ہے نہ آسکتی ہے۔ برخلاف اس کے جدید ہندی میں یہ قدرت پیدا ہو چکی ہے کہ اگر وہ اُردو سے میل جول رکھتے ہوئے ترقّی کرنا چاہے تو اور بھی ترقّی کر سکتی ہے لیکن افسوس ہے کہ جدید ہندی کے قدم پیچھے ہٹتے نظر آتے ہیں۔ اس کے رہنماؤں کے طرز عمل سے

معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اُلٹے راستہ پر اُلٹے پاؤں پھرانا چاہتے ہیں یعنی کئی صدی پیچھے لے جاکر سنسکرت سے اس کا ناتا جوڑنا چاہتے ہیں یا خود اسی کو سنسکرت بنانا چاہتے ہیں لیکن افسوس بالائے افسوس یہ ہے کہ اس مقصد میں بھی کسی تعمیر کی جھلک نہیں ہے بلکہ تہذیب کے پہلو روشن ہوتے جاتے ہیں۔ ہم آگے چل کر دکھائیں گے کہ جدید ہی ہندی کے وعظ کیسے کیسے نامانوس اور ثقیل الفاظ ایجاد کر کے جدید ہندی کی دعوت کر رہے ہیں۔ اس ترقی معکوس پر باستثنائے مذہب وملّت ہر اس شخص کو تاسف ہے جس کو زبان وادب سے محبت ہوتی ہے۔

یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جدید ہندی نے اُردو کے پرتو سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ اُردو کے نقش قدم پر چل کر اتنی ترقی حاصل کی ہے کہ اب اُردو ہی کے مقابلہ میں کھڑی ہو کر ہندوستان کی مشترکہ زبان بننے کی مدّعی ہے۔

کس نیاموخت علم تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

اس طرز عمل کا نتیجہ نہ صرف ہندی زبان وادب کے لئے مُضر ہے بلکہ ملک کی سیاسیات کے لئے بھی سخت مضرت رساں ہے۔ اُردو زبان کی تاریخ جاننے والے عام طور پر جانتے ہیں کہ اس مبارک زبان کی بُنیاد میں وہ خشت اوّل ہے۔ جس پر ہندو مسلم اتحاد کی عظیم الشّان

عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ محبت، مساوات اور رواداری کا بیج بونے کے لئے ایک مخلوط زبان کی اشد ضرورت تھی کیونکہ ہندوستان میں مختلف ممالک کے آدمی بستے تھے جن کی زبان۔ تہذیب اور معاشرت بالکل الگ الگ تھی اور کوئی مناسب صورت ایسی نہیں تھی کہ سب کو ایک ہی رنگ میں رنگا جا سکتا، لیکن مدبرین وقت کی دوراندیشی اور سیاستدانِ عصر کی کوششوں سے ایک نئی زبان کی تاسیس ہوئی جو دراصل برج بھاشا کا صاف سایہ تو تھی جس کی برکت سے آج تک ہندوستانی مستفیض ہیں۔ باوجود تمام قومی و مذہبی اختلافات کے ملک کے دو بڑے گروہ یعنی ہندو اور مسلمان صرف مشترکہ زبان کی بدولت آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ عرب، ایران اور ہندوستان کے باشندے سب ایک سطح پر آ گئے۔ ان سب کی مجموعی زبان سے جدید زبان کی تشکیل و تکمیل ہوئی جس نے اتفاق و اتحاد کی مستقل بنیاد ڈالی ہے۔ شروع شروع میں یہ زبان برج بھاشا سے اتنی متشابہ تھی کہ اسے "ہندی" کہا گیا اور جب اس میں حسبِ ضرورت ہندی الفاظ کے ساتھ عربی و فارسی الفاظ گھلنے ملنے لگے تو اس کا نام "ریختہ" رکھا گیا۔ اس کے بعد جب کہ لسانیاتی حسن و ملاحت، آرائش و زیبائش اور تراش و خراش نے اس میں ہندوستان کی ادبی رانی بننے کی پوری پوری صلاحیت پیدا کر دی تو اس پر بادشاہوں کی نگاہیں پڑنے لگیں اور دلی کے قلعہ سے اردوئے معلی

کا شاندار خطاب ہاتھ آیا۔

اُردو کی یہ ترقی اور عزت افزائی کسی ایک قوم کی مرہون منت نہیں ہے ہندو اور مسلمان دونوں نے مل جل کر اس کو پالا پوسا اور پروان چڑھایا ہے۔ اسی مشترکہ ادب نوازی کی تائید میں سر تیج بہادر سپرو صاحب فرماتے ہیں۔

"اردو ہندو مسلمان دونوں کو اپنے آبا و اجداد سے
ایک مشترکہ و مقدس ترکہ کی حیثیت سے ملی ہے
جو قطعاً ناقابل تقسیم ہے"

سر موصوف کے اس قول فیصل میں اُس ہندو مسلم اشتراک عمل کی نہایت مختصر لیکن نہایت جامع و مانع تاریخ و تشریح ہے جس کی برکت سے ہندوستان کی مشترکہ زبان اُردو عالم وجود میں آئی اور ہندو مسلم اتحاد زمانہ لامعلوم تک کے لئے مضبوط ہو گیا۔ اب اگر ملک کی بدقسمتی سے اس "مشترکہ و مقدس" اور "ناقابل تقسیم ترکہ" کو تعصب و جہالت کی چھری سے زبردستی تقسیم کیا جائے گا تو ہندو مسلم اتحاد کا کوئی تسمہ باقی نہ رہے گا اور ملک کا شیرازہ ایسا بکھر جائے گا کہ پھر کچھ بنائے نہ بنے گی۔ اُردو میں ایسے اتحاد و اتفاق کی ایک آہنی زنجیر کہیے جس کی ہر کڑی مادرِ وطن کے حلقہ بگوشوں کے لئے دائرہ امن و حصار عافیت ہے۔

حیرت ہے ان ذوات مختلف الحال پر جن کی لسانی بوالعجبیاں

ابنائے وطن کے لئے خوفناک تراوشیں رکھتی ہیں۔ ایک طرف تو کہا جاتا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد ملک کے لئے جزولاینفک ہے۔ دوسری طرف اُردو کی سخت مخالفت کرتے ہوئے سخت نفاق و شقاق کی وہ چنگاریاں چھوڑی جاتی ہیں جن سے تمام ملک بھسم ہو جائے۔ طوطے، مینا کی طرح ملاپ ملاپ کی رٹ لگانے والے دیپک کے وہ راگ الاپتے ہیں جن کے اثر سے تمام فضائے ہند آتشیں ہو کر (ققنس) موسیقار کی آخری دُنیا بن جائے۔ اس سے زیادہ آگ لگانے والی بات اور کیا ہوگی کہ اُردو کے ساتھ نہایت متعصبانہ انداز میں کہا جاتا ہے کہ یہ قرآنی حروف میں لکھی جاتی ہے۔ کٹر سے کٹر ہندو اس سے زیادہ چھوت چھات کی پوجا نہیں کر سکتا کہ اُسے قرآنی حروف بھی گوارہ نہ ہوں۔ حالانکہ اُردو کے تمام حروف صورتاً عربی نہیں ہیں بلکہ فارسی ہیں اور آواز کے اعتبار سے ٹ۔ ڈ۔ ڑ اور وہ تمام حروف مرکب جو ہائے ہوّز سے مشترک ہو کر بنتے ہیں جیسے بھ۔ جھ۔ گھ وغیرہ سب سنسکرت کے حروف ہیں۔ الفاظ کا بھی یہ عالم ہے کہ اُردو میں فیصدی ۲۵۔ ۳۰ سے زیادہ عربی و فارسی الفاظ نہیں ہیں۔ ان میں بھی بکثرت ایسے ہیں جو منجتے منجتے ہندی کے برابر ہو گئے ہیں اور عام طور پر تمیز نہیں کئے جا سکتے کہ یہ عربی و فارسی ہیں یا ہندی ہیں۔ مثلاً:۔

آرہ۔ اترا۔ توبڑہ۔ توشک — فارسی نژاد ہیں۔

تماشا۔ قمیص۔ طوفان۔ خیرات — عربی الاصل ہیں۔

اسی طرح سیکڑوں الفاظ ہیں کہ باوجود عربی و فارسی ہونے کے ہندی الفاظ کے ساتھ گھل مل گئے ہیں۔ اگر محض تعصب کی بناء پر انھیں علاحدہ کیا جائے گا تو یہ پاکستان کا نیا لغت بن کر رہیں گے اور جدید ہندی کی جو گت بنے گی وہ ابھی سے قابل صد افسوس ہے۔

ہم ہندوستانی ہیں، ہمیں ہندوستان کی ہر چیز سے محبت ہے اور ہونا چاہئے۔ اگر ہم اُردو کے بہی خواہ ہیں تو ہندی کے دشمن نہیں ہیں۔ ہمیں اس سے بھی اُلفت ہے۔ افسوس ہے کہ اُردو کی مخالفت میں ہندی کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں ہو رہا ہے۔ اس کی سلاست و شگفتگی اور دل کشی و دل آویزی کو بُری طرح ٹھیس لگ رہی ہے۔ ہندوستانی کے نام سے مندروں میں بسنے والی کٹر برہمنوں کی زبان اختیار کی جا رہی ہے۔ مشترکہ زبان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایسی عام فہم ہو کہ شمالی ہند میں بلاتفریق مذہب عام طور سے سمجھی اور بولی جائے۔ نام ہندوستانی ہو اور رسم الخط اُردو ہندی دونوں ہوں لیکن کیا یہ جاتا ہے کہ نام نہاد عام فہم ہندوستانی میں سنسکرت کے غریب و نامانوس الفاظ کی بھرمار ہو رہی ہے اور جب کوئی ٹوکتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ ہم سنسکرت الفاظ اس واسطے داخل کرتے ہیں کہ جنوبی ہند والے بھی ہندوستانی کو اپنی زبان سمجھیں حالانکہ جنوبی ہند میں سنسکرت الفاظ صرف اعلیٰ ادبیات میں ہیں، عام زبان سنسکرت نہیں ہے۔ وہاں کے باشندے اپنی زبان میں سنسکرت کی نامناسب

آمیزش پسند نہیں کرتے۔ اُن کا خیال ہے کہ ہندوستانی کے دھوکے میں سنسکرت سکھا کر ان کی تہذیب کا خون کرنا ہے۔

کمال افسوس ہے کہ ہندوستانی کے نام سے ایک ایسی نامقبول زبان اختیار کی جا رہی ہے جس کو جنوب و شمال اور مغرب و مشرق میں کہیں مشترکہ یا منفردہ ہونے کا شرف حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نام نہاد ہندوستانی یا جدید ہندی کا تھوڑا سا نمونہ پیش کر دیا جائے جس سے اندازہ ہو کہ "ہندی پساروں" کی اُپج سے ہندی کون سے ایسے چولے میں جا رہی ہے جو اس کے رنگ روپ اور نکھ سکھ کو بگاڑ رہا ہے اور ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے بلا تفریق مذہب عام طور پر بولی اور سمجھی جانے والی کون سی عجیب و غریب زبان ہے بھارت ساہتیہ پریشد کے اجلاس ناگپور منعقدہ ۱۹۳۶ء میں گاندھی جی اسی اپنی عام فہم زبان میں بایں الفاظ خطبہ صدارت ارشاد فرماتے ہیں:۔ اس سبھا کا سبھاپتی پد دینے کے کارن جب میں ڈھونڈھتا ہوں تو دو ہی پرتیت ہوتے ہیں ایک میرا ساہتہ کار نہ ہونا اور اس لئے کم سے کم دولیش کا کارن ہوتا تھا دوسرے میرا ہندوستان کی سب بھاشاؤں کا پریم۔ جو کچھ ہو میں آشا کرتا ہوں کہ ہم کچھ نہ کچھ سیوا کریں گے اور بھوشیہ میں اپنا سیوا کشیتر بڑھا دیں گے۔ . . . . اس پردش کے پرتیک بھاگ کے ساہتیہ کار بھاشا شاستری . . . .

آپس میں گھوں نہ ملیں اور بھن بھن بھاشاؤں دوارا ہندوستان کی تہیا گو کہ سیوا کیوں نہ کریں"۔

۱۵ ار جنوری ۱۹۳۹ء کو سرکاری طور پر اُتّر پردیش میں دھوم دھام سے یوم تعلیم منایا گیا۔ اس موقع پر معزز ہندوؤں اور مسلمانوں کے نام جو دعوت نامے موصول ہوئے ہیں ان میں سے ایک دعوت نامہ کا تھوڑا سا اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے۔

یہ انتہیہ سرکار کے آدیش انوسار تتھ ۱۵ ار جنوری ۳۹ء چھوپا کوٹ سرکل میں بھی سنگھا پرسار کا اُلسوا تے انتھ سمارده کے ساتھ نیچے لکھے کاریہ کرم کے انوسار منایا جائے گا۔

اتر پردیش کے سابق وزیر تعلیم مسٹر سمپورنا نند کی تقریر جو گورنمنٹ کی طرف سے شائع ہوئی اُس کا کچھ حصّہ۔

شکشا سنگھٹن سمت کے سمکش پرانت کے شکسا بچیومان منہ سبری سمپورنانندن جی کا دیا کھیان" دیر کاش دکھاگ سُنیکنت پرنتیہ گورنمنٹ ادھونک کال جس میں ہم رہ رہے ہیں اس کی یہ بھی ایک وشیستا ہے کہ سیشکستنٹر دہمیا کے پرت لوگوں کا اکر شنٹر بہت وشٹ ادرو یاپک ہوگیا ہے۔ یہ بات ادھکانش سبھی سنسار پر پرگٹ ہوتی اور ترندسار ہم اپنے دیش میں بھی اس وستو دیا پی اندولن کے بھن بھن پہلوؤں کو دیکھ رہے ہیں۔ ....

جدید ہندی (یا ہندوستانی) کی نئی نئی اور عجیب و غریب اصطلاحات

جدیدہ بھی قابل دید و شنید ہیں۔ ذیل میں اُن کا تھوڑا سا نمونہ ملاحظہ ہو۔ ہر لفظ کے سامنے اس کا اُردو ترجمہ اس لئے لکھ دیا جاتا ہے کہ ناظرین اُسے دیکھ کر گھبرا نہ اُٹھیں کہ کونسی بلا ہے:۔

گھوسٹران............اعلان

دھوبر شلاکا..........دیا سلائی

جٹ صوبہ..............اُترپردیش

ورشا.................برسات

کرشک................کسان

اُتسو................میلہ

چکتسا...............علاج

آئے..................آمدنی

ویہیہ................خرچ

اُپستھی...............حاضری

آیہ لوگ..............مقدمہ

آیہ یوکت.............ملزم

جھگڑا دوجے..........مدعی

جھگڑا پیلھڑ و..........مدعا علیہ

دُم سوال.............ضمنی سوال

پوتھی................مسل

جھگڑا گھر (یا) نیائے گھر............عدالت

فن تراجم کی عجیب و غریب مثال قائم کرنے کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد اور شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی اور جمعیتہ العلماء کا بھی جدید ہندی یا ہندوستانی میں ترجمہ کر ڈالا گیا۔

ابوالکلام آزاد..............مہا بکو چھوٹھرا

شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی.....کوی بلٹو ابال نون پوری

جمعیتہ علماء..........نیتاؤں کا جمگھٹ

پنڈت وشوا ناتھ اور لالہ دولت رام نے مدراس پنجاب کے لئے آرٹ آف انگلش ٹرانسلیشن (ہندی) شائع کیا ہے۔ اس کے دو چار جملے ملاحظہ ہوں۔ جن میں اکثر الفاظ متذکرہ بالا استعمال کئے گئے ہیں۔

"ڈاکٹر صاحب کئی دن سے میرے لڑکے کا چکستا (علاج) کر رہے ہیں"۔

"کیلا میرے آماشے (معدے) کے انکول نہیں"۔

"اپنی آئے (آمدنی) کو بڑھاؤ اور ویہہ (خرچ) کو کم کرو"۔

"آؤ آج اُتسو (میلہ) دیکھنے چلیں۔

"جب میں اسکول پہنچا تو ادھیاپک اپستھتی (حاضری) پکار رہا تھا"۔

"جب اُس کا مکان گرایا گیا تو اس نے میونسپلٹی پر ابھیوگ (مقدمہ) چلایا۔

ان تمام اقتباسات میں یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ جدید ہندی کہیں سے کہیں جا رہی ہے۔ آسان اور عام فہم ہونے کے بجائے سخت قسم کی سنسکرت بن رہی ہے۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلمان تو مسلمان ہزاروں اور لاکھوں ہندو بھی جدید ہندی یا ہندوستانی کو سمجھنے سے معذور رہیں "ایجاد بندہ" کے زعم میں جدید ہندی کو چیستاں بنایا جا رہا ہے۔ جدید ڈکشنری بنانے والے سے کوئی پوچھے کہ "برساتا" "دکسان" "دیا سلائی" اور "میلہ" بھی کیا عربی و فارسی الفاظ ہیں کہ انھیں نکال کر درشا۔ کرشک۔ ڈھوم شلاکا اور اُتسو جیسے حسین الفاظ سے ہندی کی خوبصورتی بڑھائی گئی ہے۔ لیکن وہاں تو مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں پنڈتوں کی زبان رواج پذیر ہو حالانکہ ع

ایں خیال ست و محال ست و جنوں

اسی سلسلے میں پنڈت گردھر شرما کی ایک ستم ظریفی بھی دیکھیے۔ آپ کو یہ کسی طرح بھی گوارہ نہیں کہ ہندی میں سنسکرت کے نامانوس الفاظ ٹھونسے جائیں۔ چنانچہ آپ ہدایت فرماتے ہیں لیکن ہدایت کس زبان میں ہے یہ ملاحظہ ہو۔

"سنسکرت۔ مایا بنا کر آپ نے بنگال مہاراشٹر میں ہندی کا پرچار کر لیا۔ کنتو وہ کیول شکشتوں کی بھاشا بن گئی۔ سر دساد ھارن اسے بالکل نہ سمجھ سکے تو کیا لابھ ہوا۔ لاکھ کیا ہوا بڑی ہانی ہوئی۔ ہندی بھاشا میں ہندی بھاشا کے

شبد ہی پر تھم لینے چاہیئے لیکن جب ان سے آوشکتا پوری نہ ہو تب سنسکرت سے سرل شبد لینے چاہئیں۔

ناصح فاضل سے کون پوچھے کہ مہاراج آپ کس زبان میں نصیحت فرما رہے ہیں۔ آپ ہندی پرچار کرتے ہیں یا سنسکرت پرچار۔

افسوس ہے کہ اُردو کی مخالفت میں ایک ایسی انوکھی زبان اختیار کی جا رہی ہے جس سے ہندی ادب کی تمام خوبیاں خطرے میں ہیں۔ ایجاد و اختراع کا ہر پہلو مضحکہ انگیز طریقہ پر اختیار کیا جا رہا ہے۔ چند الفاظ جو سطور بالا میں نقل کئے گئے ہیں ان سے طباعی کی ستم ظریفوں کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔ یہ بات اچھی طرح واضح رہے کہ زبان کسی فرد یا چند افراد کی کوششوں سے نہیں بنتی۔ زبان بنتے بنتے بنتی ہے۔ زبان بنانے والی ایک پوری قوم کی قوم ہوتی ہے جس میں پڑھے، لکھے، جاہل، شہری، دیہاتی، مزدور، تجار اور مختلف حالات واثرات رکھنے والے بے شمار اشخاص ہوتے ہیں جن کی بول چال اور طرز معاشرت سے صدیوں میں ایک زبان تیار ہوتی ہے۔

تاسیس لسانیات کے بارے میں جو دعوے علماء کے ہو سکتے ہیں تقریباً وہی دعوے جہلا کے عمل سے غیر محسوس طریقے پر ہوتے رہتے ہیں بلکہ بعض مواقع پر عالمانہ زعم رکھنے والے جاہلوں کے مقابلہ میں ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ انگریزی الفاظ نگیٹیو اور پازیٹیو کا ترجمہ مثبت اور منفی میں کیا گیا تو یہ ادق الفاظ کسی کی زبان پر نہ آئے۔

لیکن بجلی گھر کے مزدوروں نے جب گرم تار اور ٹھنڈا تار کہنا شروع کیا تو نگیٹو اور پازیٹیو کا ترجمہ مقبول عام ہوگیا اور سب کی زبانوں پر چڑھ گیا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ زبان مختلف حالات و اثرات کے ماتحت عالم وجود میں آتی ہے۔ ایک شخص یا چند اشخاص اُن تمام مختلف حالات و اثرات سے کہاں تک متاثر ہو سکتے ہیں جن سے انسانی زندگی کو سابقہ پڑتا رہتا ہے۔

کیا تندرست کی زبان سے آہ نکل سکتی ہے بیمار قہقہہ لگا سکتا ہے۔ دولت مند افلاس اور مفلس دولت کی حقیقت سمجھ سکتا ہے۔ تاجر کسان اور کسان کے مصطلحات کا موجد نہیں ہو سکتا شہری دیہاتی اور دیہاتی شہریوں کی اصطلاحات کیونکر ایجاد کرے گا۔

غور کرنا چاہیئے کہ ہزاروں اختلافات کی موجودگی میں محض چند افراد کسی زبان کی تکمیل کیونکر کر سکتے ہیں۔ اصطلاحات مختلفہ کی ایجاد مختلف سنج کے لوگوں سے ہوتی ہے یا یوں کہنا چاہیئے کہ زبان بنانے والی ایک پوری قوم ہوتی ہے جس میں مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور ان کے آپس کے معاشرتی اختلافات بکثرت ہوتے ہیں۔ ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی اس امر کا ثبوت ہیں کہ وہ کئی ایک شخص کی ایجادیں ہیں۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ گھر میں بیٹھ کر ایک لغت تیار کر کے کسی نئی زبان کا موجد بن جائے تو یہ ناممکن بات ہے۔ زبان ماہ دو ماہ یا سال دو سال میں نہیں بنتی۔ اسے بنانے کے لئے صدیاں

درکار ہوتی ہیں۔ علاقوں کے بعد جب کسی زبان کی تشکیل ہو جاتی ہے تو اس کے بعد ادب کی باری آتی ہے اور ادبی خدمات صرف علمائے ادب کا کام ہوتا ہے اور جب کسی زبان کا ادب کسی خاص درجہ تک پہنچ جاتا ہے تب وہ کامل ہوتی ہے۔

تشکیل و تکمیل رشتہ کی یہی صورت ہوتی ہے، مگر افسوس ہے کہ جدید ہندی کے علمائے ادب اُردو کی مخالفت اور اپنی جلد بازی سے عجیب عجیب گُل کھلا رہے ہیں جن کی مختصر مثالیں پیش کی جاچکی ہیں۔ اب میں ذیل میں مسٹر ہیرالال سوڈھی کے ایک مطبوعہ مضمون کا مختصر سا اقتباس قول فیصل کے طور پر نقل کرتا ہوں:—

(جریدہ "ہماری زبان" دہلی جلد ۱ نمبر ۲ مورخہ یکم اگست ۱۹۳۹ء)

اس وقت ہمارے ملک کی سب سے زیادہ قومی سیاسی جماعت کانگریس ہے جو گیارہ میں سے آٹھ صوبوں میں حکمراں ہے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ جائز اور درست رہبری کے لئے سب اس کی طرف دیکھیں جس وقت کانگریس نے ہندوستان کی "لنگوا فرنیکا" یعنی زبان عامہ کو ہندوستانی کا نام دیا تو لوگوں نے اس قرارداد کو سیاسی اور معاشرتی نقطۂ نگاہ سے مبارک باد کہا لیکن اس وقت کسی نے قطعاً یہ خیال نہیں کیا تھا کہ ہندوستانی سے مراد ہندی ہوگی اور اس کا مدعا ہندوستان میں اُردو کو ہر ممکن طریقے سے نیست و نابود کرنا ہوگا۔ ....

اُردو کی عام مقبولیت اور کانگریس کی ترشروئی مدراس اور یو۔ پی کی گورنمنٹوں کے کارناموں سے خوب نمایاں ہے۔ ایک طرف تو وزیر اعظم مدراس ہیں جنھوں نے اُردو کی مقبولیت کو کم کرنے کی خاطر نہ اصول کی پرواکی اور نہ قومی مفاد کی۔ آپ ہی نے اسس ترمیم شدہ قانون (Amendment Act) کو نافذ کیا جس پر کانگریس اپنی ساری زندگی میں پُر زور لہجہ میں لعنت ملامت کرتی چلی آتی ہے۔ دوسری طرف پنت صاحب وزیر اعظم یو۔ پی کے عہد حکومت میں پنڈت پیارے لال شرما وزیر تعلیم کو مستعفی ہونا پڑا کیونکہ وہ ہندی کے لئے اپنے ضمیر کو نہیں بیچ سکتے تھے۔ یہ ہے ہماری آزادی، افسوس صد افسوس۔ اگر آپ وہ تقریریں دیکھیں جو یو۔ پی گورنمنٹ کے لکھنے پڑھنے کے دن کی تقریب میں کی گئیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسی خاص مقصد سے ایک شستہ اور صاف زبان کو چھوڑ کر ایک نامانوس اور ثقیل زبان کو عام کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس امر سے نہ کوئی ان سامعین میں سے جن ہیں کہ یہ تقریریں سننے کا فخر حاصل ہوا اور تقریریں کرنے والوں میں سے کوئی منکر ہو سکتا ہے کہ وہ زبان جو اس وقت تقریروں میں استعمال کی گئی اور کسی موقع پر سوائے اس کے کہ ہندوؤں میں خوشی یا غمی کے موقع پر جب برہمن سنسکرت میں مذہبی دعائیں اور اشلوک پڑھتے ہیں استعمال نہیں کی جا سکتی۔

ایسی زبان سے فائدہ۔

اس اقتباس سے حسب ذیل فقرات کو علحدہ کرنے سے مخصوص امور کا انکشاف ہوتا ہے:۔

(۱) ہندوستانی سے مُراد ہندی۔

(۲) اُردو کو ہر ممکن طریقے سے نیست و نابود کرنا۔

(۳) اُردو کی عام مقبولیت اور کانگریس کی ترشروئی۔

(۴) ایک شستہ اور صاف زبان کو چھوڑ کر ایک نامانوس اور ثقیل زبان کو عام کرنے کی کوشش۔

(۵) ایسی زبان سے فائدہ۔

ان پانچ فقرات کو ذہن نشین کرنے سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آجائے گی کہ اُردو کے خلاف "ہندوستانی" کا غازہ لگا کر ہندی کا چہرہ بگاڑا جا رہا ہے۔ ہندوستان کی زبان عامہ بنانے کے عوض وہ زبان بنائی جا رہی ہے جو خاص برہمنوں کی زبان ہے اور بقول مضمون نگار موصوف وہ زبان استعمال کی جاتی ہے جس میں برہمن مذہبی دعائیں یا اشلوک مخصوص موقعوں پہ پڑھتے ہیں اور سنسکرت کا خاص طور پر حق ادا کرتے ہیں۔ جب ہندی نوازی کا یہی عالم ہے تو ہیرالال سنوڑھی کیا تمام دنیا کہے گی اُردو ایسی زبان سے فائدہ!!

بات یہ ہے کہ ؏

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہوگیا

اُردو داں طبقہ میں دو چار قاریان عرب و عجم پیدا ہو گئے۔ اُنھوں نے اُردو میں عربی و فارسی الفاظ و تراکیب سے اپنی مخصوص زبان کی نزاکت و ثقالت میں تمیز نہیں کی۔ ہندو مسلمان کوئی بھی اس زبان سے خوش نہ ہوا، مگر ہندی کے متعلقین اس کے جواب میں ہندی کی لطافت و نزاکت کو اپنی بنائی ہوئی سود لیشی دھوم دھڑ شلا کا دکھانے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ کاش میرے معروضات پر غیر منصفانہ انداز میں نگاہ ڈالی جائے اور ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے کہ ہندی زبان و ادب میدانِ عمل میں آگے بڑھنے والا ہے یا رہنماؤں کی اُلٹی چال سے پیچھے ہٹنے والا ہے۔ اُردو ہندی کی نزاع کو دور کرتے ہوئے ہندوستان کی دونوں زبانوں کو ترقی حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ ملک میں اگر رہیں گی تو یہی زبانیں رہیں گی۔ بدیسی زبان ناخواندہ مہمان ہے۔ اُردو اور ہندی محبت اور پریم کی مستحق ہیں۔ ایک کی ضد میں دوسری کو برباد کرنا اور ساتھ ہی ساتھ خود بھی برباد ہونا دانشمندی کے خلاف نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

اکبر الہ آبادی مرحوم کتنے پہلے زبان کے متعلق اپنی مندرجہ ذیل رباعی میں حکم لگا چکے ہیں:—

اُردو میں جو سب شریک ہونے کے نہیں
اس ملک کے کام ٹھیک ہونے کے نہیں

ممکن نہیں شیخ امراء القیس بنیں
پنڈت جی والمیک ہوتے کے نہیں
رواداری کے ساتھ ہمیں "جیو اور جینے دو" کے سنہرے
اصول پر کاربند ہونا چاہیے تاکہ اُردو اور ہندی ادب کی ترقی میں
کوئی رُکاوٹ نہ ہو۔
"بڑا مزا اس ملاپ میں ہے کہ صلح ہو جائے جنگ ہو کر"

—·٥·—·—×—·—·٥·—

نیشنل پریس الہ آباد میں باہتمام رمضان علی شاہ چھپی

لسانی نقشہ ہندوستان

سنہ ۱۹۳۱ء

تبت چینی
کشمیری
پنجابی
لاہندا
راجستھانی
سندھی
گجراتی
ہندوستانی
منڈا
بنگالی
آسامی
اوڑیا
مرہٹی
تلگو
کناری
تامل
تامل